مسلم- بے شک یہ لیاقت تجھ ہی میں ہے کہ اسلام میں بدعات و بدخلقی و ضیانت کا موجد ہو- ابن زیاد یہ سنکر جھلا اٹھا انکو اور حسینؑ و علیؑ و عقیلؓ رضی اللہ عنہم کو سخت و سست کہنے لگا مسلم بن عقیل نے کچھ جواب نہ دیا خاموش رہے- بعد اسکے ابن زیاد نے حکم دیا کہ بالائے قصر لیجا کر مسلم بن عقیل قتل کئے جائیں اور سر کے ساتھ لاشہ بے گور و کفن پھینکدیا جائے..... لوگ آپکو بالای قصر لیگئے- آپ استغفار کرتے و تسبیح پڑھتے ہوئے گئے- مقام حدا ابن کے مقابل شہید کئے گئے- شہید کرنے والا بکر بن حمران ہے- جسپر آپ نے تلوار چلائی تھی اور سر کے ساتھ لاشہ پھینکدیا گیا"

حضرت ابو مسلم کے الفاظ

صاحب ناسخ التواریخ کے موافق قاتل کی پہلی ضرب نے کام نہیں دیا تو مسلم نے کہا کہ "یہ خراش کافی نہیں ہے- اور ابن زیاد نے سنکر کہا کہ مرتے وقت مسلم نے مفاخرت کی"

ہانی کی شہادت

"مسلم ابن عقیلؓ کے شہید ہونے کے بعد محمد ابن اشعث نے ہانی کی سفارش کی ابن زیاد نے نامنظور کرکے حکم دیا کہ سر بازار لیجا کر ہانی کی گردن ماری جائے چنانچہ اسکے ایک ترکی غلام نے اسکی تعمیل کی" (ابن خلدون) اعثم کوفی کے موافق قاتل ہانی کا نام رشیدؓ تھا-

شہادت کے بعد لاشوں سے برتاؤ-

بقول ابن اسحق "پھر ابن زیاد کے لوگوں نے مسلم اور ہانی کے جسموں کو بازاروں میں کھینچنا شروع کیا اسکے بعد ابن زیاد نے ان دونوں کے سر کو کاٹ کر ہانی ابن حبلہ اور زبیر ابن ادواح کے ساتھ یزید کے پاس بھیجدیا" بقول اعثم کوفی "بحکم ابن زیاد ہانی اور مسلم کی لاشیں سولی پر الٹی لٹکادیں"

عبد اللہ ابن زبیر اسدی- فرزدق یا سلیمان حنفی نے یہ اشعار کہے جسکا ترجمہ ہے کہ:-

مرثیہ

اگر تو نہیں جانتا کہ موت کیا چیز ہے تو ہانی اور فرزند عقیلؓ کیطرف بازاروں میں دیکھ- ایسے بہادر کیطرف جسکا موُنھ تلوار نے توڑا اور دوسرا قتل کرکے کوٹھے سے گرا دیا گیا- ان دونوں کو ایک زانی کے بچے نے تکلیف دی- اب وہ دونوں ہر راہ گیر کے زبان زد ہو رہے ہیں- دیکھتے ہو کہ موت نے بدن کے رنگ کو بدلدیا ہے- یقینی خون خالص راستوں میں بہہ رہا ہے- وہ جوان ایسا باحیا تھا کہ جوان عورت شرمیلی ہوتی ہے اور دو دہاری تلوار سے بھی زیادہ کاٹنے والا تھا- آیا امن کیساتھ لوگ اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں حالانکہ واقعی قبیلہ مذحج نے اسکے خون کا عوض طلب کیا ہے- قبیلہ مراد کے لوگ اسکے ہر طرف پھر رہے ہیں اور ہر ایک انکے سائل اور مسئول کی گردنوں پر ہے- اگر تمنے اپنے بھائی کے خون کا عوض نہ لیا تو پھر تم رنڈیاں بنجاؤ جو تھوڑی خرچی پر راضی ہو جاتی ہیں"

۳ یا ۹ ذیحجہ سنہ ۶۰ھ شہادت کی تاریخ

صاحب لہوف کے موافق حضرت مسلمؑ ۸ ذیحجہ کو شہید ہوئے۔ صاحب سر الشہادتین کے موافق ۳ ذیحجہ کو شہید ہوئے۔ میں نہیں سمجھا کہ ابن خلدون کا کیا منشا ہے جہاں وہ کہتا ہے کہ "مسلم بن عقیل کی روانگی کوفہ کی جانب آٹھویں اور بعض کہتے ہیں نویں شب کو ذیحجہ سنہ ۶۰ھ میں ہوئی تھی" اور ابھی وہ پہلے لکھ چکا ہے کہ "مسلم ابن عقیل بہ تفصیل ارشاد پہلی ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو کوفہ میں داخل ہوئے" غالباً اس سے خروج مراد ہے جیسا تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے۔

مسلم کے خروج کی تاریخ

اسکے بعد بقول ابو اسحق اسفرائنی ابن زیاد نے یزید کو لکھا:۔

یزید کو اطلاع

"شکر ہے خدا کا جسنے امیر المومنین کا حق دلایا اور اسکے دشمن کی شر دفع کی۔ اے امیر مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر میں آیا۔ لوگوں نے دیکھ لیا۔ میں نے اُن دونوں کو گرفتار کرایا۔ یہ ان دونوں کے سر ہیں جو ہانی بن جبلہ وداعی اور زبیر ابن ارواح تمیمی کے ہاتھ ارسال ہیں اور یہ دونوں شخص تابع فرمان ہیں جو کچھ آپ پوچھنا چاہیں انسے دریافت فرمائیں اور جو چاہیں حکم دیں کیونکہ ان دونوں کو صحیح صحیح حالات معلوم ہیں"

یزید نے اسکے جواب میں لکھا۔

یزید کا جواب

"اے امیر تمنے ویسی ہی کارروائی کی جو میں چاہتا تھا اور تمنے شیر کیطرح حملہ کیا۔ اب میں نے سنا ہے کہ حسینؑ اپنے اہل و عیال اور قبیلہ سمیت روانہ ہو گیا ہے اور عراق کیطرف آرہا ہے۔ تمکو بھی اسکی طرف جانا چاہیئے اور جبتک اسکو قتل کرکے اسکا سر اور اسکے رفیقوں کا سر میری طرف نہ بھیجو اُس وقت تک تمکو تکیہ لگانا اور سیر ہو کر طعام کھانا نہیں چاہیئے"

بقول اعثم کوفی جب ان دونوں شخصوں نے شہیدوں کے سر اور خط یزید کے حوالہ کیئے تو اسنے خط کا مطالعہ کرکے حکم دیا کہ یہ سر دمشق کے دروازہ پر لٹکا دیئے جائیں اور خود جواب میں لکھا کہ "تیرا خط آیا مسلم اور ہانیؑ کے سر پہنچے میں بہت خوش ہوا۔ تو مجھے بہت ہی عزیز ہے۔ جیسا میں چاہتا تھا تو ویسا ہی نکلا۔ میں تجھسے کسی امر کی بازپرس نہیں کرتا جو کچھ تو نے کیا خوب کیا... ہاں یہ بھی سنتا ہوں کہ حسینؑ ابن علیؑ مکہ سے نکلکر عراق کا ارادہ رکھتا ہے۔ تجھے بہت ہی احتیاط رکھنی لازم ہے۔ خبرداری کیساتھ راستوں کو اپنی نگرانی اور حفاظت میں لے لینا چاہیئے اور جس شخص کو فسادی سمجھے خواہ قتل کر یا قید میں ڈال تجھے اختیار ہے اور حسینؑ کی جو جو خبریں تجھے معلوم ہوتی رہیں وقتاً فوقتاً مجھے اسنے مفصل اطلاع دیتا رہ"

حسینؑ کے نام جعلی خط

ابو اسحٰق اسفرائنی کے موافق جب ابن زیاد کو یزید کا خط ملا۔ تو اُسنے "جعلی طور پر مسلمؑ کی زبان سے امام حسینؑ کیطرف یوں خط لکھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد اے ابن عم عراق میں ہمکو کامیابی حاصل ہو گئی۔ تمام لوگ مطیع ہیں جلد آیئے دیر نہ کیجئے۔ لوگوں کے دل ہمارے ساتھ ہیں اور وہ آپ کی امداد کیلئے چشم براہ ہیں جلد اُٹھیے اور جلد آیئے"۔

"پھر ابن زیاد نے خط لپیٹا اور اہل کوفہ میں سے ایک شخص کو دیکر حکم دیا کہ حسینؑ سے ملو۔ راستہ میں مدینہ میں۔ یا مکہ میں جہاں ملو یہ خط اُنکو دیدو۔ اُسنے کہا بسر و چشم۔ خط لیا اور روانہ ہوا جب مدینہ تک ایک منزل رہ گئی تو اُسکو امام حسینؑ ملے جو اُسی روز مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ نماز عصر کا وقت تھا قاصد نے وہ خط اُنکو دیا جسکو امام حسینؑ نے لیکر پڑھا اور سمجھا اور نہایت خوش ہوئے پھر باقی تمام لوگوں کو بھی سنایا۔ پھر امام حسینؑ نے تمام لوگوں کو اُسی جگہ مقام کرنے اور دن کا باقی حصہ اور رات گذارنے کا

۱۵ ذی الحجہ

حکم دیا۔ اُس روز ذی الحجہ کی پندرھویں تاریخ تھی۔ ابن زیاد کا قاصد اُنسے رخصت ہو گیا اور جنگلوں اور بیابانوں کو طے کرتا ہوا ابن زیاد کے پاس پہنچا اور اُسکو امام حسینؑ کے حالات بتائے کہ وہ خط کو پڑھکر بہت خوش ہوئے اور عنقریب کوفہ آنے والے ہیں۔ ابن زیاد نے فوراً آمادہ ہو کر حصین بن نمیر کو ایک ہزار سوار دیکر امام حسینؑ کی نگرانی کیلئے بھیجا کہ اُنکو کوفہ تک لے آئے۔ تاکہ وہ کہیں مسلمؑ کی خبر سنکر بھاگ نہ جائیں اور قتل سے نہ بچ جائیں۔ حصین یہ حکم لیکر روانہ ہوا اور قادسیہ پہونچا"۔

ناقلین اخبار نے اپنی ترتیب اسطرح قائم کی تھی کہ حسینؑ یا تو مکہ معظمہ سے مسلمؑ ابن عقیل کی شہادت سے [illegible] روانہ ہوئے اور یا ایک دو روز قبل یا ایک آدھ روز بعد۔

۳ یا آٹھویں یا ۱۰ ذی الحجہ کو حسین کوفہ روانہ ہوئے

مثلاً صاحب لہوف اور روضۃ الصفا کے موافق ۳ یا آٹھویں کو اور موافق ابن خلدون دسویں ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو روانہ ہوئے۔ صاحب سر الشہادتین کے نزدیک تیسری کو حضرت مسلمؑ شہید ہوئے اور "جس دن مسلمؑ شہید ہوئے اُسی دن پہلے امام حسینؑ علیہ السلام مکہ سے کوفہ کیطرف" اور بعضوں نے کہا ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو"۔ اعثم کوفی کے موافق "ترویہ کے وقت ۸ ذی الحجہ کو منگل کے دن مکہ سے نکلے"۔

منگل کا دن

اور اسی طرح حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے مکہ سے روانگی کے وجوہات بھی مورخین میں اختلافات کی چیز ہیں۔ مثلاً عموماً مورخین نے یہ وجہ بتائی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مسلمؓ بن عقیل کا یہ خط پاکر

روانہ ہوے کہ ہمارے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی ہے آپ جلد تشریف لائے لیکن اعثم کوفی کے موافق کوفہ کا کوئی شخص وارد ہوا اور اُس سے مسلم کی خبر شہادت معلوم ہوئی اور اُسی وقت سفر عراق کا مصمم ارادہ کر لیا،، اور پھر مؤلف خصائص حسینیہ کے موافق حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت محمد حنفیہ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ”اے بھائی ڈرتا ہوں میں کہ یزید ملعون مکہ سے مجھی یہاں قتل کرے اور بسبب میرے قتل کے حرمت خانۂ خدا ضایع ہو جائیگی“ لہوف کے نوٹ میں بھی یہی ہے - اور اعثم کوفی میں جسوقت ابن عباس اور ابن عمر مکہ سے مدینہ کیطرف روانگی کا قصد کرتے ہیں تو آخری مرتبہ حسینؑ کے پاس آکر ابن عمر کہتے ہیں ”لوگوں نے یزید سے بیعت کر لی ہے اور مکہ والے بھی دولت و زر کی لالچ سے اُسی کیطرف جھکینگے آپ کا ساتھ چھوڑ دینگے یا شہید کرینگے... امام حسینؑ نے فرمایا اے ابن عمر افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ لوگ مجھے گھر میں بھی بیٹھنے نہ دینگے - جیسے اُلجھیں گے اور اگر میں اُنمیں سے نکلکر کسی نامعلوم جگہ چلا جاونگا تو بھی ڈھونڈھ نکالینگے اور بعیت یزید کیلئے مجبور کرینگے - اور اگر انکار کرونگا تو قتل کر دینگے.... اے ابا عبد الرحمن خدا سے ڈر اور میرا ساتھ نہ چھوڑ اور اللہ سے موںھ نہ موڑ تو میرا مددگار رہ اور بعد نماز دعائے خیر سے یاد کرتا رہ اگر تو اسوقت مجبور ہے اور میرے ساتھ نہیں رہ سکتا تو میں تجھے معاف رکھتا ہوں..... اُنلوگونکی بیعت اختیار کرنے میں جلدی نہ کرنا - اسقدر ضرور توقف کرنا چاہیئے کہ تجھے انجام کار کی اطلاع ہو جاوے.... اب اُن حضرت نے ابن عباس کیطرف متوجہ ہوکر فرمایا... میں مکہ ہی میں رہونگا جبتک یہاں کے لوگ میرے دوست رہینگے اور میری مدد کرینگے - جب یہ معلوم ہو جائیگا کہ انکے ارادے بدل گئے اور میرا ساتھ نہ دینگے تو میں بھی اُس کلمہ کو یاد کرونگا جو ابراہیم پیغمبر آگ میں ڈالے جانیکے وقت فرماتے تھے کہ حسبنا اللہ نعم الوکیل اور پھر میں کسی اور جگہ چلا جاونگا“ صاحب البلاد المبین تاریخ ابن جریر طبری سے نقل فرماتے ہیں کہ ”حضرت نے فرمایا کہ اے فرزدق اگر میں جانے میں عجلت نہ کروں تو دشمن گرفتار کر کے لیجائینگے“ صاحب وسیلۃ النجات فرماتے ہیں کہ ”چون یزید پلید جمعے را فرستادہ بود کہ بہ بہانۂ حج ان حضرت را گرفتہ نزد او برند یا بہ قتل آرند حضرت احرام حج را بہ عمرہ عدول نمودہ و اعمال عمرہ بجا آوردہ محل شد و متوجہ عراق گردید“ صاحب ناسخ التواریخ طریحی کی منتخب سے نقل کرتے ہیں کہ یزید نے تیس آدمیوں کو حاجیوں کے بھیس میں بھیجا تھا کہ حسینؑ کو گرفتار کر لیں اور اگر گرفتار نہ ہوں

حضرت نے کب سفر عراق کا ارادہ کیا

ابن عمر مکہ کے لوگوں کے متعلق

حضرت کا جواب کہ دشمن مکہ میں نہ رہنے دینگے

حضرت مکہ میں اپنا موقع ظاہر فرماتے ہیں

تو قتل کر ڈالیں۔ اعثم کوفی کے موافق جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے کوچ فرما چکے ہیں کہ منزل ثعلبیہ پہونچنے کے دوسرے دن صبح کو ایک کوفی ابو ہریرہ ازدی نے حسین بن علی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا اور کہا اے فرزند رسول تم کسلیئے حرم خدا و رسول سے چلے آئے۔ آپ نے فرمایا اے ابا ہریرہ بنی امیہ نے ہمارا مال مار لیا ہمنے صبر کیا۔ ہمیں سخت و سست کہا ہمنے صبر کیا۔ اب قتل کرنا چاہا تو میں وہاں سے نکل آیا۔ اے ابو ہریرہ خدا کی قسم میں باغیوں کے ہاتھ سے مارا جاؤنگا اور میری ہلاکت کے بعد اللہ تعالی اُن لوگوں کو ذلت و خواری کا لباس پہنائیگا۔ ایک زبردست قوم اُنپر مسلط ہوگی جو اُنھیں ایسا ذلیل و خوار کریگی جیسا زبردست کمزور کو خراب کرتا ہے" بقول روضتہ الشہدا کسی کے سمجھانے پر کہ مکہ سے کوفہ نہ جایئے فرمایا "کہ آنجا از الزام محبت ایشاں اندیشہ مندم و اینجا از بیم اعادی در گزندم"

باب ہشتم

واقعات کا نشو

مفید تنقیحات

واقعات کا اس حد تک پہونچنا یہ دو تنقیح پیدا کر دیتا ہے کہ (۱) آیا حضرت امام حسین علیہ السلام کی روش نزاعی تھی یا دفاعی؟ (۲) اور حضرت مسلم کا خط کونسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام اس مضمون کا پہونچا یا نہیں کہ آپ کوفہ تشریف لایئے، لوگ آپکی خلافت کیلئے آمادہ ہیں؟ میں ایک یہ بھی ضمنی تنقیح قائم کرتا ہوں کہ اگر بفرض محال حسین نے یزید کی سلطنت کے اُلٹ دینے کا قصد کیا تو یہ کوشش کب تھی کیسی تھی اور حضرت نے کامیابی کیلئے کونسے وسائل اختیار کیئے؟

میں دوسری تنقیح سے ابتدا کرتا ہوں۔

حضرت مسلم کا کوئی خط بنا بر طلب حضرت امام حسین کے پاس نہیں پہنچا

اسکے متعلق میرا تصفیہ ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل کو اسکا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اطلاع دیتے اور اگر اطلاع دی بھی تو وہ حضرت تک نہیں پہونچی۔ پس اگر ایسا ہوا کہ حضرت مسلم ابن عقیل کی کوئی اطلاع بنا بر طلب حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس نہ پہونچی تو یہ خیال قطعاً غلط ہو جائیگا کہ کوفہ میں حصول خلافت کیلئے ایک جماعت کو اپنا مددگار پاکر حضرت امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے کوچ

فرمایا۔ اسکے یہ میرے وجوہات یہ ہیں:۔

وہ مورخین جنہوں نے متذکرہ صدر گمان کیا ہے۔ انھوں نے وہ وقت اور جگہ اور عبارت نہیں بتائی ہے جب اور جہاں اور جن لفظوں میں حضرت خامس آل عبا علیہ التحیۃ والثنا کو حضرت مسلم کا خط ملا۔ بلکہ روا روی میں کہیں ضمنی تذکرہ کر دیا ہے کہ حضرت کو مسلم کا خط ملا اور اسوجہ سے وہ کوفہ روانہ ہوئے۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب نسبتاً غیر مفید واقعات کی اکثر صراحت موجود ہے تو وہ وقت اور جگہ ذکر کے قابل تھی جہاں حضرت کو ایک ایسا خط ملتا جس کے بعد کا کوئی اقدام مسلمانوں نہ تاریخ اسلام اور تاریخ حجاز و عرب و شام میں خصوصیت سے دیکھا جاتا اسلئے کہ ایسی صورت میں حضرت کا روانہ ہونا غور سے دیکھنے کی بات ہوتی کہ دیکھئے حسینؑ کا حرکت کرنا انکے یا دمشق کے تخت کیلئے کیا کرتا ہے حسینؑ کا کوئی اقدام نہ صرف سیاسی حیثیت سے ایک مفید مسئلہ ہوتا بلکہ حسینؑ کی ذات کا کسی ایسے امر کے لیے آمادہ ہونا یہ امید و بیم پیدا کرتا کہ دیکھئے حسینؑ کے نانا کا نظام پھر اپنی جگہ پر قائم ہوتا ہے یا بنی امیہ اپنی جگہ بے جنبش ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت مسلم کے خط کی عبارت۔ زمانہ اور مقام کون ہے

بڑے مسائل

کیا کہیں مسلم کے خط کا اشارہ ملتا ہے۔

وہ لوگ جو حضرت کو صلاحیں دیتے ہیں وہ بجز اسکے کہ ایسی مبہم باتیں کہیں کہ اہل کوفہ پر اعتبار نہ کرنا چاہئے اسلئے کہ انکا سیاق آپکے بھائی اور پدر بزرگوار کے متعلق امید خیز نہیں ہے یا یہ کہیں کہ اللہ نہیں چاہتا کہ نبوت اور خلافت ایک خاندان میں ہوں۔ کہیں مسلم بن عقیل کے خط کا تذکرہ نہیں ہوتا اور کوئی اسکی تنقید یا تائید نہیں کرتا نہ اسکا تذکرہ کرتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت نے اس خبر کو بصیغہ راز رکھا لیکن اس خبر کا موجود ہونا کہ یہی مکہ معظمہ میں مسلم کا خط آیا اور اسمیں اٹھارہ ہزار آدمیوں کی بیعت کرنے اور بلانے کی خبر تھی اسکی تردید کرتا ہے کہ یہ بصیغہ راز رکھا گیا۔ حالانکہ یہ بھی ایک غور طلب بات ہے کہ ان باتوں کو حضرت امام حسینؑ ظاہر کر سکتے تھے یا نہیں ظاہر فرما سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ مکہ معظمہ میں جبکہ یزید کا عامل خارج نہ ہوا تھا ایک ایسی خبر کا شایع کر دینا کسی طرح قرین مصلحت نہ تھا کہ یزید کی عملداری کے ایک حصہ کے لوگ اسکی حکومت کو الٹ دینے کی فکر میں ہیں اور جسے اپنا مرکز قرار دینا چاہتے ہیں وہ مکہ میں موجود ہے اور پھر بھی عامل مکہ کوئی بازپرس جائز نہ سمجھتا یا یہ کہ اپنے ولی نعمت یزید کو اسکی اطلاع نہ دیتا۔ اور پھر سب بطرہ یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ ایک ایسے صیغہ راز کی خبر ظاہر ہو جاتی ہے جس سے یزید کو حسینؑ کے روکنے یا کوفہ میں انتظام کرنیکا وقت ملے تاہم مورخین کے پاس نہ اس خط کی

نقل ہے نہ وہ مقام اور وقت معلوم ہے جسوقت کہ مسلم کا یہ مفید خط حسینؑ کے پاس آیا۔ اور نہ کوئی حسینؑ کو اسکی مبارکباد دیتا ہے کہ اہل کوفہ اتنی بڑی جماعت سے آپکی مدد کیلئے تیار ہیں اگر درمیانی آفت سے محفوظ کوفہ پہونچگئے تو کامیابی میں دیر نہیں ہے۔ لوگوں کا رد کرنا اہل کوفہ کے خطوط کے لحاظ سے تھا۔ اور نہ کہیں یہ تذکرہ ہے کہ کسی نے حضرت سے یہ کہا ہوتا کہ یہ اطلاع جو مسلم نے اٹھارہ ہزار آدمیوں کے متعلق آپکے پاس بھیجی ہے یہ تمام یا زیادہ تر آدمی ناقابل اعتبار ہیں۔ اور اب بھی ہمکو انکی مدد کا یقین نہیں ہے آپ یقین کرنے کیلئے کچھ اور وسائل اختیار کیجئے۔ غرضکہ اس یقین کی تمام فطری صورتیں جنسے یہ سمجھا جاتا کہ مسلم کا خط آیا یا نہیں مفقود ہیں اور سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وہ جگہ اور وقت ہی خلق نہیں ہوا جہاں اور جب حضرت کو مسلم کا خط ملتا۔

مسلم کے خط کی تمام فطری صورتیں مفقود ہیں

بفرض محال ایسا ہوا کہ حضرت نے اسے عامۂ ناس کو نہیں دکھایا لیکن مورخین نے اسکا تذکرہ کب کیا ہے کہ حضرت نے ابن عباس اور حضرت محمد حنفیہ کو یہ خط دکھایا اور انھوں نے مضمون خط پر مطلع ہو کر اسکے متعلق یہ یہ کہا۔ کچھ نہیں۔ بلکہ جو کچھ باتیں ہوئیں وہ اس تذکرہ اور اس خط کے تعین سے بالکل علحدہ ہیں۔

اگر عوام کو نہیں تو کم سے کم ابن عباس اور محمد حنفیہ مطلع ہوتے اور خط کے متعلق گفتگو کرتے۔

مورخین میں اعثم کوفی نے یہ استثنائی ہے کہ حضرت کو مسلم کی شہادت کی خبر مکہ ہی میں دلوائی ہے یہ مورخین کے اس عام اعتراف کے منافی ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے مکہ سے اسی دن کوچ کیا جسدن کوفہ میں حضرت مسلم شہید ہوئے۔ یہ قطعاً ناممکن تھا کہ جس روز حضرت مسلم شہید ہوئے اسی روز حضرت کو مسلم کی شہادت کی خبر معلوم ہوجاتی اور اسی روز روانہ ہوجاتے اور اگر شہادت کے چند روز بعد خبر معلوم ہوتی تو یہ خبر قطعاً غلط ہوجاتی ہے کہ حضرت دس ذی الحجہ تک روانہ نہیں ہوگئے حالانکہ یہ مستند ہے کہ حضرت حج نہیں کرسکے اسکے علاوہ اسے کوئی شخص قبول نہ کریگا کہ ایسی حالت میں جبکہ حضرت کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ حضرت مسلم شہید ہوچکے اور انکا شہید ہونا اسوجہ سے تھا کہ اہل کوفہ نے انکی مدد نہ کی تو وہ فوراً ہی کوفہ کی روانگی کا قصد فرماتے۔

جعلی خط بھی قریب مدینہ ملا

ابو اسحٰق اسفرائنی نے ایک دوسری صورت پیش کی ہے کہ ابن زیاد نے ایک جعلی خط حضرت کے پاس بھیجا۔ اسنے ہمارے اس سوال پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ حضرت نے حصول خلافت کی کسی امید پر مکہ کے قیام کو ترک کیا بلکہ یہ جعلی خط حضرت کو مدینہ کے قریب ملا۔ یعنی خط اسوقت ملا جسوقت کہ حضرت مکہ کے قیام کو ترک کرچکے تھے۔ کیوں ترک کیا تھا اسکی وجہ بیان کیجاتی ہے۔

گرفتار شدہ خط کے مرسلۂ مسلم ہونیکا کوئی ثبوت نہیں ہے

اعثم کوفی نیز اس گمان کے صاف کرنے میں مدد دیتا ہی کہ اگر مسلم نے کوئی اطلاع بھیجی بھی تو وہ حضرت تک نہ پہنچی۔ انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ابن زیاد کے ایک خادم مالک بن یربوع تمیمی نے مسلم کے قاصد عبد اللہ ابن یقطین کو گرفتار کیا اور وہ خط جسمیں یہ اطلاع تھی کہ بیس ہزار آدمیوں نے بیعت کی ہے گرفتار ہو گیا۔ حالانکہ اس خط سے بہ یقین تصفیہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مسلم نے لکھا تھا اسلئے کہ یہ خط مسلم کیطرف سے حسین کے نام تھا کسی کی طرف سے کسی کے نام خط ہوتا اُس شخص کیطرف سے خط ہونیکا صحیح ثبوت نہیں ہی تاوقتیکہ ثبوت کے دیگر ذریعے سے جانچ نہ ہو۔ اور کہیں اسکا تذکرہ نہیں ہی کہ کسی نے یہ کہا کہ اس خط میں مسلم کی دستخط ہم پہچانتے ہیں۔

اگر ابن زیاد مسلم کیطرف سے کوئی جعلی خط لکھ سکتا تھا کہ حسین ہمارے قبضہ میں آ جائیں تو اسیطرح یہ ممکن تھا کہ حسین کا کوئی دوست اپنی غرض سے ایک جعلی خط مسلم کیطرف سے حسین کے نام بھیجدیتا اور یہ اسکا عذر شوق سمجھا جاتا۔ اسوقت جو کچھ کہا جا سکتا ہی وہ یہ ہی کہ قرینہ ہے کہ خط مسلم نے لکھا ہو۔ جو کچھ بھی ہو اگر مسلم نے یہ خط بھیجا تو یہ اُسوقت تھا جبکہ وہ دار مختار سے ہانی کے گھر منتقل ہو چکے تھے یعنی اپنی شہادت کے صرف ایک آدھ دن قبل۔ خط کی عبارت سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ حسین کی طلب کے متعلق یہ پہلا خط تھا۔ جو حسین تک نہ پہونچا۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ مسلم کا خط جو دار ہانی سے روانہ ہوا تھا گرفتار نہیں ہوا تاہم یہ خط کوفہ سے ۶ یا ۷ کو روانہ ہوتا ہے اور اس صورت میں کسی اور منزل پر ملے تو ملے مکہ میں حسین کو نہیں مِلسکتا تھا اور اس سے بھی اسکی تردید ہو جاتی ہی کہ حسین نے اس سامان کے بھروسہ پر قیام مکہ کو نہیں ترک کیا۔

دار ہانی سے روانہ شدہ خط حسین کو مکہ میں نہیں مِلسکتا تھا

فاصلہ اور معلومہ تاریخ

اب میں اس سوال کو فاصلہ اور معلومہ تاریخ کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

نور العین فی مشہد الحسین میں ابو اسحٰق اسفرائنی حضرت مسلم کی روانگی کی تاریخ ۱۲ ذیقعدہ سنہ ۶۰ھ بتاتے ہیں اور ابن خلدون کے موافق حضرت مسلم یکم ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو کوفہ میں داخل ہو گئے تھے۔

۱۸ دن میں مکہ سے کوفہ

اس حساب سے حضرت مسلم مکہ سے کوفہ اٹھارہ دن میں پہونچے۔ مکہ سے کوفہ اٹھارہ دن میں پہونچنے کی تصدیق قریب قریب اس حساب سے بھی ہو جاتی ہی کہ حضرت امام حسین ۹ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوئے اور ۳ محرم کو کربلا پہنچے تو اس لحاظ سے قریب تیئس دن کے ہوتے ہیں۔ یعنی پانچ دن زیادہ ہیں۔ اسمیں چونکہ کربلا کوفہ سے ایک منزل پیچھے ہے اسلئے ایک دن کم ہو گیا۔ چار دن یا تو کہیں مقام کیا گیا یا بوجہ اس کے کہ حضرت

کیساتھ ایک پورا قافلہ تھا کہیں کچھ عرصہ ہوا۔ یہ تمام حاجی جانتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ میں قافلہ بارہ یا تیرہ دن میں پہونچتا ہے۔ اگر مسلم کیلئے بارہ دن بھی تجویز کئے جائیں تو گویا مدینہ سے کوفہ کا راستہ چھ دن میں طے ہوتا ہے۔ اس چھ دن کی مدت کی تصدیق غالباً ابواسحٰق اسفرائنی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ابن زیاد کا جعلی خط ۱۵ ذی الحجہ کو حسینؑ کے پاس قریب مدینہ پہونچا یعنی حضرت مسلم آٹھ ذی الحجہ کو شہید ہوئے اسی روز قاصد روانہ کیا گیا اور چھ دن میں حسینؑ کے پاس پہونچ گیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام چوتھی شعبان کو مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے اور چونکہ حضرت بھی انتشار کے عالم میں تھے۔ ہم حضرت کے مکہ پہونچنے کیلئے بھی بارہ دن تجویز کرتے ہیں اور اس لحاظ سے حضرت ۱۶ شعبان کو مکہ میں موجود تھے اب علامہ مجلسی کے موافق کوفہ کا پہلا قاصد حضرت امام حسینؑ کے پاس مکہ میں دسویں رمضان کو پہنچا یعنی حضرت کی مدینہ سے تاریخ روانگی اور مکہ میں کوفہ کا قاصد پہونچنے کے درمیان ایک مہینہ چھ دن کا وقفہ ہے۔ چونکہ مدینہ سے کوفہ خبر پہونچنے تک چھ دن صرف ہوتے ہیں اور اٹھارہ دن میں آدمی کوفہ سے مکہ پہونچتا ہے اسلئے چوبیس دن کا حساب معلوم ہے۔ اب ایک مہینہ چھ دن میں چوبیس دن کی تفریق کرنے سے بارہ دن باقی رہتے ہیں۔ یہ بارہ دن غالباً اسطرح صرف ہوئے کہ کچھ تو حضرت امام علیہ السلام کے مدینہ سے مکہ روانہ ہونے کے ساتھ ہی کوئی مدینہ سے کوفہ روانہ نہیں ہوا۔ اور دو چار دن کا عرصہ ہوا۔ یا مدینہ سے کوفہ آدمی چھ دن سے ایک آدھ دن زیادہ میں پہونچا ہو یا بقیہ دن ان دونوں لحاظ کے بعد اہل کوفہ کے غور و مشورت میں بسر ہوئے۔ اور چونکہ اہل کوفہ نے متواتر تین دفعہ روانہ کئے جنمیں کا پہلا روانہ ہو چکنے کے بعد دوسرا دور اُنکے بعد روانہ ہوا ہم قیاس کرتے ہیں کہ غالباً چوتھے دن کے بعد روانہ ہوا اور اسطرح تیسرا وفد مکہ میں ۱۴ رمضان المبارک کو پہونچا حضرت نے یا کچھ نہ فرمایا یا بہ عجلت واپس کیا اسلئے اگر یہ بندہ رمضان ہی کو روانہ ہو گیا تو کوفہ میں اٹھارہ دن کے بعد یعنی ۳ شوال کو پہونچا۔ اب بلحاظ اسکے کہ اہل کوفہ بہت سرگرم تھے اُنکے رؤساء کا آدمی اسی روز روانہ ہو گیا اور پھر اکیس ۲۱ شوال کو مکہ پہونچ گیا۔ اب اگر یہ اٹھارہ دن میں انکاری جواب سے واپس کئے جائیں تو یہ کوفہ ۹ ذیقعدہ کو پہونچینگے اور اسلئے آخری قاصد کا وقت رہے گا۔ اسلئے ہم فرض کرتے ہیں کہ جس روز یہ کوفہ پہونچے اسی روز کوفہ کا آخری قاصد مکہ پہونچا اور دو روز کے غور کے بعد ۱۲ ذیقعدہ کو حضرت نے مسلم کو کوفہ کیطرف روانہ کردیا اور یکم ذی الحجہ کو کوفہ پہونچ گئے۔

مدینہ سے کوفہ چھ دن میں

حضرت امام حسینؑ ۱۶ شعبان کو مکہ میں موجود تھے

ایک مہینہ چھ دن بعد اسکا حساب

تیسرا وفد ۱۴ رمضان کو مکہ میں۔ ۳ شوال کو کوفہ میں

پھر اکیس ۲۱ شوال کو مکہ میں

چوتھے قاصد کیلئے وقت کی کمی اور [illegible]

ہمنے تاریخ اور دونوں کی بابت میں اسلئے رعایت کی ہے کہ یہ سمجھائیں کہ باوجود ان لحاظ کے ہیں یا اور جو کچھ ہے چاہا جائے یہ ممکن ہو کہ پہلی ذی الحجہ مسلم کے کوفہ پہونچنے کی تاریخ سے سے تاریخ یا آٹھویں تاریخ جس درمیان میں وہ شہید ہوئے یا دسویں تاریخ تک جبکہ حضرت امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے) سے آٹھ ذی الحجہ تک حضرت مسلم کوفہ پہونچے ہوں۔ لوگوں کو خبر ہوئی ہو یزید کے جاسوسوں نے دمشق خبر بھیجی ہو (واقعات عثمان میں ہم کہہ چکے ہیں کہ قافلے اشترؓ نے شام سے کوفہ تیرہ دن میں پہونچے تھے) یزید نے ابن زیاد کو بصرہ خبر دی ہو۔ ابن زیاد بصرہ سے کوفہ آیا ہو مسلمؑ کے نظام میں ابتری ہوئی ہو۔ جاسوس دھوکا دیتا رہا ہو۔ پھر مسلم نے جلدی شروع کی ہو اطمینان ہوگیا ہو کہ لوگ ثابت قدم رہینگے اور پھر اسکے بعد حسینؑ کو خط روانہ کیا ہو اور یہ خبر پاکر حضرت روانہ ہوئے ہوں!

مدت اور تاریخوں کی فہرست

مجھے اسکا اقرار ہے کہ ممکن ہے کہ میرے معلومہ فاصلہ اور تاریخ کے لحاظ سے نامعلوم فاصلہ اور مدت کا استنباط غلط ہو۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان مقامات کے مقامی اور صوبے کے نقشہ اور اسکا اسکیل نہ ہونیکی وجہ سے کوئی یقینی صحیح بنیاد کھڑے ہوسکنے کے لئے نہیں ہے۔ اور نہ طریقہ سفر یا شرح سے مراحل سے کہ کسقدر مسافت کسقدر عرصہ میں طے ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ عرب آج بھی ویسا ہی ہے جیسا ہماری تاریخ کے وقت تھا خصوصاً اسکا طریقہ سفر۔ اس لحاظ سے ممکن ہے کہ کسی جغرافیہ نویس حاجی اور زائر کا سفرنامہ مفید ہوتا لیکن ایسا مکمل سفرنامہ یا تو موجود نہیں ہے یا میری نظر سے نہیں گذرا۔

ممکن کمزوری کا اقرار

تاہم اگر کوئی بڑی مضبوط اور یقینی وجہ میرے حساب کی نہ بھی ہو تاہم مجھے یقین ہے کہ میں موٹی موٹی باتوں میں یقین سے دور نہیں ہوں اور میری اس تنقیح کا جواب اطمینان تک ہوجاتا ہے کہ حضرت مسلمؑ کے کسی غلطی کی وجہ سے حضرت نے قیام مکہ کو ترک نہیں کیا۔ مورخین کا یہ گمان یا مفروضہ اس بنیاد پر ہے کہ چونکہ حضرت مسلم روانہ ہوچکے تھے اور چونکہ حضرت امام حسینؑ بھی کوفہ ہی روانہ ہوئے اسلئے انھوں نے حضرت امام حسینؑ کی روانگی کو حضرت مسلمؑ کی کسی اطلاع کا نتیجہ سمجھ لیا۔ اس طریقہ استنباط پر مجھے بیساختہ انجیل کی ایسی ہی منطق یاد آجاتی ہے کہ۔ مسیح ایسا ایسا کریگا۔ عیسیٰ مسیح ہیں اسلئے انھوں نے ایسا ایسا کیا ہوگا۔

مورخین کے غلط استنباط کی وجہ۔

اب میں اس تنقیح پر نظر ڈالتا ہوں کہ آیا حضرت امام حسین علیہ السلام کی روش نزاعی تھی یا دفاعی

پہلی تنقیح کے متعلق مولف دیگر مورخین کے خیالات پیش کرتا ہے

اسکے متعلق خود کچھ عرض کرنیکے قبل میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کے ارشاد کو بجا رہے نقل کرتا ہوں۔ گبن کے خیالات ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر سے بسیو ماربین کے فلسفہ شیعہ اور علی بن عیسیٰ اربلی کے کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ سے پیش کرتا ہوں۔ میں اسکے علاوہ اقوال بھی پیش کرونگا اقوال نقل کرنیسے میری غرض محض اطلاعاً نقل ہوگی اور بس۔

علم الہدیٰ کا ارشاد

یہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رضی اللہ عنہ تنزیہ الانبیا میں فرماتے ہیں اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت امام حسینؑ کو کیا عذر شرعی داعی ہوا کہ مکہ معظمہ سے حضرت نے معہ اہل و عیال سفر عراق فرمایا۔ حالانکہ دشمنان حضرت وہاں مستولی تھے اور حاکم وہاں کا یزید پلید کیطرف سے قابض و متصرف تھا اور نظام امور نہی اسکے دست اختیار میں تھا اور حضرت کوفیوں کے مکر و عذر سے بسبب اپنے پدر بزرگوار و برادر عالیمقدار کے خوب واقف تھے۔ اور کیونکر اس جناب نے خلاف مشورہ احباب عمل فرمایا۔ چنانچہ ابن عباسؓ وغیرہ مانع سفر ہوئے اور حضرت سے اظہار ہلاکت کرتے تھے اور عبد اللہ ابن عمر جب حضرت کے وداع کو آئے استودعک اللہ من قتیل کہا یعنی میں تمہیں خدا کو سونپتا ہوں اور جانتا ہوں کہ قتل ہوگے۔ اسیطرح ایک جماعت کثیر نے اس جناب کو مشورہ سفر کا نہ دیا۔ اور جب حضرت نے شہادت مسلم ابن عقیل کی سنی تھی اثنار راہ سے کیوں نہ پھرے اور اس قوم کے مکر و حیلہ پر کیوں متفطن نہ ہوئے اور کیونکر انکے لیئے جائز ہوا کہ باوجود قلت انصار کے اس جمع کثیر و جم غفیر کے محاربہ پر پیشقدمی کی جسوقت ابن زیاد نے امان کا وعدہ کیا اور بیعت یزید چاہی کیلئے حضرت نے قبول نہ کیا اور کیوں اپنے خون اور اپنے اہلبیتؑ و اصحاب اور اپنے شیعوں کے خون کی محافظت نہ فرمائی۔ اور کیوں حضرت نے اپنے نفس کو تہلکہ میں ڈالا حالانکہ انکے برادر بزرگوار حضرت امام حسنؑ نے بسبب ادنیٰ خوف کے حضرت نے خلافت معاویہ کے سپرد کی تھی پس کسطرح جمع کیا جائے فعل حضرت اور انکے برادر نامدار کے باب میں اس جہت سے کہ محمول بصحت ہوں؟ جواب۔ ہم کہتے ہیں کہ معلوم ہے کہ جب امام کو گمان قوی ہو اپنے غالب ہونے اور اپنے حق کو پہونچنے اور قائم ہونے امور ولایت و خلافت پر اسوقت واجب ہوتا ہے کہ جو امر باعث وصول حق ہو اسے عمل میں لاوے اگرچہ وہ امر تعب و مشقت شدید پر مشتمل ہو لیکن آقا ہمارے امام حسینؑ نے کوفہ کو سفر نہیں کیا مگر بعد ظہور عہد و پیمان مستحکم کے اہل کوفہ سے اور بعد اسکے کہ اہل کوفہ نے بہت سے خطوط بطور عورغبت بے جبر و کراہت اس جناب کو لکھے اور

تحریر خطوط میں انہوں نے خود ابتدا کی نہ یہ کہ حضرت کے جواب میں لکھا ہو۔ اور معاویہ کے وقت میں
بعد اُس صلح کے جو مابین معاویہ و امام حسنؑ واقع ہوئی تھی اکابر و اشراف اہل کوفہ نے اُس جناب کو نامہ
لکھے تھے۔ لیکن حضرت نے اُسوقت قبول التماس اُنکا صلاح نہ جانا۔ اور جو جواب باصواب تھا عمل
میں لائے۔ جب امام حسنؑ نے وفات پائی تو پھر اہل کوفہ نے نامے لکھے اُسوقت حضرت نے اُنکی اُمید
بر لانیکا وعدہ کیا۔ چونکہ ایام سلطنت معاویہ بہت صعب تھے اور احتمال فتنہ کا اسوقت تھا لہٰذا حضرت نے
سکوت اختیار فرمایا۔ اور جسوقت معاویہ ... واصل ہوا تو پھر اہل کوفہ نے بہت خطوط لکھے اور حضرت کے
بلانے میں حد سے زیادہ اصرار کیا اور رغبت اپنی حضرت کی تشریف آوری پر اپنے ناموں میں مندرج کی
اور دیکھا حضرت نے کہ والی و حاکم کوفہ جو یزید کیطرف سے معین ہے نہایت ضعیف اور مغلوب ہے اور
اہل کوفہ اُسپر نہایت تسلط اور غلبہ رکھتے ہیں اور اُسکے کہنے پر اعتنا نہیں کرتے بنابر اسکے حضرت کو ظن غالب
ہوا کہ اب کوفہ کیطرف جانا واجب ہے پس اس سبب سے حضرت پر لازم ہوا جو کچھ حضرت عمل میں
لائے اپنے اعتقاد میں۔ اور حضرت کو گمان نہ تھا کہ اہل کوفہ باوجود ایسے عہود و مواثیق کے غدر و مکر کرینگے۔
اور اہل حق نصرت میں سہولت و نرمی کرینگے اور ایسے امور عجیب و غریب کہ تصور میں نہیں آسکتے
پیش آئینگے۔ اسلئے کہ جب حضرت مسلم کوفہ میں داخل ہوئے تو اکثر لوگوں سے بیعت لی اور جب ابن زیاد
بدنہاد اُس شہر میں وارد ہوا۔ اور خبر ورود مسلم سے مطلع ہوا اور سنا کہ حضرت مسلم ہانی بن
عروہ مرادی کے گھر میں اُترے ہیں جیسا کہ کتب تواریخ میں مذکور ہے پس وہ ملعون شریک بن
اعور کی عیادت کو کہ وہ بھی ہانی کے مکان میں تھا آیا اور یہ شریک بن اعور موافق اور شریک رائے
حضرت مسلم تھا قتل ابن زیاد میں اور حضرت مسلم سے اقرار لیا تھا کہ جب ابن زیاد میری عیادت کو
آئے تو تم اُسے قتل کرنا اور حضرت مسلم نے باوجود امکان ابن زیاد کو قتل نہ کیا اور بعد اُسکے جانے کے
حضرت مسلم نے اُنکا عذر اسطرح بیان کیا کہ جناب رسالتمآب نے فریب و مکر سے قتل کرنے کو منع
کیا ہے۔ پس اگر اسوقت حضرت مسلم موافقت شریک سے ابن زیاد کو قتل کر ڈالتے تو فتنہ و فساد
زائل ہو جاتا اور حضرت امام حسینؑ بخوف و خطر کوفہ میں تشریف لاتے اور ہر شخص نصرت و یاری میں
حضرت کے سرگرم ہوتا اور جو لوگ کہ باطن میں قصد نصرت رکھتے تھے اور ظاہر میں مخالفین سے رسم و راہ
رکھتے تھے وہ بھی شریک ہو جاتے اور حضرت کے دائرہ بیعت میں داخل ہوتے اور جسوقت ابن زیاد

ہانی بن عروہ کو بلاکر اپنے پاس قید کیا اُسوقت حضرت مسلم گروہ کوفہ اپنے ہمراہ لیکر جانب قصر دار الامارۃ
تشریف لیگئے اور اُسے گھیرا کام اُسپر تنگ کیا یہانتک کہ بسبب خوف ونامردی کے اُس شقی نے دروازہ
قصر کے بند کرلیئے۔ اور ہر طرف سے لوگوں کو اہل کوفہ کے ترغیب دینے اور ڈرانیکو بھیجا اور حضرت
مسلم کے مخذول اور منکوب کرنے میں کوشش کی۔ اُسوقت اکثر اہل کوفہ متفرق ہوگئے اور حضرت
مسلم کی نصرت سے باز رہے یہانتک کے سوا چند شخصوں کے کوئی اُنکے ساتھ نہ رہا اور لاچار ہوکر حضرت مسلم
وہاں سے پھر آئے۔ غرض ان امور کے ذکر سے یہ ہے کہ اسباب فتح وظفر واضح ولائح تھے لیکن سوء اتفاق
نے اس مقدمہ کو منعکس کردیا اور نوبت یہانتک پہونچی کہ حضرت شہید ہوئے بتحقیق کہ سید وآقا ہمارے
امام حسین علیہ السلام نے جسوقت اثنائے راہ میں خبر شہادت مسلم بن عقیل سُنی سب نے
مشورہ دیا کہ پھر چلیئے اُسوقت حضرت نے مراجعت کا قصد کیا۔ فرزندان مسلم بن عقیل اُٹھ کھڑے ہوئے
کہنے لگے قسم بخدا ہم نہ پھرینگے جبتک کہ اپنے پدر بزرگوار کے خون کا عوض نہ لے لیں یا یہ کہ جسطرح حضرت
مسلم نے ذائقہ شہادت سے اپنے کام وزبان کو شیریں کیا۔ ہم بھی اُسی ذائقہ سے اپنی زبان کو آشنا
کریں۔ پس اُسوقت حضرت نے فرمایا لا خیر فی العیش بعد ہؤلاء یعنی زندگانی دنیای فانی میں بعد ایسے
عزیزوں کے کچھ لطف ومزا نہیں۔ بعد اسکے حُر ابن یزید نے معہ لشکر بحکم ابن زیاد حضرت کو عدول ذمراجعت
سے ممانعت شدید کی اور چاہا کہ حضرت کو ابن زیاد پاس لیجائے۔ اور حضرت کو اُنکا محکوم کردے۔ حضرت
نے اُس شقی کے پاس جانے سے انکار کیا جب حضرت نے دیکھا کہ مراجعت کی کوئی صورت نہیں اور
ابن زیاد پاس جانا بھی مناسب نہ تھا اُسوقت لاچار وہ امام عالیمقام شہر شام محنت انجام کیطرف متوجہ ہوئے
[illegible] جانیکا قصد کیا اسلئے کہ حضرت جانتے تھے کہ یزید بنسبت ابن زیاد مجھسے نرمی کریگا۔ پس یہ
گمان کرکے جانب شہر شام روانہ ہوئے یہانتک کہ عمر ابن سعد بد اختر معہ لشکر ضلالت اثر حضرت سے
ملاقی ہوا اور نوبت یہانتک پہونچی کہ جیسا کتب سیر وتاریخ میں مذکور ہے۔ پس یہ وہم کیونکر کیا جائے کہ
حضرت نے اپنے ہاتھ سے آپکو ہلاکت میں ڈالا حالانکہ منقول ہے کہ حضرت نے عمر سے فرمایا۔ اے عمر تو میرے
تین سوالوں سے ایک سوال کو قبول کر مجھے رخصت دے کہ میں جس مقام سے آیا ہوں وہاں پھر چلا جاؤں۔
یا مجھے یزید پاس لیچل تا میں اپنے امور اُسے سپرد کردوں کہ وہ مجھسے قرابت رکھتا ہے پس جس چیز پر اُسکی
رائے قرار پائے [illegible] عمل میں لائے۔ یا مجھے رخصت دے تا کسی سرحد بلاد اسلام سے جاؤں

اور یہ افعال قبیح اور بدترین مثل اور مسلمانوں کے قتل کے مذہب ہے۔ عمر ابن سعد نے یہ جواب ابن زیاد کو لکھ بھیجا۔ اس شقی نے قبول نہ کیا اور کہا جب ہمارے چنگل میں آ گئے تو ایسی باتیں کرتے ہیں اور آرزوئے نجات رکھتے ہیں حالانکہ اب انکو کچھ چارہ نہیں ہے۔ پس جب اُن جناب نے اصرار اُن اشرار کا اپنے قتل اور ہتک حرمت پر مشاہدہ کیا اور یہ دیکھی اُنکی معاندانہ کہ اگر حکم ابن زیاد و قبول نہ کرونگا تو یہ کمال ذلت ہتک حرمت میری ہو گی۔ با این ہمہ قتل سے نجات نہ پاؤنگا پس یہ جان و دل لڑنا اختیار فرمایا۔ اُسوقت حضرت دو خصلت جمیلہ میں مترددتے ایک یہ کہ اس جہاد میں اعدائے دین پر فتحیاب ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ گروہ قلیل اور جماعت ضعیف گروہ کثیر اور جم غفیر پر ظفر پائے۔ دوسرے یہ کہ سعادت شہادت فائز ہوں اور کرامات اُخرویہ کو پہونچیں۔ لیکن مخالفت کرنا حضرت کا مشورہ صحابہ سے مانند ابن عباسؓ وغیرہ کے پس سبب یہ ہے کہ ظنون حسب علامات و آثار قوت و ضعف میں مختلف ہوتے ہیں کبھی ہوتا ہے کہ امر بہ نسبت بعض اشخاص کے بنظر قوت و علامات و آثار بظن قوی مظنون ہوتا ہے اور بہ نسبت بعض اشخاص کے ضعیف ہوتا ہے اور شاید ابن عباس عہد و میثاق اور نامہ و پیام اہل کوفہ پر مطلع نہ ہوئے ہوں۔ اور یہ امر منجملہ اُن اُمور کے ہے کہ حال لوگوں کا اُس میں مختلف ہوتا ہے اور تفصیل اُسکی احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی لیکن مراجعت نہ کرنا حضرت کا بعد شہادت حضرت مسلمؑ یعنی سابق میں اس سے ہم نے بیان کیا اور ذکر کیا کہ اکثر روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ اُس جناب نے قصد مراجعت کیا تھا لیکن لوگ مانع ہوئے۔ اور لڑنا جماعت قلیل کا کثیر سے پس ہم نے بیان کیا کہ فرصت باقی اسی کی تھی اور مقتضی تورع و احتیاط کا اُسوقت یہی تھا جو حضرت نے کیا۔ اور وعدہ ابن زیاد و اصحاب امام زمانی تھا اور فیما بین عہد و پیمان ایسا نہ تھا کہ قابل وثوق و اعتماد ہو۔ اور فرض اُسکی اظہار امان سے سکی اور ہتک حرمت حضرت منظور تھی۔ بعد اس تذلیل کے آخرکار شہید اور قتل کرنا مد نظر تھا اور اگر حقیقت میں اُسکی نیت بخیر ہوتی اور امان دینے میں صدق و راستی چاہتا اور خیال کسی ایذا رسانی کا نہ ہوتا اور وہ ملعون خود بھی یزید کے نزدیک معذور ہوتا تو البتہ حضرت کو یزید کے پاس بھیجدیتا۔ لیکن اُسوقت عداوت یزید و احد اور عناد عہد رسول اُسکے اور اُسکے اصحاب کے سینۂ پر کینہ سے ظاہر ہوا اور گمان ہے کہ اُسوقت حضرت نے اس احتمال کو تجویز فرمایا ہو کہ جن لوگوں نے حضرت کو خطوط لکھے تھے اور عہد و پیمان کئے تھے

شاید حضرت کیطرف رجوع کریں اور بسبب مشاہدہ کرنے قوت صبر حضرت کے اہل ثبات اعوان و
انصار کے حق کیطرف مائل ہوں۔ خواہ بسبب رعایت دین خواہ بوجہ حمیت عرب جیسا کہ بعض اہل کوفہ
نے لشکر عمر سعد سے ہدایت پائی اور اُس جناب کیخدمت میں حاضر ہوکر سعادت شہادت سے فائز
ہوئے۔ اور ان احتمال کی ایسے اوقات میں اکثر توقع ہوا کرتی ہے۔ لیکن وجہ جمع و مطابقت مابین
حضرت اور فعل امام حسینؑ [illegible] واضح و لائح ہے۔ اسلئے کہ امام حسنؑ نے صلح اختیار نہیں فرمائی مگر
واسطے رفع فتنہ و فساد کے اور بخوف قتل اہلبیت و شیعیان و بوجہ عدم توثق و اعتماد اصحاب کہ غدر و مکر اُنکا
مشاہدہ فرما چکے تھے بخلاف حضرت امام حسینؑ کے وہ جناب جانتے تھے جن لوگوں نے خط لکھے ہیں
اور عہد و پیمان مستحکم کئے ہیں میری نصرت سے انکار و چشم پوشی نہ کرینگے اور اسباب کے وجود سے حضرت
پر واجب و لازم ہوگیا تھا کہ اپنے حق کو اعدائے دین سے طلب فرمائیں اور خروج کریں اور جب
مقدمہ منعکس ہوگیا اور آثار و علامات غدر و نفاق اور سوء اتفاق ظاہر ہوئے تو قصد مراجعت فرمایا
اور چاہا کہ طلب حق سے دست بردار ہوں اور امر خلافت ظاہری یزید کو سپرد کردیں اور صلح کرلیں
جسطرح اُنکے برادر بزرگوار نے صلح کی تھی۔ لیکن اُسوقت دشمنوں نے نہ مانا اور اس امر پر راضی نہ ہوئے
پس دونوں بزرگوں کا حال بعینہ ایک دوسرے سے مطابق اور موافق ہے۔ لیکن چونکہ حضرت امام
حسینؑ نے بعد ظاہر ہونے آثار خوف و ضعف کے اور احاطہ لشکر مخالف کے صلح چاہی لہذا اُس
فرقہ گمراہ نے صلح قبول نہ کی اور درپے عرض و آبرو کے ہوئے۔ اُسوقت حضرت نے مجبور و لاچار ہوکر
اُنسے لڑائی میں اور اُنکے دفع کرنے میں سعی و کوشش فرمائی۔ یہانتک کہ درجہ رفیعہ شہادت کو پہنچے
اور شقاوت عنصر سرشت اور رحمت عنوان پروردگار عالم سے فائز ہوئے اور بسبب جو ظلم کہ اُس
قتل کرنے والے پر جو اخبار و احادیث سے ساطع ہے واضح و لائح ہے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نہ اکثر حدیثیں دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ ہر ایک ائمہ معصومین میں سے خدا کیطرف سے [illegible] عمل کیلئے
احکام خاصہ پر مامور تھے اور وہ احکام صحیفہ ہائے آسمانی میں جو کہ رسولؐ پر نازل ہوئے تھے مندرج تھے
پس ہر ایک ائمہ طاہرین نے [illegible] اُن احکام پر عمل فرماتے تھے اور ہر ایک نے اُنہیں [illegible]
اُنہیں اپنے احکام پر [illegible] اور مخصوص احوال انبیائے مرسلین پر مطلع اور آگاہ ہوا ہے کہ
خدا نے اکثر پیغمبروں کو تین ہزار [illegible] فرمایا اور وہ پیغمبر تھے جو کہ [illegible]

اور طرف دین حق کے دعوت کرتے تھے اور مصائب و مکروہات دنیا کی پروا نہ کرتے تھے اور خوف قید و قتل و احراق سے اور مانند اسکے دیگر عقوبات دنیوی سے ذرا خوف و بیم نہ رکھتے تھے تو وہ شخص البتہ جانتا ہی کہ ائمہ معصومین پر مقام اعتراض نہیں ہے اور یہی ہے کہ عصمت ائمہ طاہرین کی گناہان صغیرہ و کبیرہ سے بدلیل و برہان اور بنصوص متواترہ قرآن ثابت ہو چکی ہے پس کسطرح مجال اعتراض اُن پر نہیں ہی بلکہ قول و فعل اُنکا حجت ہے جو کچھ کہیں اور جو کچھ کریں اسکو تسلیم و قبول کرنا واجب و لازم ہے علاوہ یہ کہ اگر کوئی منصف خوب غور و تامل کرے یقین کر سکتا ہی کہ حضرت نے جان اپنے جد کے دین مبین پر نثار کی اور یہ تزلزل جو ارکان دولت بنی اُمیہ میں ظاہر ہوا بعد شہادت حضرت کے واقع ہوا اور کفر و ضلالت اُنکا ظاہر ہوا مگر بعد اس بات کے کہ حضرت درجہ شہادت سے فائز ہوئے اور اگر حضرت اشقیا سے مصالحہ کر لیتے تو قوت و شوکت اُنکی زیادہ ہو جاتی اور اگر اُنکا لوگوں پر مشتبہ ہو جاتا اور دین کے نشان پوشیدہ اور آثار ہدایت کے کہنہ ہو جاتے اور یہ بھی اخبار سابقہ سے واضح ہوا کہ حضرت مدینہ منورہ سے نہیں نکلے مگر خوف قتل سے اسیطرح مکہ معظمہ سے نہیں نکلے مگر بعد غلبہ ظن کے اس بات پر کہ وہ غدار و مکار بمکر و غدر درپے قتل ہیں یہانتک کہ حضرت کو ارکان حج تمام کرنا ممکن نہ ہوا تا آنکہ حضرت محل ہوئے اور حج کو عمرہ سے بدلکر بکمال خوف و دہشت وہانسے نہضت فرمائی۔ فدا ہو اُن پر جان و مال اور ماں باپ اور اولاد میری کہ حضرت کو اتمام حج کی مہلت نہ دی اور حالت خوف میں سفر اختیار کیا اور اعدا نے عرصہ زمین کو اُن پر تنگ کیا اور راہ چارہ مسدود کی اور جائے امن و محل پناہ باقی نہ رکھا۔ بتحقیق کہ ہمنے بعض کتب معتبرہ میں دیکھا ہی کہ یزید نے عمر سعد کو لشکر عظیم کے ساتھ کر کے جانب مکہ معظمہ روانہ کیا اور اسکو سردار حاج کیا تھا اور کہا تھا کہ حضرت کو بہ اخفا گرفتار کرے اور اگر ممکن ہو تو حضرت کو مکہ میں قتل کرے۔ اور اسی سال تیس موذیوں کو اشرار بنی اُمیہ میں سے بہ اخفا حاجیوں کے ساتھ بھیجا تھا کہ جسطرح ممکن ہو حضرت کو قتل کریں جب وہ جناب اسپر مطلع ہوئے تو احرام حج سے محل ہوئے اور حج کو عمرۂ مفردہ سے بدل فرمایا۔ اور باسناد متعددہ منقول ہے کہ محمد ابن حنفیہ نے اُس جناب کو سفر سے منع کیا تو حضرت نے ارشاد کیا واللہ اے برادر اگر میں کسی جانور کے سوراخ میں چھپونگا تو بھی مجھے ڈھونڈھکر نکالینگے اور قتل کرینگے...... ظاہر ہے کہ اگر وہ جناب مصالحہ و بیعت اختیار کرتے جب بھی وہ ملعون بسبب شدت عداوت قتل حضرت سے دست بردار نہ ہوتے اور بہر صورت مکر و غدر سے پیش آتے

اور خواہش بیعت محض بہانہ تھا اسلئے کہ جانتے تھے کہ حضرت قبول نہ کرینگے۔ مقام غور ہے کہ مروان ملعون نے حاکم مدینہ کو مشورہ دیا تھا کہ حضرت کو قبل تذکرہ بیعت قتل کر۔ اور ابن زیاد کہتا تھا کہ پہلے حضرت کو ہماری بیعت و اطاعت کی تکلیف دو بعد اسکے جو کچھ ہماری رائے میں مستحسن ہوگا عمل میں لائینگے۔ اور واضح تر یہ فریب ہے کہ اشقیا نے پہلے حضرت مسلم کو امان دی بعد اس کے قتل کیا۔ لیکن معاویہ اگرچہ بغض و عداوت شدید اہلبیت سے رکھتا تھا لیکن نہایت مدبر۔۔۔۔۔ ذوفنون تھا اور جانتا تھا کہ علانیہ اہلبیت کو قتل کرنا باعث رو گردانی خلق اور باعث زوال ملک ہوگا اور لوگ مجھپر خروج کرینگے اسلئے وہ۔۔۔ بظاہر طریقہ مہلے و دوستی رکھتا تھا۔ اس سبب سے حضرت امام حسنؑ نے اس سے صلح کی تھی اور امام حسینؑ بھی اس سے متعرض نہ ہوئے۔ اور اسی جہت سے اسنے یزید کو نصیحت کی تھی کہ امام حسینؑ سے متعرض نہ ہونا اسلئے کہ وہ۔۔۔۔ جانتا تھا کہ انکے متعرض ہونے سے بادشاہی اس کی۔۔۔۔ زائل ہو جائیگی اور اس کے ملک میں تخلل واقع ہوگا۔"

مسٹر گبن ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر میں کہتے ہیں:۔

"وہ (حسینؑ) ہاشم کے سلسلہ خاندان سے تھے اور بلحاظ اسکے کہ وہ نبی اللہ کے نواسہ تھے یہ مقدس تشخص انکی ذات سے وابستہ تھا اور وہ مجاز تھے کہ اپنے دعاوی کو یزید یعنی دمشق کے ظالم کے مقابلہ میں پیش کر سکتے جسکی برائیوں سے وہ متنفر تھے اور جسکے حق کو انہوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ کوفہ سے چودہ ہزار مسلمانوں نے ایک فہرست خفیہ طور پر مدینہ بھیجی جنہیں اُن کی ذات سے وابستگی کی ادعا اسپر آمادہ تھے کہ فرات کے کنارہ انکے پہونچتے ہی (انکی حمایت میں) اپنی تلواریں کھینچ لینگے۔ اپنے سمجھدار دوستوں کے مشورہ کے خلاف انھوں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ وہ اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے متعلق بیوفا لوگوں پر اعتبار کریں۔ انھوں نے ریگستان عرب کو بچوں اور عورتوں کے (مع تعشق) ہمراہی میں طے کیا اور حدود عراق میں پہونچکر وہ اس مقام کی مخاصمانہ صورت یا تنہائی سے بھیانک ہوئے۔ اور وہ لوگوں کے ارتداد یا اپنے خاندان کی تباہی سے متوہم ہوئے۔ انکا خوف درست تھا۔ عبید اللہ کوفہ کے گورنر نے بغاوت کے پہلے شرار کو بجھا دیا تھا اور حسینؑ کربلا کے میدان میں پانچ ہزار سواروں میں گھر گئے جنہوں نے دریا اور شہر کے درمیان

اُنکا سلسلۂ آمد و شد منقطع کر دیا۔ وہ اب بھی ریگستان کے ایک قلعہ میں پناہ لے سکتے تھے جو نہ قیصر اور خسرو کی طاقتوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اور قبیلہ طے کی وفاداری پر اعتماد کر سکتے تھے جو بحفاظت کیلئے دس ہزار جنگجو مجتمع کر سکتے تھے۔ دشمن کے سردار سے دوران مشورت میں اُنھوں نے تین باعزت شرائط میں اپنے کو مختار رہنا تجویز کیا۔۔۔۔ لیکن خلیفہ یا اُسکے نائب کے احکام سخت اور قطعی تھے اور حسینؑ کو اطلاع دی گئی کہ یا وہ بحیثیت مجرم اور قیدی کے اپنے کو حوالہ کریں اور یا اپنی بغاوت کے نتائج قبول کریں۔"

مسیو ماربین

مسیو ماربین اپنے رسالہ "فلسفۂ مذہب شیعہ" میں فرماتے ہیں:۔

"بہت قوی دلیل اس بات پر کہ حسینؑ قتلگاہ تک گئے اور ہرگز اُنکا قصد سلطنت اور ریاست حاصل کرنیکا نہ تھا یہ ہے کہ حسینؑ اپنے اس علم سیاست و تجربہ سے جو اُنھیں پدر بزرگوار اور برادر عالیمقدار کے زمانہ سے بنی اُمیہ کے ساتھ جنگ و جدال کرنیکے متعلق حاصل تھا خوب جانتے تھے کہ بحالت نہ مہیا ہونے اپنے اسباب کی اور بسبب اُس اقتدار و عظمت یزید کے اُسکے ساتھ مقابلہ کسیطرح ممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ حسینؑ اپنے پدر بزرگوار کے مقتول ہونیکے بعد اپنے مقتول ہونیکی ہمیشہ پیشین گوئی کیا کرتے تھے اور جسوقت کہ مدینہ سے آپنے حرکت کی صاف صاف اور بآواز بلند کہتے تھے کہ میں مقتول ہونیکے لئے جا رہا ہوں اور اپنے سب ہمراہیوں سے بھی محض اتمام حجت کیلئے یہی بیان کرتے تھے تاکہ جو کوئی جاہ و جلال کے حرص و طمع میں ہمراہی چاہتا ہو جدا ہو جائے اور یہی بات اُنکے ورد زبان تھی کہ قتلگاہ کا راستہ میرے سامنے ہے اور یہ بھی ہے کہ حسینؑ کا اگر یہ ارادہ نہ ہوتا یعنی غور و فکر اور علم و ارادہ کے ساتھ مقتول ہو جانے پر آمادہ نہ ہوتے تو واسطے اپنا قتل گوارا نہ کرتے اور لشکر کے جمع کرنے میں بقدر امکان کوشش عمل میں لاتے نہ یہ کہ جو ہمراہ تھے اُنھیں بھی متفرق و پراگندہ کر دیتے۔۔ ظاہر ہے کہ وہ محبوبیت کا مرتبہ جو اُس زمانہ میں حسینؑ کو مسلمانوں میں حاصل تھا اگر اُسکے ساتھ اپنی قوت بڑھانا چاہتے تو ایک بڑا لشکر فراہم کر سکتے تھے مگر اس صورت میں اگر وہ مقتول بھی ہوتے تو یہی کہا جاتا کہ سلطنت و بادشاہی کی خواہش میں مقتول ہوئے اور وہ مظلومیت جسکا نتیجہ عظیم الشان انقلاب تھا حاصل نہ ہوتا کہ اپنے پاس سوائے اُن لوگوں کے جن کی جدائی امکان کے باہر تھی کسی کو اپنے ساتھ نہیں رکھا مثل فرزند و برادر اور بھتیجوں اور بنی اعمام

اور چند مخصوص احباب باوفا کے۔ تا اینکہ آپ نے فرمایا کہ تم بھی چھوڑ کر جدا ہو جاؤ۔ مگر انہوں نے منظور نہ کیا اور وہ بھی ایسے حضرات تھے کہ مسلمانوں کے نزدیک تقدس اور جلالت قدر کے اوصاف رکھتے تھے۔۔۔ اور یہ مصائب انہوں نے سلطنت و بادشاہی کیلئے برداشت نہیں کئے اور نہ بغیر سمجھے ہوئے اس مہلکۂ عظیم میں انہوں نے قدم رکھا ہے جیسا ہمارے بعض مورخین نے خیال کر لیا ہے۔۔۔ حسینؑ نے اپنی زندگی کے آخری وقت میں اپنے طفل شیر خوار کے باب میں وہ کام کیا کہ زمانہ کے فلاسفہ کے عقول کو حیران و متحیر کر دیا۔۔۔ گویا اس عمل سے حسینؑ کی غرض یہ تھی کہ تمام اہل عالم واقف ہو جائیں کہ بنی امیہ کی عداوت بنی ہاشم کیساتھ کس حد تک تھی اور تصور کر لیں کہ یزید دفاع کیلئے ایسے ظلم و ستم کرنے پر مجبور نہ تھا۔ اسلئے کہ شیر خوار بچہ کا ایسی حالت میں اس وحشت ناک طریقہ سے قتل کر دینا سوائے وحشت اور بیجا نہ عداوت کے جو ہر دین اور مذہب و قانون و قاعدہ کے منافی ہے اور کچھ ظاہر نہ کرتا تھا۔۔۔ ان خیالات عالیہ کے ساتھ جو حسینؑ کے مدّ نظر تھے بوجہ اس عقل عالی اور سیاست کے جو انکیلئے مسلّم تھی جبتک مقتول ہوں کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ بنی امیہ اسکے دور کرنے میں مجبور ہیں۔ یہانتک کہ باوجود اس اقتدار کے جو مسلّم تھا اور باوجود کمال بااثر ہونے کے حسینؑ نے کسی ایک شہر پر بھی بلاد اسلامیہ میں سے قبضہ نہیں کیا اور نہ کسی حکومت پر مملکت یزید سے حملہ کیا اور انجام میں قبل اسکے کہ حسینؑ سے کوئی مخالفانہ یا غیر مطیعانہ حرکت یا شورش و بلوہ ظاہر ہونے پائے انھیں ایک بیابان بے آب و گیاہ میں محاصرہ کر لیا۔ حسینؑ نے ہرگز نہ کہا تھا کہ میں بادشاہ ہونگا یا میں بادشاہی کا طالب ہوں فقط بنی امیہ کے اعمال قبیحہ کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ انکی وضع و طرز سلوک باعث اضمحلال اسلام ہے اور اپنے مقتول ہونیکی خبر دی تھی اور اپنی مظلومیت پر خوش و مسرور تھے اور جب انہیں جنگل میں گھیر لیا تھا اسوقت بھی کہتے تھے کہ اگر مجھے چھوڑ دو تو میں آمادہ ہوں کہ میں اپنے عیال و اطفال کو لیکر سلطنت یزید یعنی مملکت اسلامیہ سے باہر چلا جاؤں۔ یہی ایک نکتہ ہے جس سے حسینؑ کی سلامت نفس واضح ہے مسلمانوں سب کے دلوں میں برخلاف بنی امیہ کے انتہا درجہ کا اثر کیا۔"

جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب رئیس قادیان اپنے قابل قدر دلچسپ رسالہ

"یادگار حسینی" میں مسٹر ادہ تہران۔ ووسٹن سی۔ آئی۔ ای کے ترجمے کے نوٹ میں فرماتے ہیں :-
"مدینہ سے مکہ جانیکا تذکرہ کرکے یہ کیا باتیں ایسی ہیں جن سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکال سکے کہ نعوذ باللہ حضرت امام حسینؑ نے ملک کی ہوس میں خود بھی جان دی اور اپنے کنبہ کو بھی کٹوا دیا۔ حاشا وکلّا اگر آپ کے دل میں ملک گیری کی امنگیں تھیں تو آپ کو بار بار یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں یا تو گوشہ نشینی میں عمر بسر کرونگا اور یا کسی دوسرے ملک کو چلا جاؤنگا حضرت اسواسطے دشمن راستہ چھوڑ دیں اور میرے متعرض نہ ہوں۔ کیا جب حضرت امام حسینؑ کعبہ کو گئے یا کعبہ سے چلے تو اس وقت کسی فوج کشی کا سامان کیا گیا۔ کیا منادی کی گئی کہ ہم یزید کے مقابلہ کیواسطے جاتے ہیں۔ جانا ایک بادشاہ کے مقابلہ میں اور ساتھ کل بہتر آدمی ہوں۔ دانا اور منصف لوگ اس سامان سے خیال کر سکتے ہیں کہ کیا ملک گیری کے خیالات کا اثر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اگر حضرت امام حسینؑ کو جنگ دنیوی کی ضرورت ہوتی تو یقیناً آپ مدینہ اور مکہ کی قوموں میں ایک آسانی سے اثر پیدا کر سکتے اور ممکن نہیں تھا کہ ایک لڑائی کی صورت میں یزیدیہ کعبۃ اللہ پر حملہ آور ہو کر امام کے برخلاف فتحیاب ہوتا۔ امام کا نہایت غربت اور مسکینی سے روانہ ہونا صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ آپ کے پاک دل میں ایسے خیالات کا اثر ہی نہ تھا"

اسی کتاب میں مسٹر جان لونگ کی پوئٹری (نظم) سے جو حضرت امام حسینؑ کے حالات میں لکھی گئی ہے نقل کیا ہے کہ "وہ شخص (حسینؑ) دیندار۔ خدا پرست۔ فروتن۔ خلیق۔ اور بیشل بہادر تھا۔ وہ سلطنت اور حکومت کیواسطے نہیں لڑتا تھا بلکہ خدا پرستی کے جوش میں وہ یزید سے اسواسطے بیزار تھا کہ وہ اسلام اور دین احمدی کے خلاف تھا"

علی بن عیسیٰ اربلی

وزیر سعید علی بن عیسیٰ اربلی فرماتے ہیں :- "مخفی مباد کہ احوالات سید الشہدا علیہ السلام و شہادت آنحضرت آنچہ در کتب بہ نظر رسیدہ مطالب آنہا غالباً منحصر بود بہ تمہیدات در تحصیل حزن و گریہ و زاری بدون اینکہ در جمیع نکات و اسرار کلمات و اقوال ایشان بسط مقالے دہند و شرح حالے کنند و بیان لمیت حکمتہای اعمال و افعال آں حضرت نمایند کہ آیا حکمت و مصلحت چہ بود کہ جناب سید الشہدا روحنا فداہ باہمہ اطلاع بہ کثرت اعداد و قلت انصار و باہمہ بصیرت بحالت کوفہ و منع یاران و خیر خواہان در مدینہ و مکہ از عزیمت خود حرف نظر ننمودہ و ہر قدر ضعف در کار اعوان و انصار مشاہدہ میکرد عزم خود را

بیش تر محکم و استوار می نمود و آشکارا دل بر ہلاک نہاد بہ این حالت اہل و عیال و اطفال را
نیز با خود برد و با وجود ظہور آثار ہلاکت و یقین داشتن بشہادت خود و متعلقان دست بیعت بہ یزید
نداد و چرا مثل جناب امیر مومناں و امام حسنؑ کہ در عہد خود شان با دشمنان دین مواسات و مدارا
کردند آنحضرت این شیوہ را پیش نہادنہ فرمود و با یزید و اتباع یزید با ہمہ آگاہی بر قوت ظاہر
ایشاں و قلت ناصر خود ہمیشہ درشتی نمودند ... براں کہ حکمت عظیم و مصلحت عمدہ در شہادت آنحضرت
ثبوت حقیقت دین مبین و ظہور بطلان دعوی مخالفین و حفظ جمیع اسلام و نگاہداری طریقت
حضرت سید انام در آں جزو زمان و بعد ازاں تا امروز منوط و موقوف براں بود و ایں حکایت
شہادت در وقائع نبوت خاصہ را ثابت و بروجہ قلیل کردہ است۔ اسکے بعد مولف جناب رسالتمآب
کی دعوت۔ واقعہ غدیر۔ منافقین کا حسد۔ واقعہ ثقیفہ۔ ارتداد اور منع زکوۃ کے واقعات بیان کرکے
کہتا ہے کہ اگر امیر المومنین آمادہ جنگ ہوتے تو اکثر لوگ اسلام سے علانیہ پھر جاتے۔ حضرت امام
حسنؑ نے خلافت ظاہری کو۔ لوگوں کی بیوفائی دیکھکر ترک کیا۔ امیر شام نے ہواخواہان اہلبیت کو
ہر قسم کی تکلیفیں دیں۔ اسکے بعد معاویہ کی منادی کہ کوئی فضائل علیؑ نہ بیان کرے۔ [illegible]
نام خطبہ پیر دیوان سے خارج کیا جانا۔ امام کا قتل۔ بصرہ اور کوفہ میں بمقابل دیگر مقامات شیعہ زیادہ ستائے گئے
اور لوگوں کو مذمت اہلبیتؑ کی تعلیم دی گئی۔ حضرت امام حسنؑ کے بعد حالات اور سخت ہوگئے اور
جب یزید بادشاہ ہوا تو اسنے ظاہر شرع اور اسلام کو ترک کیا اور کوئی نامشروع کام ایسا نہ تھا
جو نہ کیا۔ سید الشہدا نیز اگر با یزید مصالحہ میکرد در معارضہ او مسامحہ می نمود یقیناً بیضہ اسلام
مرتفع می شد و مسلمین بالمرہ شیناک و متزلزل می ماندند و با ایں تجاہر یزید با مور نامشروع
مدارا ای بیاد اسباب خرابی ارکان دین می گردید۔ پس آنحضرت برحسب تکلیف خدا صلوت و مصالحہ
ندید خاصہ اینکہ دریں بین جمعی از خلص مومنین پیدا شد تا بکشتہ شدن خود و اسیری اہل و عیال و
تمامی مال و منال در رضائے خداوند متعال با قدم ثابت اطمینان بر استادگی آنہا بود۔ پس آنجناب
باین چنین اصحاب لوائے نصرت دین را بیفراشت و خواستگاری کند و اسبابی فراہم نماید
کہ بہ مردم معلوم شود کہ ادعای آنجناب و اسلاف او ظاہر تش و جوی سلطنت و ریاست نبودہ بلکہ آمال
منال و حفظ حدود خانفہ انیہ معارضہ می کند و محقق گردد کہ یزید و اتباع و اسلاف او دشمنی و خصومت

با خاندان رسالت داشته دعوی آنها دعوای سلطنت و ریاست دنیویه بوده و کشف این معنی معلوم نمی شد مگر بشهادت سید الشهدا۔ لہذا آنحضرت خواست که عزیمت خروج خود و رد بیعت یزید را بمسلمین و معظم بلاد اسلام معلوم کنند تا هر کس از روی فطرت و طینت میل موافقت و نفرت دارد بمیل و اختیار به آنجناب ملحق شود و به آنها که مخالفت دارند حجت تمام گردد و نتوانند بگویند که ما از عزیمت آنحضرت بی خبر بودیم۔ با اینکه تکلیف بیعت به آنحضرت در مدینه شد توقف در مدینه نفرموده بمکه روانه شد چه هرگاه شهادت آنحضرت در مدینه اتفاق افتاده بود به اغلب ولایات اسلام خبر نمی رسید۔ آنحضرت از مدینه خارج شد حتی اهل و عیال را همراه بردتا این شهرت به اطراف برود و هر چه خیر خواهان منع کردند عزیمت را موقوف نه فرمود و گفت خداوند خواسته است مرا قتیل و شهید و اهل و عیال مرا اسیر ببیند۔ پس از انکه آنحضرت بمکه تشریف بردند نظر به اینکه مردمان آنجا تردد داشتند و از آنجا به اطراف و اکناف اخبار میرفت چندماه در مکه توقف فرمودند۔ درین عرصه از کوفه نامهای متعدد و رسولان چندے رسیدند حتی اینکه دریک روز شش صد نامه به آنحضرت رسید و مبالغه ایشان از حد گذشت و بدین واسطه در کوفه عزیمت آن حضرت شهرتے کرد و سائر ولایتها شهرت افتاد۔ با اینها اکتفا نه کرده مسلم بن عقیل را پیش از خود فرستاد تا بواسطه او بر اعالی و ادنی کوفه معلوم گردند که آینده کیست و مقصود و مرام چیست و آن قضیه ها که بسر مسلم آوردند و علی رؤس الاشهاد او را شهید نمودند همه دانستند که سید الشهدا می آید و بیعت یزید نمی کند و قصد یزید کشتن او و استیصال بنی فاطمہ و ذریه رسول است۔

بعد از چندے توقف در مکہ که موسم حج رسید و همه حجاج از عزیمت آنحضرت مطلع شدند آنحضرت دیگر توقفے نه فرمود حتی آنکه حج را به عمره مبدّل گردانید و روز ترویه حرکت فرمود تا همه ملتفت شوند و بدانند بسبب همے آنحضرت روز ترویه عزیمت فرموده است دیگر آنکه نحو است نوعے اسباب فراهم نماید که هر کس را بفهمد که تارک بیعت یزید و خروج کننده با و آنحضرت است تا همه معلوم شود که جنگ با کیست و مقصود یزید چیست تا بعد از شهادت مردم را اشتباه نماند و بدانند که مقتول و شهید سید الشهدا بوده نه خارجی و اسیران و اولاد و عیال او بوده اند نه عیال خارجی و سر اینکه هنگام معرکه این همه رجز خوانیها و فرمودن اما من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی فانا اعرفه بنفسی و مکرر آمدن به کارزار

و مکالمه کردن با آن قوم اشرار و هم چنین بردن عیال و اطفال بهمراهی خود که بعد از شهادت دیدن
آنها همه جا اسباب تعریف آنحضرت باشد چنانکه در بازار کوفه و شام میان این همه جمعیت و ازدحام جمعی
اشعار انشا گفتند دیگر این بود در تحمل سر انور اطهر بر نیزه که آنها را هر کس به بیند بشناسد تا امر و
مظلومیت مظلوم ناس مشتبه نماند و همچنین تکلمات مجلس یزید و ظهور عتاب و خطاب او با سر مطهر در حضور جمعی از
ملل مختلفه - و دیگر این بود که آنحضرت قبل شهادت اهل غاضریه را طلبید خود را بآنها شناسانید
و از آنها زمین خریده در دفن خود شان وصیت بآنها کرد تا بعد از شهادت شبه نماند و جای قبر مطهر نیز
معلوم و متعین باشد و نتوانند آن آثار را محو نمایند چنانچه متوکل خواست آثار قبر را محو کند قادر نشد دیگر
آنکه وضع غربت را قسمی نمود که شخص منصف بے غرض اگر تأمل کند در حالات آنحضرت بفهمد و بداند که مرام مقصود
او امر دنیا نبود بلکه محض ترویج دین و معلوم کردن حقیقت خود و بے پرده کردن ظلم و خلاف معاندین تن
بقضا داد و به اختیار و میل خود قدم به عرصه بلا نهاد و متحمل جمیع صدمات شد که آنها آنچه دلشان بخواهد بتوانند
ظلم و بے حیائی کنند و حالات باطنی را بروز داده بتوانند مصدر اعمالی شوند که مقتضای سرائر و ضمائر
آنها بود - چنانکه مرتکب شدند بکارهائی که دیدن و شنیدن آنها بر همه جهانیان و شقاوت و ملعنت ایشان
واضح و آشکارا گردید و این قضیه بالمال بر تمامی بنی امیه گردید که بعد از شهادت آن حضرت مسلمانان
از ایشان بالطبع متنفر گشته و از اعمال ایشان تبرا و بیزاری جستند و از هر طرف هنگامه برپا شد
و مردم نقض بیعت یزید را نمودند با و خروج کردند و با ابراهیم اشتر و مختار ثقفی چه قدر مردم از هر طرف
همراهی نمودند تا اینکه سلطنت بنی امیه در قلیل مدت منقضی شد و سب جناب امیر که سالها بحکم معاویه
و یزید در مساجد و منابر مسلمانان رسم و معمول شده بود مرتفع گردید - و اینها رفع نمی شد مگر بواقعه شهادت
سید الشهدا - نوشته اند در کربلا از اولاد و اصحاب آنحضرت سوای امام زین العابدین دیگر کسی نمانده بود
و از بنی امیه در آن روز چهار هزار طفل در گهواره ها موجود بود و حالا از ایشان اثری نمانده و چندین هزار
سادات (صرف ہندوستان کی مردم شماری میں کئی لاکھ ہیں - مؤلف) از سلسله جلیله حسینیه موجود اند و این
محقق نمی شد مگر به این طریق که آنجناب پیش نهاد فرموده بودند اینکه منع اعدای را قبول نماید خود و اهل و
عیال را دانسته و فهمیده بآن ورطه بلا انداخت پس این همه ایستادگی در رد بیعت یزید از کجا بود و هر که
هر گونه وسعت در کار بود و تا روزیکه عرصه بر آن حضرت تنگ شد

وہمہ یاران و اصحاب او شہید گردیدہ و عیال و اطفالش بے صاحب ماندہ و ہمہ منتظر اسیری شدند و ہیچ وقت
درین ہیچ سستی در عزیمت او دیدہ نہ شد بر ہمہ بینندگان بالانصاف و بمعقل ناس واضح کرد کہ خیال و دعوائے
او دعوائے باطل نبودہ است و غرور ابر حق بعد النسبت و باقتضائی دینداری و ملاحظہ امر اخروی باین مقامات
اقدام نمود چہ اگر صدق او ازین ایستادگیہا سلطنت و ریاست بود بہ آن عقل کامل کہ داشت لا محالہ
در وقتے از اوقات سستی از جانب او مشاہدہ می شد چنانکہ عادت براین جاریست و حالانکہ ہمہ دیدند و
فہمیدند و یقین کردند کہ ہر چہ بلا بسرش آوردند تا نفس آخر از عزیمت خود تقاعد نہ کرد و فوق العادۃ ایستادگی
نمود حتی اذن مرخصے بہ اصحاب خود داد و بیعت را از ایشان برداشت پس ہر کس نکات و دقائق حالات
آنحضرت موافق روایت عامہ و خاصہ بدقت امعان نظر کند یقین خواہد کرد کہ کسیکہ دعوی باطل و قصد
سلطنت ظاہریہ و خیال ریاست دنیویہ داشتہ باشد عادۃً ہرگز مرتکب اینگونہ کارہا نمی شود و این اقدامات
را کہ از بدو امر ہمہ عقلا نتیجہ آخر او را بہ ہلاک او قرار می دادند بمیل و اختیار اقدام نمی کند پس آنحضرت اسباب
درین عزیمت و حرکت نوعے واضح فراہم کرد کہ بر ہمہ جہانیان واضح شد کہ او این کارہا را بہ ہوائے نفس و خیال
باطل نکردہ بلکہ حسب تکلیف خدائی بود۔ آنجناب در آن جزو زمان کہ ظلمت شکوک و شبہات احاطہ با طراف
عالم کردہ بود باشراق طلیعہ آن ظلمات را زائل کرد تا کلمۂ حق بمرور آشکار و حق از باطل ممتاز و متمیز شد پس گویا
در ہر جزو زمان اسباب یاد آوری این قضایا را فراہم آورد و نگذارد کہ این وقائع از نظر ہا محو گردد در حقیقت
نصرت دین کردہ "

ہینے اپنی تنقیح کے متعلق ابتک مورخین کے موافق اور مخالف خیالات پیش کئے۔ اب میں خود اس
سوال کا جائزہ لیتا ہوں۔ میرے نزدیک حضرت امام حسین علیہ السلام کی روش ہرگز نزاعی نہ تھی۔
اسکےلئے میرے وجوہات یہ ہیں ا۔

حضرت امام حسین اور یزید کی مخاصمت مکہ سے شروع نہیں ہوئی بلکہ مدینہ سے۔ مکہ سے حضرت مسلم کو
کوفہ روانہ ہوتے دیکھکر اس نتیجہ پر جست کیجاتی ہے کہ حضرت نے طلب خلافت کیلئے نزاعی روش یہ
پیشقدمی شروع کی۔ اور یہی غلطی کی ابتدا ہے جسمیں سلسلۂ واقعات کمیطرف سے بے خیالی ایک
نقطۂ استثنائی کی موکب ہوتی ہے۔ حالانکہ اگر واقعات کی ابتدا بجائے مدینہ کے مکہ ہی سے ہوئی ہوتی
تاہم یہ سوچنے کی کافی جگہ تھی کہ ین اتفاقات میں حضرت نے مسلم بن عقیل کو روانہ کیا انکے لحاظ سے

…کی روش دفاعی
…۔ مؤلف کے دلائل

…اور یزید کی مخاصمت
…مکہ سے نہیں
بلکہ مدینہ سے

یہ کہنا کہ حضرت نے نزاعی روش اختیار کی انصاف اور نظر کو اُلٹا لٹکا دیتا ہے۔ بھی اُن مورخین سے شکایت لاحاصل ہی جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کی رفتار اور اُنکے الفاظ کے سلسلہ کو اسطرح پیش نظر رکھا ہے کہ کبھی اُنہوں نے کچھ ہی کیوں نہ فرمایا ہو لیکن سب سے مکہ سے مسلم کی روانگی کو طلب خلافت کے سمجھنے کیلئے مد میں لائیں اور اسکے مقابلہ میں یزید کے سیاق اور رفتار و گفتار کی ولادت اُسوقت سمجھیں جسوقت سے وہ ابن زیاد کو کوفہ کے انتظام کے لیے روانہ کرتا ہے! یہ نا منصفانہ یکسوئی خصائل شناسی اور خاصہ فہمی کے لحاظ سے جس درجہ قابل کشیدگی ہے خصائل کی خوبی اور بُرائی کے سمجھنے کا وسیلہ ہونیکے لیئے ویسی ہی ناموزوں اور بے اخلاقی لطافت ذبح کیگئی ہے۔ اور سمجھایا یہ گیا ہی کہ کانٹوں سے کلیاں پھوٹ نکل سکتی ہیں۔ یا فطرت آرا کلیاں بار نظر ہو سکتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ حسینؑ کی مجروح بے گناہی مورخین کی عمداً یا سہواً کوتاہ نظری سے فریاد کرتی ہی۔ حسینؑ کی عالی خیالی یزید کے مقابلہ میں یزید کی مصلحت کی شبیہ بنائی گئی ہے!

ابتداً یزید کے حکم سے

کیا یہ حسینؑ تھے جنہوں نے مدینہ میں رہنے پر قناعت نہ کی یا اُنھوں نے مدینہ میں بیٹھکر سامان حرب کی فراہمی شروع کی؟ نہیں۔ بلکہ یہ یزید تھا جسنے اپنے عامل کو یہ حکم بھیجا کہ حسینؑ کو یا زندہ گرفتار کرلے اور یا اُنکا سر میرے پاس بھیجدے اگر وہ میری بیعت سے انکار کریں۔ نہ یہ حسینؑ تھے جنہوں نے یہ فرمایا ہو کہ عنقریب ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں جنگ ہوا چاہتی ہی اور ایسے خیالات کی اظہار سے وہ اپنے مددگاروں اور دوستوں کو آیندہ جنگ و جدل کیلئے تیار کر رہے ہوں۔ اُسمیں فوجی جوش یا حکومت اور فتوحات کا حوصلہ پیدا کر رہے ہوں۔ نہیں بلکہ یزید تھا جسنے ایسے خیالات اپنی فوج اور افسروں کے سامنے ظاہر کئے اور اُنسے مستعدی کا عہد لیا۔

اہل کوفہ کی مدد سے خلافت طلبی کیلئے مدینہ سے کوفہ جانا آسان تر تھا

اگر حضرت امام حسین علیہ السلام قیام مدینہ سے قیام مکہ تک یہ طے کر چکے ہوتے کہ ہم کوفہ جائینگے اور اہل کوفہ سے مدد لیکر یزید کی سلطنت اور حکومت کو اُلٹ دینگے تو اُنکے لئے یہ نسبتاً آسان تھا کہ وہ مدینہ سے کوفہ روانہ ہو گئے ہوتے بہ نسبت اسکے کہ وہ پہلے مکہ جا کر اسکا انتظار کرتے کہ ہمیں مدینہ کی کوئی متعاقب فوج یا خود عامل مکہ کی حکومت یزید کے حکم سے گرفتار کرے۔ کہیں اسکا تذکرہ نہیں ہی کہ معاویہ کی موت سے اُسوقت تک جبتک کہ حضرت پر ولید کا بیعت کیلئے اصرار ہوا

یا مدینہ سے مکہ تک اثنائے سفر میں یا مکہ کے قیام کے زمانہ میں حضرت نے یہ کبھی ظاہر کیا کہ وہ مکہ کو فوجی مرکز قرار دینا چاہتے ہیں حالانکہ اگر حضرت امام حسینؑ کی یہ غرض ہوتی کہ وہ وطن میں اپنے مددگار روکنے جمع کرنے کی کوشش کریں یا مکہ میں ایسی ہی روش اختیار کرتے تو ان دونوں مقامات میں بہ نسبت کوفہ کے تھوڑی ہی سہی۔ لیکن مدد کی قوی اُمید ہوتی جنمیں سے ایک اگر وہ مقام تھا جس کی عالمگیر شہرت اور شہرت کی وجوہات انکے جد بزرگوار کی ذات اقدس سے پیدا ہوئے تھی تو دوسری جگہ اطراف بلاد اسلامیہ سے انکے نانا کے کلمہ گو جمع ہو رہے تھے کہ ارکان حج بجا لاویں۔ حضرت نے نہ صرف اُسوقت تک جبتک کہ آپ چوتھی شعبان کو مدینہ سے جلا وطن ہوئے کوئی ایسی کوشش نہ کی جس سے آپ پر نزاعی روش کا حرف رکھا جاتا بلکہ مکہ معظمہ میں بھی آپنے جب جب کچھ فرمایا وہ یا تو یہ تھا کہ میں مکہ میں رہونگا جبتک رہنے دیا جاونگا۔ یا ایسے وقت جبکہ ابن زبیر مدد کا وعدہ کرتے فرمایا کہ مکہ میں خونریزی جائز نہیں ہے۔ یا فرمایا کہ میں وہ مینڈھا نہیں ہوا چاہتا جس سے حرمت خانہ کعبہ ضائع ہو۔ میں ہر عقل سلیم والے کو عقل اور انصاف کا واسطہ دیتا ہوں کہ کوئی شخص جو کسی مقام کے متعلق ایسے خیالات رکھتا ہو کیا وہ ایسی جگہ کو اسلئے پسند کریگا کہ اسے فوجی مرکز قرار دے۔ اور اگر ایسا ہی تھا کہ حضرت نے اسے فوجی مرکز قرار دینے کا ارادہ کیا تھا تو اسکے آثار کہاں ہیں۔ میں اسکے ثبوت میں ایک لفظ کو بھی قبول کر لونگا اگر تمام اسلامی تواریخ یا روایات میں سے میرے سامنے پیش کیا جائے کہ حسینؑ نے مسلمانوں کے مجمع کو جو حج کیلئے جمع ہو رہا تھا اس لفظ سے یا فقرہ سے یزید کے خلاف برانگیختہ کیا یا اپنی مدد کا استغاثہ کیا۔ میرے لئے یہ سوچنا محال ہے کہ کوئی شخص جو خلافت حاصل کریگی سرد آہیں بھرا کرتا وہ ایسے موقع کو ضایع کرتا جس سے بڑھکر اُسوقت سے آجتک مسلمانوں کیلئے کوئی موقع نہیں ہے جہاں مسلمان اسقدر تعداد اور عبادت کی ہمخیالی سے جمع ہوتے ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے کسی لفظ کا وجود نہیں ہے۔ وہ لفظ اور موقع ہی پیدا نہیں ہوا۔ اور حج کے مجمع کو بھی جانے دو جہاں نبی کے نواسہ کا مسلمانوں سے پناہ لینے کا استغاثہ بہت کچھ کر سکتا تھا اور وہ سوچ سکتے تھے کہ ہم رسمی عبادت بجا لا کر کیا کرینگے جب ہمسے وہ فریاد کر رہا ہے جو شرع سکھانیوالے کا گوشت خون اور روح ہے۔ اُسکے دشمن کھیرے ہیں۔ اُسکی مدد اُسوقت کا اہم ترین فرض ہے حج تو ہر سال بجا لاتے رہینگے سب

خلافت طلبی کا حوصلہ وعدہ قبول کر لینا۔

خلافت طلبی حامیوں سے استغاثہ مدد کرانا۔

نہ سہی تھوڑے ہی سے مشاہدہ ہوتے اور حسین اسی کو غنیمت سمجھتے کہ کچھ نہیں سے کچھ ہی بہتر ہے۔
ہم اس خیال سے بھی باز آتے ہیں اور یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ مورخین اسکے قائل ہیں کہ حضرت
کے مکہ پہونچتے ہی لوگوں کا ہجوم ہونے لگا اور لوگ شرف قدمبوسی کے حاصل کرنیکے لئے حاضر ہونے
لگے۔ کیا کوئی لفظ۔ کوئی فقرہ یا کوئی خطبہ پیش کیا جا سکتا ہے جس سے حضرت نے اس مجمع کو مخاطب
کیا ہو اور انسے مدد چاہی ہو۔ نہیں ہے۔

کوفہ کے قاصدوں کی واپسی کے معنی۔

جو کچھ ہمنے ابتک کہا اس سے یہ امر بھی صاف ہو گیا کہ کوفہ ہو یا کوئی اور مقام اس سے کوئی تحریک
حضرت کی خلافت طلبی کی زمانہ قیام مدینہ میں نہ ہوئی تھی اور اگر ہوئی بھی تھی جیسے حضرت روک
نہ سکتے تھے۔ تو خود حضرت نے اُسے منظور نہ کیا تھا۔ اور یہ صورت مکہ میں باوجود اہل کوفہ کی تحریک
کے قائم رہی کہ یا حضرت نے اُنکے قاصدوں کو کوئی جواب نہ دیا۔ خطوط پھینکدیئے یا صاف انکار کر دیا۔

حضرت متوقفانہ مصلحت اختیار کرتے

مدینہ میں حضرت کے طرز عمل سے جو کچھ واضح ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اگر بلا بیعت کے چھوڑ دیے جاتے
تو وہ بحیثیت ایک نیوٹرل فرد کے سکونت گزیں رہتے اور ہرگز ترک وطن اختیار نہ کرتے۔ انھیں
یزید کی حکومت سے نہ موافقت ہوتی اور نہ مخالفت۔ اور اُنکی یہ روش ویسی ہی ہوتی جیسے رحلت
رسول کے بعد ایک زمانہ تک جناب امیر کی یا ترک اختیار کے بعد حضرت امام حسن کی تھی۔

اپنی جلاوطنی کے معنی

اگرچہ حضرت امام حسین علیہ السلام ولید ابن عقبہ اور مروان ابن حکم کے برتاؤ میں جو اُنکے ساتھ تھا
فرق کر رہے تھے لیکن تاہم وہ سمجھتے تھے کہ ولید باوجود لحاظ اور احترام کے اسکے لیئے اپنے کو معذور
نہیں سمجھتا کہ وہ بیعت لینے کے متعلق مزید تشدد جائز نہ رکھے۔ پھر بھی حضرت نے جلاوطنی منظور کی۔
لیکن لوگوں سے اپنے متعلق تائید کے کسی استغاثہ کی کوشش روانگی کے آخری وقت تک نہ کی۔

محافظت جان و آبرو کی کوشش۔

خطرہ کے وقت اپنی جان بچانیکی کوشش فطرت انسانی میں داخل ہے۔ حضرت نے یہی کیا۔
لیکن کسی ایسے مقام پر فوراً پہونچ جانا جو آل ابو سفیان کی حکومت سے علٰحدہ ہو ممکن نہ تھا۔ اپنے

مکہ معظمہ جانیکے معنی۔

جد بزرگوار کا یہ حکم جانتے تھے کہ مکہ میں حیوانی یا نباتی قتل جائز نہیں ہے اور اسلئے موقع کے
انتشار کے باوجود حضرت نے صحیح تصفیہ فرمایا کہ مکہ روانہ ہوں جہاں یہ اُمید ہو سکتی تھی کہ یزید
جو مسلمانوں پر حکومت کر رہا تھا شاید مسلمانوں کے خیال سے خانہ کعبہ کی حرمت کو قتل سے ضائع
نہ کرے۔ ہم اسپر مطلق زور نہیں دے سکتے کہ حضرت حتماً یہ سمجھتے تھے کہ مکہ پہونچتے ہی ہم محفوظ ہو جائینگے۔

اسیلئے کہ اگر یہاں قتل واجب العمل نہ سمجھا جاتا تو گرفتاری ممکن تھی۔ میرے نزدیک مکہ تشریف لیجانا مجبوراً ایک صورت کا دیکھنا تھا۔ میرا یہ خیال اسیلئے ہے کہ حضرت نے ابن عباس سے فرمایا کہ میں اسوقت تک مکہ میں قیام کرونگا جبتک رہنے دیا جاؤں۔ یعنی حضرت اس امکان سے غافل نہ تھے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ میں مکہ رہنے نہ دیا جاؤں۔

ایسا فرمانے کیلئے کوئی وجہ ہونی چاہیئے تھی۔ وجہ تھی۔ وطن اور اسکا اثر جب اس قابل ثابت نہ ہوسکا کہ حضرت کو جلاوطنی پر مجبور نہ کرتا تو مکہ نسبتاً دور تھا اور بمقابلہ مدینہ مکہ پر اثر اور تعلق بھی کم تھا مکہ کبھی کا وطن تھا۔ اور جسطرح مدینہ کے عامل کے نام یزید کا ایک خط آسکتا کہ حسینؑ کو بیعت پر مجبور کرو ایسا ہے یا اُس خط کی ایک نقل عامل مکہ کے پاس بھی آسکتی تھی۔ اور حسینؑ کا موقع یا تو یہاں بھی ویسا ہی ہو جاتا جیسا مدینہ میں ہوا یا اُس سے بھی زیادہ مخدوش ہو جاتا صورت معاملہ اس سے بھی زیادہ مائل سختی تھی اور یہ تجربہ ہو چکا تھا یا ہو ہی چاہتا تھا کہ ابن زبیر کی گرفتاری کیلئے ایک فوج آئی۔ جنگ اور کشت و خون ہوتا اور ابن زبیر اسطرح اپنے لیئے یزید کی کسی مزید کوشش تک اس موقع کو حاصل کر لیتے کہ مکہ میں جس صورت سے تھے اُس سے بہ ذلت خارج نہ کیئے جاسکیں۔ یہ مثال ایسی نہ تھی کہ حسینؑ کی توجہ بغیر گذر جاتی اور اگر ابتک واقع نہ ہوئی ہوتی تو اسکا امکان کہ کوئی فوج ہماری گرفتاری۔ یا قتل کیلئے آتی ہو ظاہر سے بھی زیادہ ظاہر تھا۔

میں نہیں جانتا کہ حسینؑ کیا کرتے اگر اُنکا موقع بھی ویسا ہی ہوتا جیسا ابن زبیر کا تھا۔ لیکن میرا تصفیہ یہ ہے کہ حسینؑ اُن ذرائع کو اپنے لیئے پسند کرتے جو ابن زبیر نے پسند کئے ہوں اور نہ مکہ میں جنگ کرتے بلکہ وہ ہر وقت اس خبر کے متلاشی رہتے کہ اگر ہم کسی فوج کی آمد کی خبر سنیں تو قیام مکہ کو بھی مدینہ کیطرح ترک کریں۔ میرا آخری خیال اس روایت سے مؤید ہے کہ عمر بن سعید الاشدق کے سپاہیوں کے روکنے پر حضرت اپنے رفقا کو تلوار اٹھانے جنگ کرنیکی اجازت نہیں دیتے بلکہ یا تو کوڑے سے دور ہٹانے ہیں یا ایسا ہوتے چلے جاتے ہیں جسکی دو غرض ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ ہم محدود حدود کے باہر نکل جائیں اور یا اسکا موقع پاجائیں کہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور ہم آگے بڑھ جائیں۔ میرا تصفیہ آخر الذکر خیال پر ہے۔

اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ عمر ابن سعید کا تبادلہ اُسوقت مدینہ میں ہو چکا تھا اور اُسنے مدینہ سے حضرت کو

عامل مدینہ کیطرح عامل مکہ کے نام بھی یزید کا حکم آسکتا تھا

عمر ابن سعید کے سپاہیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنیکے معنی

امان نامہ لکھا تو اسکا امان نامہ اسلئے قابل نظر ہے کہ کسی عامل کے کسی انفرادی فعل کی مرکزی حکومت ہمیشہ ذمہ دار نہیں ہوا کرتی خصوصاً جبکہ کسی عامل کے فعل سے مرکزی حکومت کا حکم مختلف ہو۔ یزید ولید کو حسینؑ کی گرفتاری یا قتل کا حکم دے چکا تھا اور تساہلی کیوجہ سے ولید کو معزول کیا تھا۔ ایسی صورت میں اگر عمر بن سعید کا امان نامہ یزید کے حکم کی لاعلمی پر مبنی تھا تو اسکا کیا یقین ہے کہ وہ یزید کے حکم کے علم پر بھی اپنے اس امان نامہ پر قائم رہتا اور اگر قائم بھی رہتا تو اسکی کیا ذمہ داری ہے کہ یزید بھی اسکو قبول کر لیتا درانحالیکہ اس امان نامہ سے حسینؑ نے کسی شرط کا اپنے کو پابند کیا ہوتا۔ اسکے علاوہ عمر بن سعید کے خط کو دیکھتے ہی حسینؑ کا قبول کر لینا بغیر ثبوت کے سیاسی بے احتیاطی ہوتی کون جانتا ہے کہ وعدہ امان سے حسینؑ کو دھوکا نہیں دیا جا رہا تھا۔

مجھے ذاتی طور پر اسکا بھی یقین ہے کہ حضرت کسی ایسے موقع پر جبکہ وہ دشمنوں میں گھر جاتے ہرگز خانہ کعبہ میں پناہ نہ لیتے یہ شجاعت حسینیہ اور خصائل حسینی کے خلاف ہوتا۔ حسینؑ کا نفس اسے ہرگز قبول نہ کرتا کہ وہ اپنی جان کیلئے لوگوں کے اعتقاد میں پناہ لیتے۔ یا محض پناہ لیتے۔ ناممکن تھا۔ بلکہ وہ ایسے موقع کے قبل ممنوعہ حدود کے باہر نکل جاتے اور وہیں وہ کچھ ہوتا جو کربلا میں ہوا۔ حالانکہ اسکے علاوہ حرمت خانہ کعبہ کی حفاظت بھی ایک چیز تھی جسکے لحاظ سے حضرت فرما رہے تھے کہ "اگر میں حدود مکہ سے ایک بالشت ہٹ کر شہید ہوں تو مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں مکہ میں مارا جاؤں!!"

مکہ کا موقع

اب میں اس امر پر نظر کرنا چاہتا ہوں کہ مکہ میں حضرت کا کیا موقع تھا۔ ترتیب واقعات میں میں کہہ چکا ہوں کہ جب حضرت مکہ پہونچے اور لوگ شرف قدمبوسی اور ادائے جماعت کیلئے حاضر ہونے لگے تو عامل مکہ نے یزید کو ان حالات کی خبر دی۔ میں فرض کرتا ہوں کہ اسکی یہ اطلاع اس بنیاد پر نہ تھی کہ اسے حضرت سے کوئی ویسی ہی عداوت تھی جیسے مروان بن حکم کو اور وہ

عامل مکہ کی اطلاع کے معنی۔

اس اطلاع سے گویا اس امر کا حکم حاصل کیا چاہتا تھا کہ ہمیں حسینؑ سے استحصال بیعت اور تشدد کی اجازت دیجاتی ہے یا نہیں اسے بھی فرض کرتا ہوں کہ وہ یزید کے اس حکم سے ناواقف تھا کہ یزید نے عامل مدینہ کو حسینؑ کے متعلق کوئی حکم بھیجا تھا اور اس حکم سے حسینؑ نے قیام مدینہ کو قیام مکہ سے بدلا تھا۔ حالانکہ حضرت کا مکہ آجانا اس خبر کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا تھا کہ حضرت کن اتفاقات میں تشریف لائے ہیں۔ میں اس سے بھی چشم پوشی کرتا ہوں کہ واقعات کی غیر رسمی اطلاع

عامل مکہ نے حسینؑ کیساتھ کسی برتاؤ کا ارادہ نہ کیا۔ بلکہ محض اطلاع دی۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ مکہ کا عامل تھا۔ اور بحیثیت اسکے وہ اسکا ذمہ دار تھا کہ اپنے رقبہ اختیار کے واقعات کیلئے آنکھیں کھولے رہتا۔ حسینؑ کی آمد کو اُسنے ایک غیر معمولی واقعہ سمجھا جسکی اطلاع دینا ضروری ہوتا۔ اطلاع اپنے ولی نعمت یزید کو دیتا۔ اسکا نام عمر بن سعید الاشدق تھا۔ یہ اُموی تھا۔ اپنے کو اُمیدوار سلطنت سمجھتا تھا اور اسی میں قتل کیا گیا۔ یہی تھا کہ جب یہ مدینہ منتقل ہو گیا تو اُسوقت حضرت شہید ہو چکے تھے۔ ابن زیاد نے اسے اطلاع دی اور اسی کے ہاتھوں عالم نے یہ عبرت خیز منظر دیکھا کہ مسجد نبی کے اسی منبر سے جسپر حسینؑ نبی برحق کی گود اور پشت پر سوار ہو جاتے آج

نواسہ رسولؐ کا فرق منبر رسولؐ کے منبر پر

عمر ابن سعید الاشدق اہل مدینہ کو حسینؑ کے شہادت کی اطلاع دیتا اور حسینؑ کا سر اقدس یا اُسکے ہاتھ میں ہوتا اور یا منبر کے کسی زینہ پر رکھا ہوتا! (اگر یہ روایات صحیح ہیں کہ حسینؑ کا سر اقدس مدینہ بھیجا گیا)

عمر بن سعید کے الفاظ

اور اسکی اطلاع پر جب محلۂ بنی ہاشم یا عاطرین میں کہرام مچتا تو یہ کہتا کہ "یہ ایک روز ہماری عورتیں روئی تھیں آج ہمارے دشمنوں کی عورتیں روتی ہیں"!

یہی عمر بن سعید الاشدق تھا کہ جب حضرت مکہ سے روانہ ہو گئے تو حضرت عبد اللہ بن جعفر اسکے پاس آئے اور بقول کامل ابن اثیر اس سے خواہش کی کہ "حسینؑ کو امان دیدو اور نیکی اور صلہ رحم سے واپس آنیکا سوال کرو"۔ اگر حضرت مکہ میں محفوظ تھے اور کوئی خطرہ نہ تھا تو سوال "امان" کی کیا ضرورت تھی؟

امان کی کیا ضرورت تھی اگر محفوظ تھے

عمر ابن سعید الاشدق گرم مزاج نہ تھا بلکہ نہایت خنک مزاج مدبر تھا جو اس ایک مثال سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے سواروں کو پہلے تو بھیجتا ہے کہ حسینؑ کو روک دو اور جب دیکھتا ہے کہ حضرت آمادہ نہیں ہیں اور نوبت بجنگ آسکتی ہے تو اپنے سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیتا ہے۔ اسلئے کہ زمانہ حج اور مسلمانوں کے مجمع نے اسے کسی سخت کارروائی سے احتیاط کا خیال دلایا۔ جو واقعات کہ اب تک پس پردہ تھے تلواروں کی جھنکار کے بعد پردہ میں نہ رہ سکتے اور صورت معاملہ ممکن تھا کہ بالکل بدل جاتی۔ میں کہتا ہوں کہ وہ خنک مزاج مدبر تھا اور مجھے اسکے آثار اور بھی ملتے ہیں۔ اور میں سوچتا ہوں کہ یہ آثار حضرت کے زمانہ قیام مکہ میں ایک ظاہر ہوا ہیں۔ عمر بن سعید الاشدق کا موقع یہ تھا کہ حضرت

سواروں کی واپسی کے معنی

ایک ایسی جگہ بھی تشریف لائے تھے جہاں یزید ایک حکم عام ہو گیا تھا اور اسکی کارروائی سے کسی نہ کسیطرح محفوظ ہو کر حضرت اب مکہ پہونچے تھے۔ بنابراین اسکا قیاس ناممکن ہے کہ مکہ میں بھی کوئی ایسی کارروائی اسیطرح کیجاتی کہ جو یا تو ظاہر ہو جاتی۔ اور بیسود ہوتی یا کوئی ایسی شورش ہوتی جو حکومت کے مفید نہ ہوتی۔ یہ مصلحت اس بنا پر بھی ناقابل عمل تھی کہ ابن زبیر یا تو مکہ میں ایک گونہ اقتدار بزور شمشیر حاصل کر چکے تھے اور یا محض تھے۔ آخر الذکر صورت میں بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ حسینؑ پر کسی ظاہر تشدد سے یا تو حسینؑ کو اسپر مجبور کرتے کہ وہ ابن زبیر سے کسی قسم کی مدد لیتے اور یا ابن زبیر حسینؑ پر کسی تشدد کو اپنے اوپر ایسے ہی تشدد کا مقدمہ سمجھکر خود سے حسینؑ کے شریک ہو کر اس دشمن کو مغلوب کرتے جو دونوں کا عام دشمن تھا۔ ہو سکتا ہے کہ حسینؑ کیلئے یہ ناممکن ہو کہ وہ کسی کی مدد قبول کریں خصوصاً ایسے حوصلہ مند کی جو مدد کا صلہ حصول اقتدار قرار دے سکے۔ نہ میں اس وجہ سے متذکرہ صدر خیال ظاہر کر رہا ہوں بلکہ عمر ابن سعید الاشدق کے سیاسی موقع کے لحاظ سے جسے بغیر ایسا سوچے چارہ نہ تھا اسکے علاوہ کوئی قدم اٹھانا اسکی سیاسی بے تمیزی ہوتی۔ نہ عمر بن سعید الاشدق یہ کھیل کھیل سکتا تھا کہ ابن زبیر اور حسینؑ کو آپس میں لڑا دیتا۔ اسلئے کہ ایک طرف حسینؑ تھے۔ اور ابن زبیر کو تجربہ ہو چکا تھا کہ حسینؑ ہماری کسی کوشش میں دخل نہ دینگے یہ دوسری بات ہے کہ ہر صورت میں لوگ بمقابل ہمارے حسینؑ کا زیادہ احترام کرتے ہیں۔ اور موقع کی ہمدردی بھی جیسی حسینؑ اور ابن زبیر میں ممکن تھی یزید کے عامل اور انمیں سے کسی میں ممکن نہ تھی۔ یہ جواب دینا میرا کام نہیں ہے کہ اگر ابن زبیر کو یزید کی معاونت کا یقین ہو جاتا تو کس حد تک وہ اسکے خلاف کسی روش سے باز آجاتے یا نہ آتے۔

خفیہ طور سے قتل یا گرفتاری

ان امورات کے لحاظ سے یہ سوچنے کے علاوہ چارہ نہیں ہے کہ یا تو زہر دیتے اور یا پوشیدگی سے قتل کرنیکی صلاح ہو رہی تھی۔ اور یا اسقدر خاموشی گوارا کیگئی تھی کہ زمانہ حج ختم ہو اور حاجی اپنے گھروں کو واپس جائیں تو اسوقت نسبتاً تھوڑے سے سپاہیوں سے کام چل سکیگا اگر گرفتاری منظور ہو۔ اور یا یزید کی بھیجی ہوئی فوج پہونچ جائیگی اور ہم اپنی خواہش کے موافق حسینؑ کے ساتھ برتاؤ کر سکینگے۔

اب تاریخ نہ صرف اس کوشش کا ذکر کرتی ہے کہ خفیہ قتل یا گرفتاری کی تیاری ہو رہی تھی بلکہ اسکا تذکرہ بھی ہے کہ فوج مکّہ سے قریب بھیجی جا رہی تھی اور سختی سے حضرت کے نقل و حرکت کی نگرانی ہو رہی تھی اور حضرت کیلئے نہ صرف قیام مکّہ بلکہ کہیں اور جانا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ اسکے قبل ہم ان آثار سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتا جو اگرچہ مطلق ثبوت نہ بھی سہی تاہم تائیدی ثبوت ضرور ہیں کہ ابن عمر حضرت سے کہتے ہیں کہ "لوگوں نے یزید سے بیعت کر لی ہے مکہ والے بھی دولت و زر کی لالچ سے اسی کیطرف جھکیں گے آپ کا ساتھ چھوڑ دینگے یا شہید کر دینگے"

یا تاریخ کامل کے موافق حضرت عبد اللہ ابن جعفر حضرت کا تصفیہ سفر معلوم کر کے کہتے ہیں کہ "میں آل محمدؐ کی تباہی دیکھ رہا ہوں" یا اعثم کوفی کے موافق عبد اللہ ابن جعفر حضرت کو لکھتے ہیں کہ "میں آپکے واسطے یزید اور بنی امیہ کی اور امیروں کی طرف سے امان حاصل کرا دونگا پھر اطمینان کے ساتھ حرم محترم میں رہنا" یا حضرت امام حسین علیہ السلام ابن عباس۔ ابن عمر اور محمد حنفیہ سے کہتے ہیں کہ "افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ لوگ مجھے گھر میں بیٹھنے نہ دینگے۔ مجھسے اُلجھینگے اور اگر میں اُن میں سے نکلکر کسی نامعلوم جگہ جا وُنگا تو بھی ڈھونڈھ نکالینگے اور بیعت یزید کے لیے مجبور کرینگے اور اگر انکار کرونگا تو قتل کرینگے"

کہا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ خطرہ کے گمان سے بڑھکر نہیں ہیں۔ ہم اسکو تسلیم کر لیتے ہیں اور خدا کے اس بڑے قانون سے چشم پوشی کرتے ہیں کہ خطرہ کیوقت انسان کی قوت حس تیز ہو جاتی ہے یا بغیر سلسلہ خیال کے بھی دفعتہ ہم خطرہ یا غم محسوس کرتے ہیں اور کچھ وقت کے بعد دیکھتے ہیں کہ ہمارا کبھی کا وہم تھوڑی دیر بعد کا واقعہ تھا۔ لیکن یہ وہم یا گمان کی حالت دیر تک قائم نہیں رہتی بلکہ وہ یقین کی صورت اختیار کر لیتی ہے جب حضرت فرزدق سے فرماتے ہیں کہ "اگر میں جانے میں عجلت نہ کروں تو دشمن گرفتار کر کے لیجائینگے" یا ابو ہریرہ ازدی سے کہتے ہیں کہ "جب قتل کرنا چاہا تو میں وہاں (حرم خدا و رسولؐ) سے نکل آیا" یا اپنے آخری وقت کسی معصوم بچےؑ کے اس سوال پر کہ "پھر ہمیں مدینہ پہونچا دو" فرماتے ہیں کہ "اگر کوے کو آشیانہ میں رہنے دیتے تو آرام سے سوتا" اور ان واضح خبروں کو تو ملانے دو کہ کچھ آدمی حاجیوں کے لباس میں حسینؑ کے شہید کرنیکی فکر میں تھے۔ کوئی عجب نہیں ہے۔ میں اسے قبول نہیں کر سکتا کہ یزید معاویہ کا بیٹا تھا۔ اور نہ

یہ سوچ سکتا ہوں کہ یزید کو یہ معلوم نہ تھا کہ میرے مدبر باپ نے اُنھیں کسطرح راستہ سے ہٹادیا جنھیں وہ بظاہر قتل یا گرفتار نہیں کرسکتا تھا۔ اور چونکہ یہ گوشہ نشین مدینہ کے ظاہر حکم کے بعد مقیم میں سوچتا ہوں کہ یا تو مدینہ یزید کا خیال ثانوی تھا اور یا یہ عمر بن سعید الاشدق کی صلاح سے تھا۔

مؤلف اپنے بعض الفاظ کا ترجمہ کرتا ہے۔

(اس جگہ میں یہ بھی کہدینا چاہتا ہوں کہ حصہ اول میں وہ موقع جب رسولؐ اپنے فرزند ابراہیم اور حسینؑ کی حیات کا تصفیہ کرتے ہیں اور میں نے اُسے "ہولناک خیال" کہا ہے یا اُس موقع پر جبکہ حضرت امام حسینؑ کے احساس خطرہ کو میں نے وہم یا گمان تسلیم کرنا گوارا کیا ہے یہ حقیقتاً "وہم" "گمان" اور "خیال" کے الفاظ کے اُس حیثیت کے استعمال کی مجبوری سے ہے جسکے بغیر ہم ان الفاظ کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے۔ ورنہ میرے نزدیک ان نفوس قدسی میں کسی خیال کا کوندنا حقیقۃً فطرت کے قوانین کے موافق الہام تھا۔ یہ اس سے بالاتر تھے کہ انکے ساتھ وہم۔ گمان یا خیال کا وہ بھرف جائز رکھا جائے جسطرح ہم آلودہ انسان اپنی حالتوں کے اظہار کیلئے ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں۔

میں یہ کہنے کے قابل نہیں ہوں کہ نفس یا دماغ کا کس حد تک نتھرنا اس قابل کرتا ہے کہ اُس میں اس حرکت کی ابتدا ہو کہ وہ دوسروں کے جذبات کا صحیح احساس کرے یا اپنے خیالات اور جذبات کو دوسرے کے نفس پر نقش کردے۔ وہ کسی طرح عالم اثیری سے ان صداؤں اور حالتوں کو جذب کرتا ہے اور کونسے طریقے سے سروش غیبی انکے سامعہ باطنی سے مس ہوتی تھی۔ آیا کسی امر کے متعلق انکا تصفیہ ایسے ہی کسی قانون کا نشو تھا جسطرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان باوجود سمجھانے کی تمام کوششوں کے نہیں سمجھتا اور کوئی ہے جو خفیف سا اشارہ پاکر دیکھتا ہے کہ اُس امر کے متعلق تمام پہلو روشن ہوگئے۔ یا صحیح احساس کیلئے کوئی اور دارکوئی گرانک طریقہ تھا۔

لیکن تھا۔ انکی تاریخ بتلاتی ہے۔ نہ خواب ان کیلئے خواب تھا نہ خیال انکے لئے خیال تھا۔ یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں خبر ملی اور اُسی کے یقین پر اپنے عمل کو مبنی کرتے تھے۔ عالم کی تاریخ پتہ دیتی ہے اور نفس انسانی اسکا انکار نہیں کرسکتا۔ اگرچہ ہم قانون کو نہ سمجھے ہوں لیکن قانون کا احساس یا وہم و گمان ہم میں ضرور ہے۔ اور اگر ہمیشہ نہیں تو یہ قوت کبھی کبھی انسان پر جھک جاتی ہی تو کیا عجب ہے کہ

کچھ ایسے نفوسِ قدسی اور ملائے مطہر ہوں جن پر ایسے عکس کی تکرار ہوتی ہو)

سوار دوڑانے کے معنی

آخر کیا ضرورت تھی عمر بن سعید الاشدق کو اپنے سوار دوڑا بھیجنے اور حضرت کو بہ جبر مکہ میں واپس لائیگی۔ اگر اُنکی حکومت حسینؑ کو اپنے جانے اور رہنے میں ایک مختار انسان سمجھتی تھی؟ یہ پیش قدمی کہتی ہے کہ اب تک اپنے منصوبوں کو ناتمام دیکھکر جلدی سے سوار بھیجے کہ انھیں اپنے قبضہ سے نکل نہ جانے دیں۔ اور یا حسینؑ کو اُنکی خواہش اور نفس حق کے خلاف یزید کی بیعت کرانے پر مجبور کریں۔

صلاحوں کی حیثیت

اِن اتفاقات کی موجودگی میں ابن عباس اور ابن عمر مدینہ واپس چلیے یا مکہ میں رہنے کی صلاحیں دیتے ہیں۔ میں اُنکی رائے کو بجز محبت اور نیک نیتی کے اور کسی غرض پر محمول نہیں کرتا۔ لیکن بغیر یہ کہے بھی نہیں رہ سکتا کہ یہ یا تو واقعات سے ناواقف تھے اور یا اُنسے چشم پوشی کر رہے تھے۔ کیا حسینؑ مدینہ ہی کو جلا وطن ہو کر آئے تھے؟ غالباً وہ لوگ اِس سے واقف نہ تھے کہ عمرو بن زبیر کہتا تھا کہ میں عبداللہ بن زبیر سے درعین خانہ کعبہ میں لڑونگا"، یا نہ جانتے تھے کہ یزید نے ولید ابن عقبہ کو ابن زبیر کے مکہ روانہ ہونے کی اطلاع پر لکھا تھا کہ "عبداللہ ابن زبیر کو اُسکے حال پر چھوڑ دو وہ جہاں کہیں جائیگا ہماری کمند اُسکے گلوگیر رہیگی"۔ اور یہ تو انھیں ایک آدھ برس کے بعد دیکھنا تھا جب یزید مسلم بن عقبہ کو مدینہ کی تاراجی اور مکہ میں ابن زبیر سے جنگ لیئے بھیجا اور مسلم ابن عقبہ اپنے بستر موت پر حصین بن نمیر کو ان لفظوں میں وصیت کرتا کہ "چوں بمکہ رسی باید کہ از سر جد و جہد و اجتہاد بحرب ابن زبیر قیام نمائی و باید کہ بر خاطر تو خطور نہ کند کہ این خانۂ خدا است و من چگونہ باہل خانہ محاربہ کنم۔ وظیفہ آنکہ مجانیق نصب کنی و از ویران شدن خانہ کعبہ باک نہ داری کہ سخن امیر زیادہ ہست از کعبہ"! اِن پیش و پس حالات کی موجودگی میں اگر ابن عباس اور ابن عمر کو یہ تصفیہ کرنیکا موقع نہ بھی ہو کہ حسینؑ کے ساتھ درمیانی حالت میں بھی یہی ہو سکتا تھا تو ہم لوگ جو دونوں گذرے ہوئے واقعات سے واقف ہیں اس تصفیہ سے دور نہیں رہ سکتے۔ حسینؑ بیعت نہ کرتے اور ضرور شہید ہوتے جہاں ہوتے لیکن اسوقت یہ اُنکے اختیار میں تھا کہ خانہ کعبہ کی حرمت ضایع نہ کرتے اور یہ اُنھوں نے کیا۔ جو لوگ انھیں حرم میں رکھنا چاہتے تھے وہ بے ہوشی میں اسکے مشتاق تھے کہ حرم کو حسینؑ کے خون سے سُرخ دیکھتے۔ جو کچھ ہو حجاز کی غیر محفوظ حالت میں کلام نہیں ہو سکتا تھا حسینؑ حج پر

ایک سوال کا جواب

طلب خلافت ہی تھی۔ کو چھ یا ایک دن کیلئے ترجیح نہ دیتے۔ لیکن ابن عمر اور ابن عباس حسینؑ کی حالت خوف اور یزید کیطرف سے تشدد ہونیکے قرائن سے ناواقف نہ تھے بلکہ یہ کہہ رہے تھے کہ یزید سے بیعت کر کے بلا ٹالو۔ اور ابن عمر جانتے تھی اور کہہ رہے تھے کہ "اگر تم یہ چاہتے ہو کہ یزید سے بیعت نہ کرو تو تمہیں اسکے لئے ضرور مجبور کرینگے اور وطن میں اطمینان سے بیٹھنے نہ دینگے تاوقتیکہ آپ اسکی بیعت اختیار نہ کریں۔" اگر مورخین کے نزدیک یہ "سمجھدار" ہونیکا معیار یہی ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی کیلئے کیسے ہی ذلیل فعل کے آگے سر جھکا دے تو بجے۔ "حسینؑ کا جواب ہی لکھ دینا ہوگا اور بس کہ" ایسی باتوں پر لعنت ہے جبتک آسمان وزمین قائم ہیں۔" حسینؑ نے اپنے علم و ارادہ سے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر عالم میں سمجھداری کے سب ایسے ہی نقیب ہوتے تو۔ علوئے نفس۔ ایثار حمیت اور کسی بڑی وجہ کیلئے قربانی یا شہادت کا شریف ترین مفہوم اور مثالیں دنیا میں موجود ہوتیں یا نہ ہوتیں۔ اور حقیقت کہ حسینؑ کے فلسفۂ شہادت کی عظمت و شرافت ایسی غلط خیالی یا دور از راہ اعتراض کی اماج ہو!

غالباً میں اپنی اس تنقیح کا جواب دیچکا کہ "آیا حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی روش نزاعی تھی؟ یا نہ تھی۔ اب میری ضمنی تنقیح شروع ہوتی کہ "اگر بفرض محال حسینؑ نے یزید کی سلطنت کے اُلٹ دینے کا قصد کیا تو یہ کوشش کب تھی کیسی تھی اور حضرت نے کامیابی کیلئے کونسے وسائل اختیار کئے!"

یہ سوچنا سامنے کی بات ہے کہ ایسے خوف و تشدد کی حالت میں جسمیں حضرت بسر کر رہے تھے کسی انسان کیلئے کیا موقع رہگیا تھا۔ یہ کہ وہ خاموشی سے اپنے کو دشمن کے حوالہ کر دیتا کہ یا تو وہ کسی تاریک گوشہ میں ناقابل برداشت مصیبتیں گوارا کرتا رہے اور یا قتل کیا جاتا۔ حسینؑ کی غیرت و حمیت نے اسے گوارا نہ کیا کہ اپنے کو مسیح بن مریم کیطرح گرفتار کرا دیتے اور دشمن کو اپنی گرفتاری پر مضحکہ کرنے دیتے۔ مسیح بن مریم سے یہود ہوں یا رومی انمیں سے کسی کو نہ کوئی دیرینہ عداوت تھی اور نہ بجز اسکے کہ وہ اُنکے مذہبی مداخلت کو خلاف ورزی سمجھتے تھی اور کوئی مخاصمت تھی برخلاف اسکے حسینؑ اور اُنکے دشمنوں کی معاملت وہ تھی جو طویل مدت تک پہلے حصہ میں دکھائی گئی ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان اُمورات کی ناموجودگی میں حسینؑ کیا کرتے لیکن ان اسباب مخالفت کی موجودگی

میں حضرت نے اپنے کو اُنکے ہاتھوں میں گرفتار دیکھنا پسند نہ کیا۔ حسینؑ کے اسباب مدافعت اور دشمن کے سامان مزاحمت کا مقابلہ کرنیکے بعد حسینؑ کی یہ غیرت ایک عدیم المثال جرأت تھی۔ یعنی تصفیہ کی ابتدا ہی نہایت غیورانہ اور شجاعانہ تھی اور واقعات جس جسطرح صورت اختیار کرتے گئے اُن حالتوں میں حسینؑ کی اس ابتدائی پُرغیرت تصفیہ میں استقلال اور اصرار کا ترقی کرتے جانا ایک ایسی حالت تھی جو تاریخ عالم میں حسینؑ ہی کیلئے مخصوص تھی۔

مدینہ میں کیونکر بچگئے

حسینؑ ابھی تک گرفتار یا شہید نہیں ہوئے تھے کہ ولید بن عقبہ کے پاس جانیکے وقت مسلح وفاداروں کو ہمراہ لیگئے تھے۔ اور اسکے بعد بھی مدینہ میں رہنے کی جسقدر مہلت ملی اُس میں ولید ابن عقبہ خواہی نخواہی صورت معاملہ کو دیکھ رہا تھا کہ حسینؑ سوال بیعت کے متعلق کیا تصفیہ کرتے ہیں۔ مجھے اپنے اس میلان کے ظاہر کرنے میں بھی عذر نہیں ہے کہ ولید بن عقبہ جسطرح حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے اُس موقع کے لحاظ سے جو اُنہیں مدینہ میں حاصل ہونا چاہیئے تھا کسی سختی کی پیشقدمی سے رُکتا تھا اُسیطرح ممکن ہی کہ وہ رعایت کر رہا ہو اور اُس موقع کا منتظر ہو کہ اگر حسینؑ مدینہ سے باہر چلے جائیں تو حدود اختیار سے باہر ہوجانیکی وجہ سے میں نواسۂ رسولؐ کی سختی کیلئے مجبور نہ ہونگا۔

قیام مکہ میں کوئی نزاعی روش نہ تھی۔

مکہ میں پہونچے۔ اور کئی مہینہ رہے۔ اور کسی کو اس میں عذر کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ نصف شعبان سے بارہ ذیقعدہ تک کوئی لفظ کوئی انداز اور کوئی حرکت ایسی ظاہر نہ ہوئی جس سے یہ سمجھا جاسکتا کہ حسینؑ کسی نزاعی روش کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن یہی زمانہ اُنکے لیئے موقع کے احساس۔ تجربہ اور تصفیہ کا تھا۔ اور حسینؑ سے بڑھکر اپنے موقع کے سمجھنے کا نہ دوسرے کو موقع تھا اور نہ حق تھا۔ وہ اگر اپنے موقع کو سمجھتے تھے تو یہی سمجھتے تھے کہ یزید میرے متعلق اپنے حکم کو بھول نہیں گیا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ میرے اثر اور ذات کو دشمن سمجھتا ہے اور اس لحاظ سے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مکہ کوئی فوجی چھاؤنی نہیں ہے بلکہ میرے لئے ایسی کسی سخت کارروائی کیلئے بصرہ یا کوفہ سے فوج منگانے کی ضرورت ہوگی یا ہوسکتی ہے۔ یہ وقت حاکم مدینہ کے انتظار کی ایک وجہ تھا اور حضرت کی شہادت کا درمیانی زمانہ۔

استدعا کا لہجہ اور فطرت انسانی

یہ انتشار تھا کہ اہل کوفہ کی مراسلتوں نے ایک دوسرا لہجہ اختیار کیا۔ اور اگر لہجہ نہ بھی بدلتے تاہم

استدعا کا لہجہ اور فطرت انسانی۔

اضطراب کیحالت میں ذریعہ تسکین کیطرف نگاہ اٹھنا فطرت انسانی میں داخل ہے۔ وہ تسکین حقیقۃً تسکین ہو یا نہ ہو حسینؑ بغیر اُس حالت کی موجودگی کے جسمیں اُن کا ہونا ظاہر بات ہے اگر ریاست و امارت پر مائل ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ابتداہی میں اہل کوفہ کی قاصدوں اور مراسلتوں کا ویسا ہی جواب نہ دیتے جیسا کوئی شخص دیتا جسے حکومت کی فریفتگی ہوتی۔

استغنائے نفس

حسینؑ میں حکومت و ریاست کی فریفتگی کا نہ ہونا صرف اُنکی ایسے صبر آزما حالتوں میں خاموشی سے ظاہر ہے بلکہ ایسے وقت جبکہ مدد کا وعدہ ہو رہا تھا اور غالب قرائن تھے کہ مدد ملسکتی پھر بھی ویسی ہی لاپرواہی پر قائم رہنا حسینؑ کے قوت نفس کا ثبوت ہے۔ حالانکہ اگر محض طلب خلافت کیلئے حضرت اُسوقت آمادگی ظاہر بھی کرتے تو وہ اس بات کیلئے آمادہ ہوتے کہ ہم اُس عہدنامہ کو نافذ کریں جو حضرت امام حسنؑ اور معاویہ میں ہوا تھا اور جسکے رو سے حسینؑ کو معاویہ کے مرنے کے بعد خلیفہ ہونا چاہیئے تھا۔ یہ معاویہ اور یزید کی بدعہدی تھی کہ اُسنے حسینؑ کے حقوق کا لحاظ نہ کیا نہ یہ کہ

حضرت کی آمادگی ایک عہد کے نفاذ کیلئے ہوتی

حضرت امام حسینؑ پر کوئی عذر ہوسکتا کہ تمنے اپنے حق کے طلب کرنے کے لیئے کیوں آمادگی ظاہر کی۔

پیشتر کی مثالیں اور ہم آہنگی

باوجود اسکے کہ ایسا کرنے میں حسینؑ اپنے حق کے اندر ہوتے لیکن حسینؑ سے یہ اُمید کرنا کہ وہ خلافت طلبی کیلئے بزور شمشیر کوشش پر آمادہ ہو جاتے پیشتر کی مثالوں سے چشم پوشی ہوگی جو حسینؑ کے کسی طرز عمل کیلئے نمونہ تھی۔ یعنی ہادی برحق نے اپنی ریاست روحانی میں لوگوں کے انصرام اُمورات کو اُسوقت تک شریک نہ کیا جبتک کہ لوگ ہم آہنگی سے اس امر پر مصر نہ ہوے کہ ہادی برحق اُنکے تمام دینی اور دنیادی اُمورات کے ذمہ دار ہوں حقیقۃً کوئی تنہا معترض بھی نہ تھا۔ جناب وصی برحق نے باوجود اپنی پامالی حقوق اور باوجود اُمید وحق اور باوجود ابوسفیان کے وعدہ مدد کے اُسپر آمادگی ظاہر نہ کی کہ وہ بزور شمشیر حاصل کرتے۔ جبتک کہ لوگوں نے ہم آہنگی سے خلافت کو لاکر اُنکے قدموں پر ڈال نہ دیا۔ اور جناب امیر کو اُسکی اُمید ہوئی کہ لوگ اطاعت کرینگے اور مخالفت نہ ہوگی حضرت امام حسنؑ نے اُسوقت خلافت کو ترک کیا جب اُنھیں لوگوں کی اطاعت سے تساہلی کو ملاحظہ فرمایا اگرچہ ایسی حالت تھی جو بظاہر قوت مدافعت کا عدم تصور نہ کیا جاتا۔ حضرت امام حسینؑ باوجود اپنے حقوق اور باوجود اہل کوفہ کی استدعا اور باوجود

حسینؑ کیلئے اکثر حالتوں کا اجتماع اور خاموشی

عالمِ اضطراب سے ان تمام باتوں کو بارے اقدس کے لیے مضبوطی سے دبائے رہے اور اگر اس عالت میں اُنکی اس خاموشی کے پیچھے حصولِ خلافت کا خیال پوشیدہ ہوتا بھی تاہم اُنکی یہ ادا اُن کے تدبر پر دلالت کرتی جس سے وہ اپنے آغازِ کوشش تک اپنے اوپر کمالِ احتیاط سے کوئی حرف آنے نہیں دیتے تھے۔ کسی کا وہم دوسری چیز ہے۔ حالانکہ ایسا نہ تھا بلکہ واقعات۔ الفاظ۔ انداز اور اُنکے نفس کے پُرغور مطالعہ سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر وہ نانا کے روضہ کی مجاوری سے دور ہٹائے جانے سے متاسف تھے تو مکہ سے جلاوطنی اُنکے لیئے ویسی ہی پُرتاسف تھی۔

ترکِ مکہ کے وجوہات

اب جبکہ متواتر تجربہ سے اُنھیں اس امر کا یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اُنھیں کسی طرح بیعت کی ذلت سے مفر نہ ہوگا اور ضرور قتل کیئے جائینگے تو دوسری طرف اہلِ کوفہ کی ہم آہنگی ایک ایسی صورت اختیار کر رہی تھی جو عام صدا سمجھی جائے اور یہ عام صدا اسکا استغاثہ کر رہی تھی کہ ہمیں مظالم اور بیدینی سے بچاؤ۔ اُنکا یہ فقرہ سچائی کی بو سے خالی نہ تھا کہ ”اگر آپ نہ آئے تو کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہم آپ پر دعوےٰ کرینگے اور کہینگے۔ الٰہی! حسینؑ نے ہم پر ظلم کیا تھا کہ ہم پر ظلم ہوتا ہوا دیکھکر یہ خاموش بیٹھے رہے اور تمام لوگ فریاد کرینگے کہ ہمارے پروردگار حسینؑ سے ہمارا بدلہ دلا“ اہلِ کوفہ نے صحیح مقام پر اُنگلی رکھی تھی۔ اس استغاثہ کے بعد حسینؑ کا آمادہ ہونا کسی اہلِ نظر کے نزدیک خود غرضی اور جاہ طلبی کے احساسات سے نہیں ہو سکتا بلکہ مظلوم کی مدد۔ ہدایت اور ایثار سے حسینؑ کی شجاعت۔ ہمدردی اور اُنکے حقیقی منصب کے لحاظ سے اب مدد کیلئے کوئی عذر نہ رہ گیا تھا۔ اسکے بعد حسینؑ کا کوئی عذر یا اُنکے استغاثہ کیطرف سے لاپروائی جماعت انسانی کے افسوسناک حالت کیطرف سے لاپروائی اور غیر شجاعانہ روش سمجھی جاتی۔ اسلیئے کہ یہ گمان کیا جاتا کہ حسینؑ نے ایک کوشش سے اسلیئے اعراض کیا کہ اسمیں امکان خطرہ تھا۔ اب حسینؑ کیلیئے کیا چارہ تھا۔ یہ کہ وہ مسیح بن مریم کیطرح اپنے کو دشمن کے رحم اور انصاف کے حوالہ کر دیتے۔ اور اسکی

اخلاقی اور روحانی شجاعت

منتظر رہتے کہ کانٹوں کا تاج پہنا کر تمسخر کیا جاتا اور یا اخلاقی اور روحانی شجاعت کیلیئے آمادہ ہوتے اگرچہ سامانوں کی کمی ایک ظاہر بات تھی۔ ابن مریم کو بجز اسکے چارہ نہ تھا کیونکہ اُنکے موقع کے وقت اُنکا کوئی قابلِ لحاظ وقار کہیں نہ تھا۔ حسینؑ کی حالت اِسکے خلاف تھی۔ اور حقیقۃً حسینؑ کی یہی اخلاقی اور روحانی شجاعت تھی جسنے اُنکی شہادت کے بعد فطرتِ انسانی میں ہمدردی کی گونج کو

اینٹھ دیا۔ اور ایک ایسا زبردست ہیجان ہوا جو بنی اُمیہ کی عظیم الشان سلطنت کو اُلٹ دیتا
برخلاف اسکے ابن مریم کے واقعہ سے۔ وہ ظاہری مصلوبیت ہو اور حقیقتاً اُس سے نہ شہید
نہ ہوئے ہوں یا مصلوبیت ذریعہ شہادت ہو جس پر انجیل نے زور دیکر کلام کا موقع دیا
ہے۔ کوئی مقامی ہیجان بھی پیدا نہ کیا۔

مکہ اور کوفہ میں شہادت کا فرق

اگر حسینؑ اہل کوفہ کے استغاثہ پر توجہ نہ کرتے تو انہیں مکہ میں یا اسکے بعد کہیں کب مفر تھا۔ تو
مکہ میں عمیق اسطرح شہید ہوتے کہ انہوں نے ایک قوم کے استغاثہ پر توجہ نہ کی ہوتی اور
اگر کوفہ میں شہید ہوئے تو ایک قوم کی مشکوریت اور اپنی بلند حوصلگی پر عالم کو ابد الآباد تک
کیلئے گواہ اور ہمدرد بنا لیتے۔ اسکے علاوہ مکہ یا کسی دوسرے مقام میں بجز شہید ہوئے کوئی چارہ
نہ تھا۔ کوفہ میں کچھ اُمید بھی تھی۔ کامیابی خلافت اسلامی کی ہیئت بدل دیتی۔ ان تمام صورتوں کو
تذکرہ سے میری غرض یہ تھی کہ حضرت اشرف الشہداء ایک غیر محفوظ مقام پر دوسرے غیر محفوظ
مقام کو ترجیح دیتے ہیں۔ فطری حقوق کے حد میں تھے جو انسان کو اپنے اعزا۔ اقربا۔ احباب اور
خود اپنی جان کیلئے حاصل ہیں۔ ایک مظلوم قوم سے ہمدردی کر رہے تھے۔ اور تیسرے ایک
غیر شایاں شخص کی اطاعت کے عہد سے انکار کر کے اخلاقی لحن کو بلند کر رہے تھے۔

طرز عمل

پھر بھی حضرت نے کیا کیا مسلم کو اس ہدایت سے روانہ کیا کہ وہ مسجد میں امامت کریں۔ امور شرعی
فیصلہ کریں۔ نعمان ابن بشیر جو رئیس کوفہ اور یزید کیطرف سے حاکم تھا حاکم رہنے دیا جائے یعنی حسینؑ نے
بجز امورات شرعی کے اور کسی امر میں دخل دینے کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ نعمان کے متعلق
کسی ایسی ہدایت کا نہ ہونا جس سے اُسکے اختیارات میں دخل ہو یا تو اسوجہ سے تھا کہ بجز امورات
شرعی کے اور اُمورات انتظامی میں دخل کا ارادہ نہ تھا اور یا یہ معلوم تھا کہ نعمان ہماری حضرت
مائل ہے یا کم سے کم ہمارا دشمن نہیں ہے اور چونکہ وہ کوفی ہے اسکا اپنی جگہ قائم رکھنا حالت کو حتی الوسع
غیر متحرک رکھے گا جس سے کسی قسم کا اضطراب انگیز ہیجان نہ ہوگا۔ یہ حالت سمجھانے کیلئے کافی ہونی
چاہیئے کہ حضرت کا ارادہ کیا تھا۔ اور اگر حضرت کسی دخل پر آمادہ تھے تو صرف اسقدر کہ انکی موجودگی
روح مذہب کی نگرانی کر سکے اور بس۔ نہ کہ وہ حکومت کی تفصیل میں بھی ارادہ شرکت رکھتے تھے
حکومت کی یہ نوعیت پر ایک شہنشاہانہ شان رکھتی ہے۔ لیکن چونکہ شاہنشاہ حقوق کے

ادا کرنے کیلئے دُنیاوی سامان نہ تھے اسلئے کوئی ایسی صورت کے معنی بجز اخلاقی اور روحانی ہدایت کے دوسرے نہیں ہوسکتے۔

حسینؑ جب یہ صاف دیکھ رہے تھے کہ ہم کس حالت میں ہیں تو کیوں نہ بصرہ کی نبض بھی ٹٹولتے اور یہاں بھی قابل لحاظ امر یہ ہے کہ وہ اپنے خط میں جو مخصوص بات تحریر فرماتے ہیں وہ یہی کہ "میں تمکو کتاب اللہ و سُنّت رسول اللہ کی دعوت" دیتا ہوں۔ یہ خط اہل بصرہ کو غالباً آخر ماہ ذیقعدہ میں ملا ہوگا۔ حسینؑ اپنے ان اطلاعوں میں یا اسکے بعد ایسے ہی استغاثوں سے اتمام حجت کر رہے تھے جسکی ایک غرض یہ تھی کہ لوگ اس سے ناواقف نہ رہیں کہ اسلام کی لگام کون سے ہاتھوں میں ہے اور ذوالقربیٰ اور اسلامی روح کے مقلدین کیساتھ کیا برتاو ہو رہا ہے۔ اور دوسری غرض یہ تھی کہ لوگ آیندہ کے ظاہر نتائج سے واقف ہو کر صورت معاملہ سے ناواقفیت کا عذر نہ کر سکیں اور انھیں قوت دارندامت اور جوش انابت پیدا ہو۔ اور تیسری کوشش جو حسینؑ نے کی وہ ابن عمر یا ابن عبّاس سے گفتگو کا یہ انداز تھا جس سے وہ لوگ یہ سمجھیں کہ حسینؑ ہمیں اپنی حالت سمجھا رہے ہیں جسکے معنی گویا مدد کا استغاثہ ہے۔

اس دور بینی اور دور اندیشی کے لحاظ سے جو حضرت خامسؑ آل عبا کے ہر انداز سے ظاہر تھی بجا وجود کسی ایسے خیال کی ناموجودگی کے کہ ہم کس حال میں ہیں اور صورت معاملہ کیا ہوسکتی ہے۔ حسینؑ کی ذات اقدس میں نواسہ رسولؐ اور فرزند علیؑ و فاطمہؑ کی خصوصیت کا ہونا و نیز معاویہ کے بعد یزید کا مسند نشین خلافت ہونا اس خیال کا محرک ہوسکتا تھا کہ دیکھیں اہل مکّہ اور اُنکے علاوہ اقصائے بلاد اسلامی کے وہ افراد جو مکّہ میں جمع ہوئے ہیں اُنپر ہماری ذات کا اثر اس پہلو کے متعلق کیسا ہے کہ خلافت اپنے پہلے مرکز پر چلی جائے۔ یا لوگ پہلے غیر طبیعی انتخاب کی روش پر اب بھی قائم ہیں۔ و نیز یہ کہ مکہ اسوقت دو قسم کے اثر سے متاثر تھا ایک اثر خارجی جو کوفہ کی انجمنوں کیطرف سے تھا اور دوسرا خود مکّہ کا داخلی اثر تھا جہاں یزید کا عامل لوگوں کو ابھرنے نہ دیتا تھا۔ حسینؑ نے ملاحظہ فرمایا کہ غالب قرینہ ہے کہ لوگ جو مصارف کثیر اور زحمتیں اُٹھا کر یہاں حج کرنے آئے ہیں اُسوقت ہمارے کسی خطبہ پر اپنی مشغولیت کیوجہ سے متوجہ نہ ہوں اسلئے حضرت نے ترک مکّہ کا ارادہ فرمایا اور کسی دوسری جگہ کا قصد کیا جہاں وہ محفوظ ہوں (اس پیراگراف میں زیادہ تر مولفؔ رسالے نجف اشرف کے

اخبار النجم کے فاضل اڈیٹر السید ہبۃ الدین الشہرستانی کا خیال اپنے الفاظ میں ضرب دیا ہے -
جسے موصوف نے مؤلف سے دوبدو گفتگو میں ظاہر کیا - مؤلف اُنکے الفاظ سے اسقدر موافق
ہے جو کچھ اس مضمون کے متعلق اُسکے سلسلۂ خیال سے ظاہر ہے)

تین راستے

اس آخری تنقیح کا لب لباب یہ ہے کہ حسینؑ نے بلحاظ اُس ذکاوت حس - روشن ضمیری پختگی
عقل اور صاف نتیجہ بینی کے جو انہیں فطرتاً - تعلیماً اور تجربتاً حاصل تھی تصفیہ کیا کہ میں کہیں ہوں
لیکن قتل سے بچ نہیں سکتا - حسینؑ کیلئے اب تین راہیں تھیں - یا وہ یزید کی بیعت کرتے - یا
محض قتل ہو جاتے - اور یا اسکی کوشش کرتے کہ ہم آیندہ کے صاف نتیجہ کو بدلدیں - نتیجہ سے
یہاں میری مراد قتل ہے - یہ آخری امر ممکن تھا اگر حضرت کو مدد مِلسکتی - لیکن جس تھوڑے وقت
میں حسینؑ حلقہ گیر ہوتے جاتے تھے اُسکے لحاظ سے و نیز اس لحاظ سے کہ لوگ ایک زمانہ سے

صاف نظری اور اسکی عظمت -

اہلبیت رسالت کے اثر سے دور ہوتے جاتے تھے اُتنے وقت میں جو حسینؑ کو مِلسکتا تھا
کسی کامیابی کا قرینہ نہ تھا - اب یہ امر بھی حسینؑ کی نگاہ میں یقینی تھا اور یہی یقین تھا جس سے
وہ حضرت کچھ بھی کوشش کیوں نہ فرماتے ہوں یہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ عنقریب میں شہید
ہونگا اور اگر شہید ہونیکو صاف لفظوں میں نہ بھی فرماتے تھے تو ایسے الفاظ استعمال فرماتے تھے
کہ عنقریب ایک وعدہ پورا ہونیوالا ہے یا مجھے کچھ حکم دیا گیا ہے جو ضرور ہوگا - اس وعدہ اور حکم کی اظہار

دو نتائج

میں حسینؑ کی عظمت کا احساس ہمارے اندازہ کے باہر ہے - تو اب حسینؑ اپنے آخرالذکر خیال میں
ایک دوسرے نتیجہ کو حتی الوسع تال رہے تھے اور انھیں اس دوسرے نتیجہ میں حد سے زیادہ کامیابی
ہوئی - اگرچہ پہلا نتیجہ اسباب کی کمی سے حاصل نہ ہوسکا ہو - یہ دوسرا نتیجہ یہ تھا کہ حسینؑ کی شہادت

عظیم الشان قربانی اس دوسرے نتیجہ کیلئے تھی

کے بعد چونکہ یزید اور اُسکے مددگار دنکو ظاہری فتح ہو چکی ہوتی اور حسینؑ کے چند ظاہری رفقا شہید
ہوچکتے اُسوقت صرف یہ ظاہر ہونیکا موقع ملتا کہ حسینؑ (معاذ اللہ) اپنی بغاوت میں ناکام رہے
بلکہ جو لوگ حسینؑ کیطرف دیکھتے ہوں کہ دیکھیں صورت معاملہ کیا ہوتی ہے وہ بھی شہادت کے بعد
کشتگان حسینؑ کو مقصود نفس اور مقصود سمجھکر یزید کی حقیقت اور اطاعت پر گر پڑتے اور اسطرح وہ آخری اُمید
اور جو اسلام مخلصانہ یا شیعانہ قیام جو اہلبیت اور اسلام کی محبت کے متعلق تھا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا
ہو جاتا اور یہ گویا اہلبیت کے علاوہ نظام کی فتح اور اہلبیت اور اسلام کے نظام روحانی کی شکست

ہوئی۔ لیکن حسینؑ نے اپنی تمام شکستوں کو اس شکست کے مقابلہ میں ہیچ سمجھا۔ سب کو بھول گئے اور اس آخری شکست کو فتح سے بدل دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حسینؑ نے عظیم الشان قربانیاں کیں کہ اس عظیم الشان وجہ کی قوت کو کمزور نہ ہونے دیں اور انھیں قربانیوں کی سادی، فطری عظمت نے ایک ایسا ہیجان اور تموج پیدا کیا جو لوگوں میں حسینؑ کی مدد نہ کرنے کی ندامت اور بنی امیہ سے نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہوا۔ جو کچھ یزید اپنی تمام فوج۔ خزانہ۔ اثر اور تدبر سے نہ کر سکا۔ اسے حسینؑ نے اپنی قربانی۔ سچائی۔ استقلال۔ ایک بڑی وجہ کی حیرت انگیز حمایت اور مظلومیت سے پورا کیا۔ ممکن ہے کہ حسینؑ نے جس نقطہ اقدام کا تصفیہ کیا اسے اور سیاسی دماغ بھی طے کر سکتے لیکن حسینؑ نے جو کچھ کیا اسکیلئے حسینؑ ہی چاہیئے تھے؟

مزید شرح کا التوا

اسوقت تک میں نے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شرح عمل کو زیادہ تر اس باب کے تنقیحات تک محدود رکھا اور کسی مزید نظر کو آخری باب تبصرہ تک ملتوی رکھتا ہوں لیکن چونکہ مورخین ی زیربحث سوالات کے ضمن میں آگے آنیوالے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت نے آئیندہ کچھ شرائط پیش کئے جس سے وہ محفوظ ہو جائیں اسیلئے میں اسے اسی سلسلہ میں قبول کر لیتا ہوں میرے بیئے اس مسئلہ پر غور کی ابتدا میرے عزیز اور مکرم دوست خواجہ غلام محمود صاحب اقبال بی آئے کے ان سوالات سے ہوئی کہ :-

بعض سوالات جو نہایت مفید ہیں

(۱) حضرت امام حسینؑ کو جسوقت حضرت مسلم کے شہادت کی خبر ملی تو کیوں نہ پلٹے اور کوفہ ہی کیوں روانہ ہوئے جہاں سے ایسی متوحش خبر ملی تھی؟

(۲) حر سے ملاقات ہونیکے بعد کیوں مراجعت کا قصد کیا جب کوفہ کا قصد کر چکے تھے؟

(۳) نویں تاریخ یا دسویں کو واپسی کی اجازت کیوں مانگی؟

کہاں پلٹتے

بیشک حضرت کو حضرت مسلم ابن عقیل کے شہادت کی خبر راہ میں ملی جسے حضرت نے صحیح باور فرمایا۔ لیکن "کیوں نہ پلٹے" کیلئے سوال کیا جا سکتا ہے کہ "کہاں پلٹتے"؟ اگر اس سے مراد مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ ہو تو اسکے حالات بیان کئے جا چکے کہ کسی شخص کیلئے جسکا موقع حضرت کا ایسا ہو تا اسکے لئے ناممکن تھا کہ وہ وہاں سے نکل سکتا اور نہ نکلتا۔ در انحالیکہ حضرت جسطرح بغیر اعلان اور جلد ان مقامات سے نکلے اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے مقامات سے نکلنے [illegible] اگر ذرا بھی بے احتیاطی

ہوتی تو گرفتاری یا قتل سے کوئی شے مانع نہ تھی۔ اب حضرت کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کہیں اور جاتے اسلئے کہ آگے کے مقامات پر فوجیں پڑی تھیں اور تمام ریگستانی مقامات کو بھی حصین ابن نمیر اور حر کے سواروں نے چھان ڈالا تھا۔ اور چھان رہے تھے۔ اور یہ حلقہ بڑھتا ہوا انکی طرف آرہا تھا۔ اور اگر یہ ممکن بھی ہوتا کہ حضرت اس لشکر سے بچا کر اپنے کو کہیں لے بھی جاتے تو ابن زیاد کا جاسوس، جو مکہ معظمہ میں تھا یا مکہ کے مقامی حکومت آگے کے عامل کو حسینؑ کے نقل و حرکت کی خبر دے رہی تھی اور چونکہ حضرت تنہا نہ تھے بلکہ سو سوا سو کے قریب عزیز ترین رفقا ہمراہ تھے اسلئے اتنے بڑے قافلہ کا مخفی رہنا بھی ایک منتشر جماعت سے ممکن نہ تھا۔ اب یہ سوال ہے کہ

کوفہ ہی جانیکی وجہ

وہ کوفہ ہی کیوں روانہ ہوئے؟ کوفہ ہی روانہ ہونیکی وجہ بجز اسکے کچھ نہ تھی کہ حضرت ایک غیر محفوظ مقام پر دوسرے غیر محفوظ مقام کو ترجیح دے رہے تھے اور حسینؑ کو اپنے موقع کے احساس کے لحاظ سے اپنے اس اختیار تمیزی کے صرف کا بہترین حق حاصل تھا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ کامل ابن اثیر کے موافق جب مسلم کے شہادت کی خبر ملی اور صلاح ہوئی کہ کہاں جائیں تو بعض اصحاب نے یہ بھی عرض کی کہ آپ مثل مسلم نہیں ہیں لوگ آپکی مدد کرینگے!! اس سے ظاہر ہے کہ اگرچہ حضرت کا موقع اب اُمید اور اُسکے یقین کا نہ تھا لیکن اسکے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہ تھا۔ نہ یہ ممکن تھا کہ حضرت درمیانی مقامات میں سکونت اختیار فرما سکتے۔ اسلئے کہ عرب کے جغرافی موقع

درمیانی مقامات کا جغرافی موقع

کے علاوہ جسمیں بے آبی کیوجہ سے ہر جگہ قیام ممکن نہیں ہے اور وہیں آبادیاں ہوتی ہیں جہاں کھانے پینے کی چیزیں دستیاب ہو سکتی ہیں فوجی حیثیت سے بھی حسینؑ کے تصفیہ سے دور ہوتا کہ وہ اپنے کو ایسے فوجی موقع میں رکھتے جسکے آگے اور پیچھے دشمنوں کی فوجیں یا فولادی حلقہ میں گھر جاتے اب میں خود سے۔ قطع نظر ان حالات کے۔ سوچتا ہوں کہ حضرت کا ابن عقیل کے ایسے فیصلہ پر کہ یا ہم باپ کا عوض لینگے یا شہید ہونگے۔ آگے بڑھنا آیا ایک وجدانی تصفیہ تھا یا انسانی شعور کے

وجدان یا شعور

پاس اسکے علاوہ پیش نظر مسئلہ کا کوئی دوسرا حل نہ تھا۔ میرا ذاتی تصفیہ یہ ہے کہ وجدان ہمیشہ اس خفت کا مستوجب نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ عقل سے دور سمجھا جائے بلکہ اسکے مدارج بھی انسانی تربیت پر موقوف ہیں۔ اور اکثر وجدانی حالت کا تصفیہ اسدرجہ مفید ہوتا ہے جتنا عقل سمجھا جائے۔ یہ ہمیشہ کا بلانہ یا غیر محتاجانہ پیش و پس نہ تھا جسنے دنیا میں بڑے بڑے کام کئے ہیں بلکہ یہ

ظاہری وجدانی حالت کے

وجدانی حالت بھی ہوئی - اب یہ کہ ایک حالت کو اُس کی ظاہری وجدانی حالت کے لحاظ سے حقیقۃً وجدانی حالت سمجھ لینا اور یہ طے کر لینا کہ اسے انسان کے صحیح روشن خیال اور صحیح ملکہ تصفیہ سے بحث نہ تھی جس سے کوئی ایسی حرکت وجدان صحیح سمجھی جائے ایک دوسری غلطی ہے - بہت ممکن ہے کہ ہم ایک وقت اپنی دور بینی سے ایک حالت کو طے کریں اور اپنے خیال یا تصفیہ کا نفاذ اور اظہار ضروری نہ سمجھیں لیکن اُسکے بعد ہی موقع کی ایک خاص کیفیت ہم میں ایک وجدانی اُمنگ پیدا کر دے جو تصفیہ کے لحاظ سے ویسا ہی ہو جو کچھ ہمنے ٹھنڈے غور میں طے کیا تھا لیکن اُسوقت ہم میں یہ کیفیت نہ پیدا ہوئی تھی جسے وجدانی حالت کہ سکیں اس حالت کے پیدا ہونے تک انتظار وہ بالارادہ ہو یا بے ارادہ حقیقۃً وجدان صحیح اور سلیم میں داخل ہے نہ کہ کوئی وارفتہ تصفیہ جسے شعور سے کوئی بحث نہ ہو - حالانکہ یہ کیفیت بعض حیثیتوں سے نہ صرف تسکین بلکہ اس سے بالاتر ذرائع سے بھی سمجھی جاسکتی ہے -

ایک فرض اور اُسکے حیثیات

ہم اس سے کافی بحث کر چکے کہ حضرت کیلئے کوئی چارہ ہی نہ تھا بجز اسکے کہ جب ایک مقام غیر محفوظ ہو جاتا تو اُسے آیندہ کسی مقام کے تجربہ میں آنے تک ترک کرتے اور علیٰ ہذا القیاس - ان حالت کے بین اور سب سے زیادہ واضح ہونے کے بعد بھی حضرت کو کوئی امر اس سے مانع نہ تھا کہ وہ اپنے دیگر فرائض کو اس سلسلہ حالات کی موجودگی کے لحاظ سے ملتوی کر دیتے - بلکہ ان حالتوں میں حضرت کا اپنے قبیلہ - ملک روایات اور خدمات کے لحاظ سے اور خود انتہائی لطافت کے لحاظ کی وجہ سے سب سے پہلے مسلمؑ کی خبر شہادت سنکر بنی عقیلؓ سے صلاح لینا اُنکے کمال ہوش - خلق - مروت اور ادای فرائض پر دلالت کرتا ہے - مجھے یقین ہے کہ اگر حضرت بنی عقیل سے پوچھے بغیر کوئی تصفیہ کرتے تو بنی عقیلؓ کو لحاظ اور ادب سے اختلاف کی کوئی جرأت نہ ہوتی - لیکن حسینؑ کی طبیعت شناسی کا یہ موقع کب پیدا ہوتا - اسکے علاوہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عقیل سے پوچھتے یا نہ پوچھتے لیکن بجز اُس تصفیہ کے جو کیا گیا اور کوئی تصفیہ ممکن نہ تھا - پھر بھی اگر بنی عقیل کا استمزاج نہ لیا جاتا تو اصول معاشرت کی یہ بہترین لطافت ظاہر نہ ہوتی -

حُر سے سوال مراجعت کے معنی -

بیشک حُر ابن یزید ریاحی سے اور حضرت سے باتیں ہوئیں جس میں حضرت کی ایک تجویز یہ تھی کہ بعض مورخین کے مواقف [illegible]

آپ یہیں وہاں سے چلے جائیں" لیکن حر اسے قبول نہ کر سکا اور طے یہ ہوا کہ "آپ ایسے راستے سے چلئے جو نہ حجاز کی طرف لیجاتا ہو اور نہ کوفہ کی طرف"۔ حضرت کے اس سوال کا موقع یہ تھا کہ پہلی بار آج دشمن کے کسی دستہ سے ملاقات ہوئی تھی اور حضرت اس سے یہ سوال کر کے اس امر کی تصدیق کیا چاہتے تھے کہ آیا حقیقۃً دشمن اسیر پر راضی ہیں یا نہیں کہ ہم انکی نگرانی اور تصفیہ سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن حر کے انداز اور جواب نے یہ طے کر دیا کہ حضرت مکہ یا کہیں نہیں جا سکتے یعنی حضرتؑ مکہ میں یا کہیں آزادی اور بیخوفی سے بسر نہیں کر سکتے۔ بلکہ حر کو ابن زیاد کا بجز اسکے کوئی دوسرا حکم نہ تھا کہ "حسینؑ کو نہ چھوڑنا یہانتک کہ میرے پاس لے آئے"۔ اب حضرت کیلئے پھر وہی سوال تھا کہ یا بیعت کرو۔ یا گرفتار رہو۔ یا جنگ کرو۔ حضرت یہ سوال پیش کر چکے کہ ہمیں کہیں جانے دو اور اس سے غیر نزاعی روش کا ثبوت دیا۔ لیکن جب دیکھا کہ دشمن اسیر آمادہ نہیں ہے اور اب ہم بیعت یا جنگ کی حالت میں ہیں تو حضرت جنگ کیلئے تیار ہوئے لیکن حر تیار نہ ہوا اور طے یہ ہوا کہ آپ ایسے راستہ سے چلیئے جو نہ موصل بہ حجاز ہو اور نہ بہ کوفہ۔ حضرت نے اسے منظور کر کے اسکا ثبوت دیا کہ ہم اسوقت تک جنگ کیلئے آمادہ نہیں ہیں جبتک مجبور نہ کیئے جائیں۔ اور ایسے گھر جائیں کہ نکل نہ سکیں۔ اور جب یہ سامنے تھا کہ ہم گھرتے جاتے ہیں تو حضرت پھر کوفہ ہی کی سامنے کیوں نہ گھرتے جہاں برائے نام ہی سہی لیکن امید تھی اور شہید ہونے کی صورت میں ابد الآباد تک کیلئے اہل کوفہ میں شرم اور غیرت پیدا کرتا تھا۔ انکی وعدہ خلافی اور اپنی صادق الوعدی کے علاوہ حمایتِ وجہ حق کا ثبوت دینا تھا۔

حرؑ کے عدم ارادۂ جنگ کو حضرتؑ منظور کرتے ہیں

ابن سعد سے گفتگو کی معنی

بیشک حضرت نے ابن سعد سے دوران گفتگو میں یہ شرط بھی پیش کی کہ وہ واپس جانے دیئے جائیں۔ مگر "واپسی کے سوال" کی نوعیت کے لحاظ سے حر اور ابن سعد دونوں سے گفتگو کا آنا ایک حیثیت کا تھا صرف درجہ کا فرق تھا۔ بلکہ موقع کا فرق بھی تھا۔ درجہ کا فرق اس مفہوم میں کہ حر ابن یزید ریاحی اگر تھا تو محض اپنے دستہ کا سپہ سالار تھا اور اگرچہ حر کا منصب اس لحاظ سے کہ اس سے بجدا راست ابن زیاد سے خط و کتابت تھی کسی کے ماتحت نہ تھا لیکن تاہم حر کا موقع عمر ابن سعد کا ایسا نہیں ہو سکتا تھا جو نہ صرف کربلا کی تمام موجود افواج کوفہ و شام کا سپہ سالار تھا بلکہ اسے یہ موقع بھی حاصل تھا کہ وہ سعد ابن ابی وقاص کا لڑکا تھا اور

خود ڈاکٹر احادیث کا راوی بھی کہا گیا ہے بلکہ اکثر نے تو اُسے مجتہدین میں شمار کیا ہے۔ موقع کا فرق یہ تھا کہ اگرچہ حضرت کے روک رکھنے اور گرفتار کر لانے کیلئے ابن زیاد نے حر کو حکم دیا تھا لیکن ابتک اُس نے عمر کو جنگ کا کوئی مخصوص حکم نہ دیا تھا اور حضرت کو ابتک عملاً یقین تھا کہ بجز جنگ اور کشت و خون کے ہمارے دشمن کسی اور امر پر راضی نہیں ہیں۔ لیکن کربلا میں اب یہ موقع نہ رہا تھا بلکہ متواتر فوجوں کی آمد اور ابن سعد کے نام ایسے ہی سخت احکام نے کوئی شبہ نہ رکھا تھا کہ دشمن حضرت سے کیا چاہتے ہیں۔ حر کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُسے یہ تک اجازت نہ تھی کہ حضرت کی اس تجویز کو ابن زیاد تک پہونچا سکتا برخلاف اسکے عمر ابن سعد اپنے موقع کو ایسا سمجھتا تھا کہ وہ اکثر امورات کے متعلق سلسلہ مراسلات جاری کر سکتا۔ نظر برایں اگر حر کے زمانہ ملاقات میں نبض شناسی کیلئے ایسا سوال تھا تو ایسے موقع پر جبکہ بظاہر بیعت یا جنگ کے علاوہ کوئی صورت نہ رہ گئی تھی اور اب حضرت کم سے کم اکیس ہزار اور بتیس ہزار دشمنوں کے سامنے تھے تو اس شرط پر حضرت کا واپس ہونا ایک عہد ہوتا جو حضرت ایک فریق اور یزید کے وکیل دوسرے فریق میں ہوتا یعنی اس عہد کے بعد از روئے عہد نامہ حضرت اپنے کو کہیں رہنے میں مختار سمجھتے اور حالت خوف جسمیں وہ حضرت مبتلا تھے برطرف ہو جاتی۔ اور اسکا لازمی نتیجہ یا اپنے محفوظ رہنے کے عوض میں حضرت گویا اپنی طرف سے یہ عہد کرتے کہ وہ حکومت یزید سے متعرض نہ ہونگے۔ متعرض ہونیکا خیال تو تنگ آمد بجنگ آمد سے پیدا ہوتا ہے جسمیں حضرت کے لیے بجز بیعت کے کوئی صورت نہ رکھی گئی تھی۔ اور جب بغیر بیعت کے جانے دیئے جاتے تو حضرت پھر اپنی اُسی نیوٹرل حالت پر عود کرتے جسمیں سوال بیعت سے قبل تھے اور یہ سنت تھی جسے حضرت کے برادر معظم اور پدر بزرگوار نے منظور کی تھی اور اُنکی معصر حکومتوں نے اس سے زیادہ ظاہری تشدد خلاف مصلحت سمجھا تھا۔ لیکن یزید اپنے پیشروؤں کی مصلحت سے آگے بڑھا تھا اور اسلئے حسینؑ کا موقعہ بھی اب وہ نہ تھا جو اُنکے برادر عالیمقدار اور پدر بزرگوار کا تھا۔ اور حسینؑ اپنے طرز عمل سے سمجھا رہے تھے کہ ہم خاموش رہینگے مثل اپنے بزرگوں کے اگر ہمارے ساتھ بھی وہی مصلحت برتی جائیگی جو برتی جا چکی ہے۔ یعنی جسطرح اُنہوں نے بیعت کر کے حکومت کے افعال کا اپنے کو پیرو اور ذمہ دار بننا قبول نہیں کیا اُسیطرح ہم یزید کی بیعت کر کے اُسکے افعال کا خلق اللہ کی نگاہ میں

واپسی کا سوال حضرت اور یزید میں ایک عہد ہوتا

مصلحت کی یکرنگی

اپنی بیعت سے مستند نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ اتنی آڑ کا رہنا بھی اگرچہ اسوقت روح اسلامی کے ترقی کا سبب نہیں ہو سکتا تھا لیکن تاہم لوگ انکے عدم بیعت یا علیحدگی کی واقفیت سے سوچ سکتے تھے کہ آخر کسی خاص روش میں اہلبیت رسولؐ کا کیا خیال ہے۔ اسلام کی حقیقی روح کی اسیقدر اسوقت بقا تھی لیکن حسینؑ کا بیعت کر لینا اُس روح کو فنا کر دینا تھا جسے علیؑ اور حسنؑ نے امتحان طلب وقتوں میں قائم رکھا تھا۔ فاطمہؑ نے حسینؑ کو اسلئے دودھ نہیں پلایا تھا کہ حسینؑ اسوقت روح اسلام کی شہرگ کاٹ دیتے۔ رسول اللہؐ نے اسلئے زبان نہیں چوسائی تھی کہ حسینؑ کے دہن اقدس سے یزید کی بیعت کا اقرار نکلتا۔ جب حکومت نے اپنی مصلحت میں اپنے کو اس حد پر دیکھا کہ وہ بیعت کا آخری "تشدد" کر سکے جو ابتک نہیں ہوا تھا تو اسلام نے اپنی قربانگاہ پر حسینؑ کو کمال خندہ پیشانی اور لاپروائی سے قربان ہونے کے لیے تیار پایا۔

باب نہم

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

(مکہ سے ہجرت)

عمر بن عبد الرحمن کی خیر خواہانہ نصیحت

اعثم کوفی کہتا ہے کہ "عمر بن عبد الرحمن بن حرث بن ہشام مخزومی نے حاضر ہو کر کہا ای فرزند رسولؐ میں آپکو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں اور محض آپ ہی کی فائدہ کیلئے ہے۔ تمام عمر میں ایک لحہ کیواسطے بھی آپ کی بھلائی کے خیال سے علیحدہ نہیں رہا ہوں نہ آپ سے کسی نصیحت کو چھپایا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ میری نصیحت سُن لیں اور بالکل خیر خواہی پر محمول کریں اگر آپ کی رائے میں بھی درست ہو تو اُسپر عمل فرمائیں۔ امیر المومنین حسینؑ نے کہا تو جس امر میں بہبودی اور بھلائی جانتا ہی بیان کر۔ عمر نے کہا۔ مینے سُنا ہے کہ آپ نے عراق تشریف لیجانیکا ارادہ کر لیا ہے۔ مجھے آپکے اس ارادہ اور سفر سے اندیشہ ہے کیونکہ جس شہر کا قصد ہے وہاں سب امیر اور بڑے مالدار ہیں۔ تمام آدمی

اہل کوفہ کی حالت

مال و زر کے دلدادہ ہو رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ عوام لوگ بھی روپیہ پیسہ کی تمنا میں امیروں کے شریک حال ہو جائیں اور آپکے مخالف بنجائیں آپ اپنی جان کا خیال فرمائیں۔ اس ہلاکت کے بھنور سے بچیں۔ اس عزت والی جگہ پر اطمینان اور فراغت سے قیام رکھیں"

حضرت امام علیہ السلام فرماتے ہیں

"امیر المومنین نے فرمایا نہایت ہی اچھی نصیحت ہے اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ محض از راہ خیر خواہی و شفقت دلی تو نے یہ بات کہی ہے۔ اور اپنی کوئی غرض شامل نہیں کی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک حکم لگا دیا ہے اور میرے واسطے جو مقرر کرنا تھا مقرر کر دیا ہے۔ میں تیری نصیحت مانوں یا نہ مانوں وہ حکم ٹل نہ سکے گا۔ موت ہر ایک برائی اور بھلائی کیساتھ خلقت کی باگ ڈور اسطرح کھینچ رہی ہے کہ اُسکے خلاف ہر ایک کوشش بیکار ہے۔ عمر سنکر چپ ہو رہا اور واپس چلا گیا" کامل ابن اثیر کے موافق فرمایا کہ "تو نے نصیحت پوری کی اور سچی بات کہی"

ابن زیاد زر پاشی سے اہل کوفہ کو ملاتا ہے

اسکے بعد ابن عباسؓ آئے اُنہوں نے اہل کوفہ کے گذشتہ حالات بیان کیئے۔ ابن زیاد کی موجودگی اور وہ تمام لوگوں کو زر و سیم دیکر اپنا طرفدار بنا لینے" کا تذکرہ کیا۔ اسکے جواب میں حضرت نے بعض کے موافق فرمایا کہ "میں غور کرونگا" یا خدا سے استخارہ کرونگا" اور بعض کے موافق قرآن کی فال دیکھی اور یہ آیت نظر پڑی کہ "کلّ نفسٍ ذائقۃ الموت و انّما توفون اجورکم یوم القیٰمۃ" اس آیت کے ملاحظہ کے بعد حسینؑ نے فرمایا "صدق اللہ و رسولہ" اور بعض کے موافق فرمایا کہ "مجھے عراق میں مارا جانا مکّہ میں قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے"

{ اعثم کوفی۔ روضۃ الصفا کامل ابن اثیر۔ روضۃ الشہداء }

ابن عباس کو جواب

ابن عبّاس کی دوبارہ نصیحت

اسکے بعد جو کچھ اور مورخین نے لکھا ہے اُسکے لیئے میں ابن خلدون کی عبارت درج کرتا ہوں کہ "دوسرے روز یا اگلے دن عبد اللہ بن عباس آئے۔ سمجھانے لگے۔ برادر من! مجھے بغیر نصیحت کیئے ہوئے صبر نہیں آتا۔ مجھکو خوف اسکا ہے کہ اسمیں تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تمہارا خاندان تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اہل عراق بڑی بیوفا۔ عہد شکن۔ مکّار ہیں۔ تم اُنکے قریب نہ جاؤ۔ اسی شہر میں قیام کرو۔ تم اُنکے سردار ہو اور اگر اہل عراق اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اُنکو لکھ بھیجو کہ تم اپنے گورنر کو نکال دو۔ بعد اسکے تم اُنکے شہر میں جاؤ اور اگر تمہارا جی مکّہ سے بغیر نکلے ہوئے نہیں مانتا ہے یمن کیطرف چلے جاؤ وہ بہت وسیع سرزمین ہے پہاڑی گھاٹیاں بکثرت ہیں۔ قدرتی محفوظ قلعہ ہیں وہاں سے تم اپنے دعاۃ کو اطراف و جوانب میں بھیجو اور لوگوں سے بیعت لو۔ آپ نے جواب دیا میں تو مصمم قصد کر چکا اب کسی طرح نہیں رُک سکتا۔ عبد اللہ بن عباس کے

بولے۔ خیر، اگر جاتے ہی ہو تو اپنے لڑکوں۔ عورتوں کو نہ لیجاؤ مجھے اندیشہ ہے کہ عثمان کیطرح تم شہید نہ کیئے جاؤ اور تمہارے لڑکے اور عورتیں دیکھتی رہیں۔ آپ نے اسکا کچھ جواب نہ دیا۔

دوبارہ حضرت کا جواب

بقول روضۃ الصفا فرمایا "میری رائے ہی کہ میرے اہل وعیال اس سفر میں میرے ساتھ رہیں" یا جیسا بقول روضۃ الشہدا فرمایا "ایشان را کجا بگذارم و کہ بسپارم اولیٰ آنکہ با من باشند" بقول کامل ابن اثیر اسکے بعد ابن زبیر آئے اور جو مخصوص گفتگو تھی وہ یہ تھی کہ آپ مکہ میں "اقامت کیجیئے اور یہیں اپنے امر کا والی کر دیجئے" اور حضرت نے کہا کہ "میں یہ بھی نہیں چاہتا" اسکے بعد کچھ "پوشیدہ" بات ہوئی۔ حضرت نے لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ ابن زبیر نے مجھے کیا کہا۔ اور جب لوگوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی تو فرمایا کہ ابن زبیر کہتا تھا کہ "آپ اسی مسجد میں اقامت کریں اور ہم لوگوں کو آپکے لیئے جمع کریں۔ بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں مکہ سے ایک بالشت باہر تو یہ مجھے اس سے بہتر ہے کہ میں مکہ میں قتل کیا جاؤں۔ اور اگر میں قتل ہوں دو بالشت باہر تو زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں ایک بالشت پر قتل کیا جاؤں۔ اگر میں سوراخ میں ہوں تو یہ لوگ مجھے نکال لینگے۔ اپنا مطلب پورا کرینگے اور مجھپر زیادتی کرینگے۔"

ابن زبیر اور حسینؑ

ابن زبیر وعدہ مدد کرتے ہیں

حضرت عبداللہ ابن جعفر کا خط۔

اعثم کوفی کے موافق جب حضرت کی روانگی عراق کی خبر حضرت عبداللہ ابن جعفر کو پہنچی تو انہوں نے حضرت امام حسینؑ کے نام خط لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ بسمت عراق تشریف لیجانا چاہتے ہیں اس ارادہ کا عمل میں لانا مناسب نہیں۔ میں آپکو قسم دلاتا ہوں کہ ہرگز آپ عراق نہ جائیں مکہ ہی میں قیام رکھیں کیونکہ آپکے اس ارادہ سے اندیشہ ہے کہ وہاں کے لوگ آپ کو شہید کریں اور سب دوست اور عزیز و متعلقین تباہ ہو جائیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کو شہید کر دیا تو نور اسلام گم ہو جائیگا مسلمانوں کے دل جو آپ سے وابستہ ہیں شکستہ ہو جائینگے۔ اپنی جان پر رحم کرو عراق کیطرف نہ جاؤ......"

نور اسلام

خط کا جواب

حضرت نے جواب لکھا "تمہارا خط آیا۔ میری نسبت جسقدر محبت و شفقت کا اظہار کیا گیا ہی مجھے سب معلوم ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنے نانا حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ سے سُن کہا ہے کہ میں جیونٹیوں کے بلوں میں بھی جا چھپونگا تب بھی یہ قوم مجھے نہ چھوڑیگی اور ڈھونڈھ نکالے اور قتل کرے گی۔ اور میری ہلاکت میں ایسی بے رحمی اختیار کریگی جیسی

عمر بن سعید کا خط

یہودیوں نے ہفتہ کے دن کی تھی،" اسکے بعد عمر بن سعید کا خط تھا جسے اُسنے اپنے بھائی یحییٰ
بن سعید کے ہاتھ بھیجا تھا کہ "آپ مدینہ چلے آئیں یہاں پر امن و امان سے رہیں۔ آپ کے
اہلبیت کیلئے بھی امان ہے۔ اسکے علاوہ احسان وصلہ اور اچھا ہمسایہ بھی ہوگا میں اس امر پر
خدا کو گواہ کرتا ہوں اور وہی وکیل و کفیل ہے والسلام"

حضرت نے جواب دیا

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اور محمد مصطفٰی کی سنت کی ترغیب دلاتا ہو ہرگز اُسکی مخالفت
نہیں کرتے۔ اور تو نے بھی کچھ کمی نہیں کی کہ مجھے احسان وصلہ اور امان کیطرف بلایا مگر سب سے
اچھی خدا کی پناہ ہے۔ اور جو شخص دُنیا میں خدا سے نہ ڈرے گا وہ قیامت کے دن پناہ نہ پائیگا۔
میں اپنے اور تیرے واسطے خدا سے نیک عمل کا خواستگار ہوں جس سے خدا راضی و رضامند ہو۔ اللہ
تجھے دُنیا و آخرت دونوں جہانوں میں جزائے خیر عطا کرے والسلام"

کامل ابن اثیر میں اسقدر زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر نے یہ خط عون و محمد کے ہاتھ بھیجا
اور لکھا کہ میں بھی خط کے ساتھ آتا ہوں۔ اسکے بعد خود عمر بن سعید کے پاس جا کر امان دینے
اور نیکی و صلہ رحم سے پلٹ آنیکے لئے لکھنے کی خواہش کی اور حضرت نے اسکے جواب میں لکھا
کہ "میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور مجھے ایسا حکم دیا گیا ہے جو میں بجالانے والا ہوں۔ میں نے وہ خواب
کسی سے نہیں کہا اور نہ کہونگا جبتک اپنے خدا سے ملاقات نہ کروں" بقول ابن خلدون حضرت
نے "عون و محمد کو بھی ہمراہ لے لیا اور آگے بڑھے" اسکے بعد بقول اعثم کوفی "اس اثنا میں ایک

یزید کے اشعار

منظوم تحریر مدینہ میں آئی۔ نہایت ہی عمدہ اشعار تھے اور ہر قسم کی باتیں مذکور تھیں حسین بن علی کو
تعظیم و تعریف سے یاد کیا تھا۔ اپنا عزیز و رشتہ دار بیان کر کے کچھ فضائل مناقب خاندانی فضیلت
اور اخلاق حسنہ کا ذکر بھی کیا تھا۔ اسکے بعد یہ التجا تھی کہ حسین مجھ سے موافقت کر کے آتش جنگ و
جدل کو سرد کر دے۔ دوستی و رضامندی سے پیش آئے۔ مدینہ والوں نے یہ اشعار پڑھکر ایک
معتمد شخص کے ہاتھ امیر المومنین حسین کی خدمت میں بھیج دیے۔ امام حسین سمجھ گئے کہ یہ اشعار یزید نے
لکھے ہیں اُنکے جواب میں کلام الٰہی کی یہ آیت تحریر فرما دی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فان کذبوک
فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون" اسکے بعد بقول
نور العین ترجمہ خصائص الحسینیہ اور لہوف جس میں آخر الذکر سے نقل کرتا ہوں کہ حضرت

روانگی کیوقت حضرت کا خطبہ

امام حسینؑ نے جب ارادہ سفر کیا تو آپ کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔
الحمد للہ و ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ و صلی اللہ علی رسولہ۔ آگاہ ہو کہ جسطرح گلوبند ہر وقت جوان عورت کے گلے میں رہتا ہے اسیطرح موت انسان کیساتھ ہر وقت ہے۔ مجھے کسقدر مفتون و مشتاق کر دیا ہے میرے اسلاف کیطرف اس اشتیاق نے جو مثل اسکے ہے جو یعقوبؑ کو یوسفؑ کیطرف تھا اور میرا جو مقتل مقرر ہوا ہے اسکی طرف میں جاتا ہوں۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس جنگل کے بھیڑیے میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں جو درمیان نوادیس و کربلا کے ہے۔ وہ مجھے اپنی خالی معدوں کو بھر رہے ہیں اور اس دن سے گریز نہیں ہے جو لکھا گیا ہے۔ رضائے خدا ہم اہلبیت کی رضا ہے۔ ہم اسکی بلاؤں پر صبر کرتے ہیں جسکا وہ پورا پورا اجر دیگا۔ صابروں کا اجر دے گا۔ رسولخدا کے گوشت کا ٹکڑا انسے جدا نہ ہو گا۔ وہ سب کا سب حظیرہ قدس میں جمع ہو گا۔ اسکی وجہ سے چشم رسولخدا روشن ہو گی اور اسکے سبب سے اللہ اپنے وعدہ کو پورا کریگا۔ جو ہمارے لئے جان نثاری کرنا چاہے اور لقائے خدا کا یقین رکھتا ہو وہ ہمارے ساتھ چلے خدا نے چاہا تو میں صبح کوچ کرونگا!!

اسی زمانہ کے متعلق صاحب خصائص الحسینیہ کہتے ہیں کہ عرض کی عبد اللہ بن عمر نے کہ یا ابن رسول اللہ کھول دیجئے اس موضع مطہر کو جس مقام پر رسولخدا بوسہ دیتے تھے۔ پس سینہ مبارک کو کھول دیا اور عبد اللہ ابن عمر نے بوسہ دیا اس مقام مطہر کا اور رونے لگا اور رخصت کیا!!

ابن عمر بوسہ گاہ رسولؐ کو بوسہ دیتے ہیں

روانگی عراق اور انتظام

اب بقول اعثم کوفی وہ امیر المومنین حسینؑ نے عراق کا قصد کیا جس شخص کو ہمراہ لینا تھا۔ دس دس دینار سرخ اور ایک ایک اونٹ دیکر کعبہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا پھر اہلبیت کیلئے کجاوے درست کیے۔ ترویہ کے وقت ۹ ذی الحجہ کو منگل کے دن مکہ سے نکلے۔ عزیز۔ رشتہ دار۔ دوست اور ملازم سب ملکر بیاسی آدمی ہمراہ تھے۔ بقول تاریخ خمیس حضرت کے ساتھ اہلبیت یا غیر اہلبیت ملکر ستر سوار تھے۔

بیاسی آدمی یا ستر سوار

بقول روضۃ الشہداء امیر المومنین حسینؑ نے اپنے اعزا و اقربا اور ہوا داروں کو جمع کیا۔ بچوں اور عورتوں کیلئے محملیں مرتب کیں اور اتفاق سے اسی دن جس روز مسلم ابن عقیل شہید ہوئے تھے مکہ سے باہر نکلے!!

بقول ابن خلدون یزید کیطرف سے حجاز کا گورنر عمرو بن سعید بن العاص تھا اسکے آدمیوں نے

مکہ کا گورنر روانگی سے روکتا ہے

حسین بن علیؑ اور انکے ہمراہیوں کو روانگی کو فتنہ سے روکا۔ بحث و تکرار ہوئی۔ آپس میں خفیف سی مارپیٹ بھی ہوگئی لیکن آپ اور آپکے ہمراہی مڑ ہٹ گئے۔ بقول روضتہ الصفا عمر بن سعید کے سرہنگ کے روکنے سے جب صورت معاملہ اسکے قریب پہنچی کہ لڑائی ہوجائے اور یہ حال ابن سعید کو معلوم ہوا تو اسنے اپنے سرہنگ کو واپس بلا لیا۔

سرہنگ بلا لیا گیا

صاحب خصائص الحسینؑ اور لہوف کے نوٹ میں ہے کہ صبح صبح کو حضرت نے کوچ کیا اسکے قبل شام کو حضرت محمد حنفیہ نے سمجھایا تھا اور حضرت نے غور کا وعدہ فرمایا تھا۔ اور جب "صبح کو حضرت نے کوچ کیا۔ یہ خبر محمد حنفیہ کو پہنچی وہ فوراً آئے اور اس ناقہ کی مہار پکڑ لی جسپر امام حسینؑ سوار تھے اور کہا اے بھائی آپنے میرے کہنے پر غور نہ کیا۔ حضرت نے فرمایا مینے خوب غور کر لیا۔ تب انھوں نے کہا کہ آپکے جلدی کوچ کرنیکا کیا سبب ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے جانیکے بعد رسولخدا خواب میں میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اے حسینؑ کوچ کرو کیونکہ خدا نے چاہا ہے کہ تمہیں مقتول دیکھے۔ تب ابن حنفیہ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر پوچھا کہ آپ اہلبیت کو کیوں ساتھ لیئے جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھسے جناب رسولخدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ نے چاہا ہے کہ انکو مقید دیکھے۔"

کوچ کا وقت اور حضرت محمد حنفیہ

اب مین اپنی تاریخ میں ایسی جگہ پہونچا ہوں جسکے سلسلہ مقامات کے متعلق کچھ نہیں کہ سکتا۔ ایک مورخ کسی مقام کا نام پہلے لیتا ہے دوسرا اُسکے خلاف اُسے آخر میں ذکر کرتا ہے۔ میں انکی جغرافی مقامات کی صحت کی ذمہ داری کر سکتا ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں موجودہ نقشے سے یہ بھی تصفیہ نہیں کر سکتا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے مدینہ ہو کر کوفہ تشریف لیگئے یا مکہ سے سیدھے کوفہ تشریف لیگئے۔ مثلاً ابو اسحق اسفرائنی کہتے ہیں کہ حضرت کو ابن زیاد کا قاصد قریب مدینہ ملا۔ اور دیگر مورخین بجز منزلوں کا نام لینے کے اسکو یہ تک نہیں بتلاتے کہ حقیقۃً وہ ہیں کہاں۔ حاجی اور زائرین سے بھی اسکا پتہ نہیں چل سکا اسلیئے کہ وہ لوگ زیادہ تر جہاز کی راہ سے جاتے ہیں۔ اتفاق سے مجھے السید ہبۃ الدین الشہرستانی صاحب مجلۃ العلم فی النجف بالعراق سے گفتگو کا موقع ملا اور مینے اپنے اس تفتیش کے موقع کو ضایع نہیں کیا۔ انسے مجھے اسقدر معلوم ہو سکا کہ حضرت مکہ سے نجد تک غیر معروف راہ سے گئے اور اسکے بعد معروف راستے سے کوفہ پہنچے۔

جغرافی دشواری

نقشے جو ولایتی کارخانوں کے میرے سامنے ہیں اُنسے بھی کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ اسلئے کہ کسی منزل کا نام اُن میں نہیں پایا جاتا جس سے میں سمت روانگی دریافت کرسکتا۔ غالبًا میری بعد کا مورخ ایسا خوش نصیب ہوگا جسے عرب حجاز اور عراق کے نقشے اور گزیٹیر مل سکیں۔ بہرحال میں مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض تواریخ سے سلسلہ منازل کو لکھدوں جس حیثیت سے وہ پائے جاتے ہیں :۔

مقامات

کامل ابن اثیر	ابن خلدون	اعثم کوفی	روضۃ الشہداء	بحار	روضۃ الصفا
تنعیم	تنعیم	عراق کا دیہات	صفاح	ذات عراق	ذات عراق
صفاح	صفاح	خزیمیہ	بطن رمہ	ثعلبیہ	صفاح
حاجز	حاجز	ثعلبیہ	ذات عراق	حاجز	بطن رمہ
گاودن	ثعلبیہ	سقوق	زرود	تالاب	زرو
ثعلبیہ	بطن عقبہ	قصر بنی مقاتل	سقوق	خزیمیہ	زبالہ
زبالہ	شراف	عذیب الہجانات	ذربا	زرود	قصر بنی مقاتل
بطن عقبہ	ذوخشم		قصر بنی مقاتل	ثعلبیہ	عقیق
ذوخشم	عذیب		ثعلبیہ	زبالہ	سما
عذیب الہجانات	قصر بنی مقاتل		قطقطانیہ	منزل رہاد	کربلا
قصر بنی مقاتل	نینوائے		کربلا	ذوخشم	
				عذیب الہجانات	
				قصر بنی مقاتل	
				نینوائے	

بائیس منزلیں

ان نمونوں سے حسب ذیل بائیس نام نکلتے ہیں اور چونکہ ذالحجہ سے دوسری محرم تک بائیس منزلیں ہونی چاہئیں :۔ ذات عراق۔ تنعیم۔ صفاح۔ حاجز۔ گاودن۔ تالاب۔ خزیمیہ۔ بطن الرمہ۔ زرود۔

ثعلبیہ۔ ذبالہ۔ منزل ایاد۔ سقوق۔ بطن عقبہ۔ شراف۔ ذوحسم۔ عذیب الہجانات۔ قصربنی مقاتل عقیق۔ قطقطانیہ۔ نینوا۔ کربلا (مولف سلسلہ مقامات کا ذمہ دار نہیں ہے)

خیمے برپا کرنیکے وقت ایک مرتبہ سب کو دیکھتے تھے

صاحب نور العین ترجمہ خصائص الحسین لکھتے ہیں کہ ورود کربلا کے قبل تک اور حسب خیموں کو نصب کرتے تھے تمام اولاد و برادران و اہلبیت کو جمع فرماتے تھے اور ایک نظر سب کو ملاحظہ فرماتے تھے"

یمن کا ایک قافلہ

اسکے بعد بقول ابن خلدون دو رفتہ رفتہ منزل تنعیم میں پہنچے۔ یہاں پر ایک قافلہ سے ملاقات ہوئی یمن سے آرہا تھا جسکو بحیر بن الیسان والی یمن نے یزید کیطرف اسباب قیمتی قیمتی پارچہ جات و زیورات لیکر روانہ کیا تھا۔ آپ نے اسکو گرفتار کرکے اہل قافلہ سے ارشاد کیا کہ جو شخص ہماری ساتھ عراق چلا چاہتا ہو ہم اسکو بکمال خوشی اپنے ساتھ رکھینگے اور اسمیں سے اسکو حصہ دینگے اور جو شخص ہم سے علٰحدہ ہونا پسند کرتا ہو وہ اپنا اسمیں سے حصہ لیکر علیحدہ ہوجائے چنانچہ جنلوگوں نے علٰحدگی پسند کی انکو علی قدر مراتب حصہ دیکر رخصت کر دیا اور جنھوں نے ہمراہی منظور کی انکو بھی حصہ دیکر ہمراہ لیکر آگے بڑھے"

صاحب لہوف فرماتے ہیں: "وہ منزل تنعیم میں پہونچے۔ حضرت نے دیکھا کہ ایک قافلہ بحیر ابن ریان حمیری عامل یمن کیطرف سے کچھ چیزیں یزید کیلئے ہدیہ لئے جاتا ہے۔ حضرت نے وہ ہدیہ خود لے لیا کہ امور مسلمین کے آپ حاکم تھے۔ آپ نے ساربانوں سے فرمایا کہ جو کوئی ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے ہم اسکو پورا کرایہ دینگے اور اس سے اچھا برتاؤ کرینگے اور جو نہ جانا چاہے اسکو ہم یہانتک کا کرایہ دیدیں"

حصین بن نمیر کا لشکر

ابن خلدون عبد اللہ ابن جعفر کے خط کے تذکرے کے بعد لکھتا ہے: "ابن زیاد کو آپکی روانگی کا حال معلوم ہوا تو اس نے جلوگیری کے خیال سے حصین ابن نمیر تمیمی افسر اعلیٰ پولیس کو روانہ کیا اس نے مقام قادسیہ میں پہنچکر ڈیرے ڈالدیئے اور سواروں کو قادسیہ سے خفان تک ایک جانب اور دوسرے جانب قادسیہ سے قطقطانہ وکوہ لعلع تک پھیلا دیا"

مکہ میں ابن زیاد کا جاسوس

صاحب روضۃ الشہدا کہتا ہے کہ "ابن زیاد جاسوسے بمکہ فرستادہ بود کہ چوں امام حسین بیرون آید و متوجہ کوفہ شود مرا خبر کن ودریں وقت کہ جاسوسے در رسیدہ خبر رسانید کہ

شانزدہ روز است کہ امام حسینؑ از مکہ بیرون آمدہ و امروز در قبیلہ بنی سکون ست"

بشیر ابن غالب کا فقرہ

حضرت ذات عراق میں پہنچے تھے کہ "بشیر ابن غالب سے ملاقات ہوئی جو عراق سے آرہا تھا۔ آپنے اُس سے عراق والوں کا حال پوچھا اُسنے کہا کہ اُنکے دل آپکے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بنی اسد کا بھائی سچ کہتا ہے۔ (لہوف) غالباً اعثم کوفی

حضرت شرح فرماتے ہیں

اسی شخص سے سوال کرتا ہے کہ "اے فرزند رسولؐ اس آیت کے کیا معنی ہیں یوم ندعوا کل اناس بامامھم - آپنے فرمایا امام دو ہیں - ایک سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے دوسرا گمراہی کیطرف لیجاتا ہے - اور جو گروہ اُسکی (گمراہی کے امام) پیروی کرتا ہے وہ دوزخی ہے"

فرزدق شاعر

"صفاح تک پہونچے ہونگے کہ فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ آپنے اُس سے دریافت کیا تمہارے پیچھے (یعنی کوفہ والے) جو لوگ ہیں اُنکا کیا حال ہے۔ عرض کیا واللہ آپنے واقفکار ہی شخص سے استفسار فرمایا ہے - اچھا میں عرض کرتا ہوں سُنئے' لوگوں کے قلوب آپکے ساتھ ہیں اور اُن کی تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ قضا آسمان سے اُترتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آپنے فرمایا تو سچ کہتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کل اُمور کا مالک ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے - اگر حکم الٰہی ہماری مرضی کے موافق صادر ہوا تو ہم اُسکی نعمتوں کا شکریہ ادا کرینگے حالانکہ وہ ادائے شکر سے مستغنی ہے اور اگر قضائے خداوندی خلاف توقع نازل ہوئی تو ہم صبر کرینگے"

کامل ابن اثیر کے موافق فرمایا "اگر قضائے الٰہی ہمارے موافق ہوئی تو ہم شکر کرینگے اور اگر ہماری اُمید میں حائل ہوئی تو اُسکے لیئے کوئی خرابی نہیں ہے جسکی نیت حق اور تقویٰ اُسکا شعار ہو"

فرزدق کے قول کی شرح

صاحب روضۃ الشہدا نے فرزدق کا قول معہ شرح کے لکھا ہے کہ "اہل کوفہ کا دل آپ کے ساتھ ہے اسلیئے کہ آپ راہ حق پر ہیں اور تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ ہیں اسلیئے کہ مال دنیا اُنکی پاس ہے"

حضرت کے اشعار

صاحب لہوف اور خصائص الحسینؑ کے موافق حضرت نے اُسوقت یہ اشعار انشا فرمائے:-

فان تکن الدنیا تعد نفیسۃ	فان ثواب اللہ اعلیٰ و انبل
وان کانت الارزاق قسما مقدرا	فقلۃ حرص المرء فی السعی اجمل
وان تکن الاموال للترک جمعھا	فما بال متروک بہ المرء یبخل
وان تکن الابدان للموت انشأت	فقتل بالسیف فی اللہ افضل

(اگر دنیا اچھی سمجھی جائے تو حقیقت میں ثواب اللہ کا اعلیٰ اور اشرف ہے۔ اور اگر روزی انسان کی تقدیر کے موافق ہے تو رزق کی سعی میں کم حرص کرنا بہتر ہے۔ اور اگر مال دنیا سب کا سب چھوڑ جانے کے لئے ہے تو کیا حال ہوگا اُس متروکہ کا جسکے ساتھ ایسا بخل ہوتا ہے۔ اور اگر جسم موت کیلئے بنائے گئے ہیں تو تلوار سے راہ خدا میں مارا جانا افضل ہے)

مسلم کی خبر سنکر حضرت کا ارشاد

انہیں مورخین کے موافق حضرت نے مسلم ابن عقیل کی خبر سنکر فرمایا فمن قضی نحبہ ومنھم من ینتظر۔ جو اُن پر ہونیوالا تھا وہ گذر چکا اور اب ہمپر جو باقی ہے وہ بھی ضرور ہوگا۔ اعثم کوفی کے موافق مسلم کو دعائیں دینے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ وہ اُسکا جو فرض تھا اُسنے پورا کردیا ذرا کمی نہیں کی ‘‘صاحب لہوف کے موافق منزل زبالہ میں حضرت مسلم کی خبر شہادت حضرت کو معلوم ہوئی اور جب اپنے اصحاب کو مطلع کیا تو وہ لالچ اور طمع والے چلدیئے صرف اچھے اور چھٹے ہوئے اصحاب اور اہلبیت آپ کے ساتھ رہ گئے‘‘ صاحب روضۃ الصفا کے موافق یہ خبر حضرت کو منزل زرود سے روانگی کے بعد ملی اور خبر دہندہ نے کہا کہ ’’ہم جسوقت کوفہ میں تھے کہ مسلم اور ہانی قتل کئے گئے اور ہمنے دیکھا کہ لڑکے انکے پاؤں پکڑکے کھینچتے پھرتے ہیں‘‘ کامل اور ابن خلدون کے موافق یہ خبر منزل ثعلبیہ میں ملی۔ آخر الذکر مورخ کہتا ہے ’’بعضوں کی رائے ہوئی کہ آپ یہیں سے واپس چلے کوفہ میں آپکا کوئی یار و یاور نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ بجائے آپ کی نصرت کرنیکے آپ کے مخالف نہ بنجائیں۔ بنو عقیلؓ بولے واللہ ہم سرزمین کوفہ کو اُسوقت تک نہ چھوڑینگے جبتک مسلم کے خون کا بدلہ نہ لے لینگے یا جیسا کہ مسلم نے ذائقہ موت چکھا ہے ہم بھی نہ چکھ لینگے۔ حسینؑ بن علیؑ نے ارشاد کیا تملوگوں کے بعد پھر زندگی کا کیا لطف ہوگا۔ ہمراہیوں میں سے چند لوگ کہنے لگے واللہ آپ مسلم بن عقیل جیسے نہیں ہیں جو نہی آپ کوفہ میں پہونچینگے سب لوگ آپکے مطیع ہو جائینگے‘‘ تاریخ کامل ابن اثیر کے موافق ’’واپسی کی صلاح اور باپ کی خبر شہادت سنکر بنو عقیل رو اُچھل پڑے‘‘

خبر شہادت اور صلاحیں

حضرت مسلم کی خبر سنکر اکثر ہمراہی چلے گئے

بنو عقیل کی حالت

صاحب روضۃ الشہدا کے موافق منزل شقوق میں حضرت تنہا ایک جگہ تشریف فرماتھے کہ کوفہ سے ایک شخص آتا ہوا دکھائی دیا اور اُس سے مسلم کی خبر معلوم ہوئی۔ ابھی تک کوئی مطلع نہیں ہوا تھا کہ حضرت مسلم کی ایک لڑکی جو حضرت کے ہمراہ تھی اور جو ہر منزل میں حضرت پاس حاضر

یتیمہ مسلم اور حسینؑ

ہوا کرتی تھی حسب معمول قریب آئی۔ حضرت نے آج معمول سے زیادہ نوازش فرمائی۔ غور سے اُسے دیکھتے تھے اور سر پہ ہاتھ پھیرتے تھے۔ لڑکی کی فراست نے آج کی غیر معمولی عنایت سے تاڑ لیا اور پوچھا کہ آج آپ مجھ پر ایسی عنایت کر رہے ہیں جو یتیموں پر ہوا کی ہے۔ اب حسینؑ بھی ضبط نہ کر سکے اور فرمایا بیٹی تم رنج نہ کرو میں تمہارا باپ ہوں۔ میری بہن زینبؑ تمہاری ماں ہیں میری لڑکیاں تمہاری بہنیں ہیں اور میرے لڑکے تمہارے بھائی ہیں۔ لڑکی کے رونے سے پسران مسلمؑ کو خبر ہوئی اور عام گریہ و زاری نے سب کو مطلع کر دیا۔

روضۃ الشہدا اور روضۃ الصفا کے موافق حضرت نے بطن الرمہ سے اور لہوف و ابن خلدون کے موافق حاجز سے ایک خط اہل کوفہ کو لکھ جس میں اپنی تشریف آوری کا حال لکھا تھا اور ان لوگوں کو مستعد و تیار کیا تھا) قیس ابن مصہر صیداوی کے معرفت روانہ کیا۔ قیس جوں ہی قادسیہ پہونچے حصین بن نمیر نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوایا۔ ابن زیاد نے قیس سے کہا کہ تم قصر امارت پر چڑھ کر ... حسینؑ بن علیؑ کو گالیاں دو تمہاری جان بخشی کیجائیگی پس قیس قصر پر گئے حمد و ثنا کے بعد کہا۔ اے لوگو! حسینؑ بہترین خلائق۔ فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم کے لڑکے ہیں اور میں اُنکا قاصد ہوں وہ اب حاجز سے شاید آگے بڑھ آئے ہونگے تم اُن کی اطاعت کرو۔ یہ کہکر ابن زیاد پر لعن کیا اور زیاد کو سخت و سُست کہکر علیؑ ابن ابیطالبؑ کیلئے دعائے مغفرت کی۔ ابن زیاد نے جھلا کر حکم دیدیا کہ اسکو قصر سے نیچے گرا دو۔ گرتے ہی قیسؒ کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔ دماغ پھٹ گیا۔ انتقال کر گئے"

صاحب لہوف کے موافق قیس جب قادسیہ پہونچے اور شہر میں داخل ہونا چاہا تو حصین ابن نمیر رفیق ابن زیاد نے انکو راستہ ہی میں روک لیا اور تلاشی لینی چاہی تب قیس نے خط نکالکر پھاڑ ڈالا حصین انکو ابن زیاد پاس لیگیا جب وہ اُسکے پاس کھڑے کیے گئے تو اُس نے قیسؒ سے پوچھا تو کون ہے انہوں نے کہا میں علیؑ ابن ابیطالبؑ اور اُنکے فرزند کا دوست اور شیعہ ہوں اُسنے پوچھا تمنے خط کیوں پھاڑا۔ انہوں نے جواب دیا تاکہ اسکا مضمون ظاہر نہ ہوئے۔ اُسنے پوچھا کہ خط کسکا اور کسکے نام تھا انہوں نے جواب دیا کہ امام حسینؑ کا تھا اور سرداران کوفہ کے نام تھا جنکے نام مجھے معلوم نہیں ہیں۔ اسپر ابن زیاد آگ ہو گیا اور قسم کھا کر

حضرت کے قاصد کی گرفتاری اور شہادت

کھا کر کہا کہ جبتک تیرے اہل کوفہ کے نام نہ بتائیگا تجھکو ہرگز نہ چھوڑونگا جبتک منبر پر جاکر حسین ابن علیؑ اور اُنکے باپ بھائی پر تبرا نہ کریگا۔۔۔۔۔!!

اعثم کوفی کے موافق جس وقت قیس کی خبر سنکر حضرت متاسف تھے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن فرمارہے تھے" آپکے اصحاب میں سے ایک شخص ہلال بن نافع نے عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ تمہارے نانا محمد مصطفےٰ تمام لوگونکو اپنا دوست نہ بنا سکے بعض آدمی ہمیشہ آپکے دوست تھے اور کچھ منافق تھے۔ ظاہر میں زبانوں سے دوستی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور کچھ لوگ اپنے دلوں میں عداوت کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ یہی آپکے والد علی مرتضیٰ کی کیفیت تھی کچھ آدمی آپکے ہوا خواہ اور دوست تھے فرمانبرداری اور امانت سے پیش آتے تھے اور بعض ہی زبانی دعویٰ کیا کرتے تھے۔ اب جو شخص اپنے عہد کو توڑ لے اور آپکے خلاف ہو جاوے وہ اُسکا بدلہ دیکھ ہی لیگا۔ اللہ تعالیٰ انکو اُنسے بے پرواہ کر دیگا۔ آپ مشرق و مغرب جس طرف جانا چاہینگے ہم خدمتگذاری کیلئے موجود ہیں ہرگز آپ سے جدا نہ ہونگے اور حکم الٰہی پر راضی رہینگے۔ ہمارا دوست وہی شخص ہوگا جو آپکو عزیز سمجھے گا اور جو شخص آپکو دشمن جانیگا وہ ہمارا بھی دشمن ہوگا" حضرت نے اُسے دعائے خیر دی!!

تاسخ کامل کے موافق ایسی ہی صورت عبد اللہ بن یقطر کیلئے ہوئی۔ قصر سے گرنیکے بعد اِنمیں کچھ جان باقی تہی کہ کسی دوسرے شخص نے ذبح کر ڈالا اور لوگوں نے یہ سمجھکر پسند کیا کہ مجھے راحت دیدی!!

خصائص الحسینؑ کے موافق عبد الملک ابن عمر نے ذبح کیا۔ لوگوں نے ملامت کی تو اُس نے جواب دیا کہ میں نے چاہا کہ راحت دیدوں۔ اسی مورخ کے موافق حضرت نے لوگوں کو اس خبر سے مطلع کر دیا اور جسقدر اعراب تھے وہ چلے گئے صرف وہ لوگ ہمراہ رہگئے جو مکہ سے ہمراہ ہوئے تھے۔ یہ خبر ذبالہ میں ملی تہی۔

کوفہ کا خط جو قیس بن مسہر کی معرفت روانہ کیا گیا تہا وہ سلیمان ابن صرد۔ مسیب ابن نجبہ اور عبد اللہ ابن وال اور رفاعہ بن شداد اور جماعت مومنین کے نام تہا۔ مضمون خط میں نور العین ترجمہ خصائص الحسین سے نقل کرتا ہوں۔

اہل کوفہ کے نام خط کا مضمون

معلوم ہے تمکو کہ جناب رسولخدا نے فرمایا ہے کہ جو شخص دیکھے بادشاہ جور کو کہ حلال خدا کو حرام

اور حرام کو حلال کرتا ہو اور عہد خدا کو شکستہ کرتا ہو اور مخالفت کرتا ہو سنت کی اور بندگان الٰہی سے بظلم و عدوان پیش آتا ہو پس جو لوگ ایسے ظالم بادشاہ ہوتے سے راضی ہیں اور اُنکے افعال و اقوال میں انکار نہ کریں تو حق تعالےٰ اُنکو اُسکے شریک کریگا اب اُسکے افعال میں اور تم لوگ خوب جانتے ہو کہ اس جماعت یعنی بنی اُمیہ نے روگردانی کی اطاعت خدا سے اور عبادت شیطان اختیار کی ہے اور بالاعلان فساد کیا ملک خدا میں اور بیکار کردیا حدود خدا کو اور مسلمین کا مال اپنے واسطے مخصوص کیا اور احکام الٰہی کو حلال و حرام سے متغیر کردیا بتحقیق کہ میں زیادہ سزاوار خلافت ہوں تمام خلق سے بہ سبب اُس قرابت کے جو کہ پیغمبر خدا سے رکھتا ہوں۔ خطوط اور قاصد تمہاری جانب سے میرے پاس آئے تھے اس مضمون کے کہ ہمنے بیعت کی آپکی اس امر پر کہ آپ کو نہ چھوڑینگے اور آپ کی نصرت کرینگے پس اگر اپنی بیعت اور قول پہ وفا کروگے تو البتہ رشد و ہدایت پاؤگے فائز ہوگے اور حال تمہارا اور تمہارے عیال کا مثل حال میرے اور میرے عیال کے ہوگا اور اگر اقرار پر اپنے ثابت نہ رہوگے اور بیعت شکنی کروگے تب بھی تم سے بعید نہیں ہے کیونکہ میرے پدر بزرگوار اور برادر عالیمقدار اور پسر عم مسلم سے بھی یہی کیا تمنے۔ اور مغرور وہ شخص ہے کہ تم پر مغرور ہوئے اور اگر ایسا ہی کروگے اجر اپنا ضایع کیا تمنے اور راہ حق و صواب سے مونہہ پھیر لیا تمنے اور اپنا نقصان و ضرر کیا تمنے اور خدا تم سے بے نیاز ہے والسلام''

ابن خلدون کے موافق قریب قریب متذکرۂ صدر خطبہ کے الفاظ میں حضرت نے لشکر حُر کے سامنے خطبہ دیا۔

منزل ثعلبیہ میں حضرت خواب دیکھتے ہیں۔

اعثم کوفی۔ روضۃ الشہدا اور لہوف کے موافق حضرت جب منزل ثعلبیہ پر پہونچے تو آپ کو نیند آگئی اور تھوڑی دیر کے بعد نیم خوابی کے عالم سے بیچین اُٹھے۔ حضرت کی بیقراری اور حزن سے اہلبیت متاثر ہوئے۔ حضرت علی اکبر قریب تھے۔ پوچھا بابا آپ کی بے چینی کی کیا وجہ ہے۔ آپنے بعض کے نزدیک فرمایا کہ مینے ہاتف کو بعض کے نزدیک ایک سوار کو یہ کہتے سُنا کہ اے حسینؑ تم عراق کیطرف جانیکی جلدی کررہے ہو اور موت تمہارے تعاقب میں جلدی کررہی ہے کہ بہشت میں لیجائے۔ اس سے ہمے معلوم ہوگیا کہ موت قریب ہے۔ حضرت علی اکبر نے

حضرت علی اکبر کا سوال اور جواب (اعثم کوفی)

(اعثم کوفی)

پوچھا کہ "اے بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" امام حضرت نے فرمایا "بیشک ہم حق پر ہیں اور حق ہمارے ساتھ ہے" حسینؑ کے فرزند نے کہا کہ "اگر ہم حق پر ہیں تو موت سے کیا ڈرنا" (بقول روضۃ الشہداء کہا "تو پھر کوئی پرواہ نہیں ہے کہ ہم موت کیطرف جائیں یا موت ہماری طرف آئے" بقول اعثم کوفی یہ سنکر حضرت نے فرمایا "اے فرزند تو نے دل خوش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سب تجھے جزائے خیر عطا کرے" بقول لہوف فرمایا "اے فرزند خدا سب تجھے وہ بہترین جزا دے جو باپ کیطرف سے فرزند کو دیجاتی ہے"

کوفہ سے آتا ہوا ایک آدمی

اسی منزل کے متعلق صاحب خصائص الحسین روایت نقل کرتے ہیں کہ "عبد اللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل کہ دونوں قبیلہ بنی اسد سے تھے روایت کرتے ہیں کہ جبکہ حج سے فارغ ہوئے ہم تو ہمکو کوئی کام نہ تھا اسکے سوا کہ اُن حضرت سے ملحق ہوں۔ اور دیکھیں کہ انجام کار کیا ہوتا ہے۔ پس بہت جلد چلے ہم یہانتک کہ آنحضرت سے ملحق ہوئے ناگاہ دور سے دیکھا ہمنے ایک شخص کو کہ کوفہ کیطرف سے آتا تھا جبکہ نزدیک پہونچا وہ اور امام حسینؑ کو دیکھا اُسنے تو راہ اُسنے چھوڑ دی اور دوسری راہ کی طرف مائل ہوا پس حضرت نے بھی اُسے دیکھکر توقف فرمایا اور قافلہ کو روک دیا گویا حضرت اُس سے کچھ خبر کوفہ کی دریافت فرمانا چاہتے تھے۔ لیکن پھر حضرت نے اعراض فرمایا اور روانہ ہوئے پس ہم دونوں اُس شخص کے پاس گئے اور سلام کیا اُس نے جواب سلام دیا ہمنے اُس سے پوچھا کہ کس قبیلہ سے ہو تم اُس نے کہا کہ ہم قبیلہ بنی اسد سے ہیں۔ ہمنے کہا کہ ہم بھی اسدی ہیں تم کون ہو اُسنے کہا کہ میں بکر ہوں پسر فلاں پس آپسمیں نسب کو بیان کیا ہمنے پھر کہا ہمنے کہ اہل کوفہ کی خبر بیان کرو اُسنے کہا کہ ہاں کوفہ سے نہیں نکلا میں مگر یہ کہ مسلم وہاں قتل ہو چکے ہیں اور رسی اُنکے پاؤں میں باندھکر بازاروں میں کھینچتے تھے پس ہم اُس سے رخصت ہوئے اور قافلہ میں حضرت کے داخل ہوئے یہانتک کہ منزل ثعلبیہ پر پہونچے اور بہت جلد خدمت میں حضرت کے حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ جواب سلام حضرت نے دیا پھر عرض کی ہمنے کہ ہمارے پاس ایک خبر ہے اگر حکم ہو تو مخفی عرض کریں ورنہ علانیہ عرض کریں۔ حضرت نے ہماری طرف نظر فرمائی اور پھر اپنے اصحاب کیطرف ملاحظہ فرمایا اور پھر فرمایا کہ میں اپنے کوئی شے پوشیدہ نہیں کرتا ہوں۔ ہمنے عرض کی اُس سوار کو جو کوفے

حضرت کا لشکر رازدار تھا

آتا تھا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا تھا؟ فرمایا ہاں دیکھا تھا میں نے اُسے اور اُس سے کچھ حال دریافت کرنا چاہا تھا میں نے ہم نے عرض کی کہ ہم دور سے آپکے توقف فرمانے سے سمجھ گئے تھے کہ حضرت کو اُس سے کچھ حال دریافت فرمانا ہے اسلئے ہم اُس سے ملحق ہوئے ...... پس حضرت نے نظر فرمائی طرف اولاد عقیل کے اور فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ ...... الخ ہمیں جانا ہے کہ حضرت واپس نہ ہونگے ۱۱

صحرانشین عربوں سے ملاقات

صاحب بحار کے موافق جب حضرت حاجر سے ایک تالاب پر پہونچے اور آگے بڑھے تو چند صحرا النشین عربوں سے ملاقات ہوئی۔ اُنسے احوال کوفہ پوچھا گیا اور اُنھوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کرنیکے بعد کہا کہ اسقدر معلوم ہے کہ کسی شخص کو ان راہوں سے آمد و شد نہیں کرنے دیتے ۱۱

عبداللہ ابن مطیع کے خیالات

مورخین نے عبداللہ ابن مطیع کو پیش کیا ہے اور بعض کے نزدیک حاجر کے بعد عرب کے چشمہ پر بڑھے تھے کہ ملاقات ہوئی اور بعض بطن الرمہ کے بعد بتاتے ہیں۔ بقول ابن خلدون یہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کہاں تشریف لیئے جاتے ہیں۔ حسینؑ ابن علیؑ نے کوفیوں کے خط لکھنے اور اپنی روانگی کا مفصل حال بتلایا۔ عبداللہ ابن مطیع نے عرض کیا خدا کیواسطے اے ابن رسول اللہ صلعم آپ کوفہ کا قصد نہ فرمایئے۔ یہ لوگ عہد و پیمان شکن و بدعہد ہیں انہیں اسلام کی ہتک۔ قریش کی آبروریزی (و) عرب کی عزت جاتی رہیگی۔ واللہ اگر آپ اُس چیز کی خواہش کرینگے جو بنی اُمیہ کے ہاتھوں میں ہے (یعنی حکومت و خلافت) تو بیشک وہ لوگ آپ کو شہید کر ڈالینگے۔ اور پھر آپ کے شہید کرنیکے بعد کسی سے نہ ڈرینگے ۱۱

زہیر ابن القین

اس مورخ کے موافق زہیر ابن القین بجلی ہوا خواہ عثمان سے حج کرکے آپکے ساتھ ہی ساتھ واپس آرہا تھا لیکن ایک منزل و ایک مقام پر قیام نہ کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے اُسکو بلا بھیجا اگر چہ تمام آیا کچھ باتیں ہوئیں لیکن واپس ہو کر اپنی فرودگاہ پر گیا تو اپنے ہمراہیوں سے خطاب کرکے کہا جسکو میرے ساتھ چلنا ہو چلے میں حسینؑ کے ساتھ جاتا ہوں۔ یہ میرا آخری عہد ہے میں تملوگوں سے رخصت ہوتا ہوں یہ کہکر بیوی کو طلاق دیکر بولا تم اپنے میکہ (یعنی ماں اور باپ کے مکان) چلی جاؤ میں نہیں چاہتا کہ تم قید و گرفتار کی جاؤ اور اپنے ہمراہیوں سے رخصت

ہوکر حسینؑ بن علیؑ کے پاس چلا آیا۔ اور انھیں کے ساتھ رہا یہاں تک کہ کربلا میں یہ بھی شہید ہوا۔

زوجہ زہیر

روضۃ الصفا کے موافق "امام حسینؑ او را طلبید۔ زہیر بن قین اجابت نمود۔ زوجہ او گفت سبحان اللہ پسر رسول خدا الطلب تو میفرستد و تعلل مینمائی۔ ایں سخن ماثر افتادہ زہیر بخدمت سید جوانان بہشت شتافت و بعد از لحظہ با رنگ افروختہ از خیمہ امام حسینؑ بیروں آمدہ فرمود تا خیمہ او را بر کنند و قریب بہ خیمہ امام مظلوم شہید بردہ بزدند"

صاحب لہوف فرماتے ہیں "ایک گروہ فزارہ و بجیلہ نے روایت کی ہے کہ ہم زہیر ابن قین کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہوئے۔ ہم امام حسینؑ کیساتھ سفر کرتے تھے ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت ایسے مقام پر اترے کہ ہمکو سوائے حضرت کیساتھ ہم منزل ہونیکے کوئی چارہ کار نہ ہوا۔ ہم کھانا کھا رہے تھے کہ یکایک قاصد امام حسینؑ آیا اور بعد سلام کہا کہ اے زہیر بن قین۔ ابا عبداللہ حسینؑ نے مجھے تمکو بلانے کیلئے بھیجا ہے۔ یہ سنکر ہمارے ہاتھوں سے لقمے گر گئے اور ہم ایسے خاموش ہوگئے گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ تب زوجہ زہیر جسکا نام دیلم بنت عمر تھا کہنے لگی ......"

خوف کا اندازہ

صاحب روضۃ الشہدا ان واقعات کے بعد ایک روایت یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جسوقت زہیر طلاق اور ادائے مہر کے خیال میں تھے عورت نے کہا کہ اے صاحب ہمت تو چاہتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کے فرزند کی خدمت کرے۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ دختران فاطمہ زہرا کی ملازمت میں رہوں اور یہ کہکر دونوں باتفاق حاضر ہوئے۔

عبداللہ بن حر الجعفی

حضرت قصر بنی مقاتل کے قریب خیمہ زن تھے کہ آپ نے کچھ دور پر ایک سراپردہ ملاحظہ فرمایا۔ اسکے سامنے ایک نیزہ زمین میں گڑا تھا تلوار لٹکی تھی اور گھوڑا بندھا تھا۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ کسکا سراپردہ ہے جواب دیا گیا کہ یہ ایک کوفی کا ہے جسکا نام عبداللہ بن حر الجعفی ہے حضرت نے اسی کے قبیلہ کے ایک شخص کو جسکا نام حجاج مسروق جعفی تھا اسکی طلب میں بھیجا۔ حجاج نے عبداللہ سے کہا کہ اے عبداللہ اگر تو حسینؑ کے دشمنوں کو انسے دفع کریگا تو ثواب عظیم کا مستحق ہوگا اور اگر مارا گیا تو شہید ہوگا۔ الغرض کوفی کے موافق عبداللہ نے جواب دیا کہ میں اسی لئے کوفہ سے نکل آیا ہوں کہ امام حسینؑ وہاں تشریف لائے اور مینے مدد کرنی چاہی تو

نہ کر سکوں گا کیونکہ تمام کوفہ والوں کی نیتیں بدل گئی ہیں دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر عبداللہ ابن زیاد کے طرفدار ہو گئے ہیں۔ سعادتمندی کیساتھ واپس جا کر میرا سلام پہنچا اور آپ کو یہ سب حالات سنا دے۔ حجاج نے امیر المومنین کے پاس جا کر جو کچھ دیکھا اور سنا تھا عرض کر دیا۔ امیر المومنین حسینؑ اپنے چند رشتہ دار اور بھائی بند ہمراہ لیکر اُسکے پاس گئے۔ عبید اللہ حضرت کو تشریف لاتے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ امام حسینؑ کا دست مبارک پکڑ کر صدر جگہ بٹھایا۔ آپ نے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا اے عبید اللہ تیرے شہر کے آدمیوں نے جو سب کے سب نامور اور رُکن شہر ہیں ہمیں خط بھیج بھیج کر وعدے کیے کہ ہم سب آپکے ہوا خواہ و معاون و مددگار ہیں آپ ہمارے پاس چلے آئیے۔ میں نے اس امر کے قبول کرنے میں تامل کیا کئی خط کا جواب نہ دیا تو مکرر خط آئے ناچار میں نے اُن لوگوں کے قول و قرار کی وجہ سے حرم خدا سے سفر کیا اور اسطرف آیا۔ اب دگرگوں معاملہ دیکھتا ہوں۔ میرے چچازاد بھائی مسلم کی بیعت اٹھارہ ہزار آدمیوں نے کی اور جنگ کیلئے نکلے۔ جب لڑائی شروع ہوگئی تو عین معرکہ میں اُس سے علیحدہ ہوگئے۔ اُسے تنہا چھوڑ دیا۔ اور پسر زیاد کے حوالہ کر دیا۔ اُسے بڑی ایذا دہی کیساتھ شہید کیا۔ اب سنتا ہوں کہ یزید کی غرنا ہموار ہی کے ساتھ پسر زیاد کیطرف مائل ہو گئے ہیں۔ اے عبید اللہ تو خوب جانتا ہے کہ تجھسے جو کچھ نیکی و بدی ظہور میں آئیگی اللہ تعالیٰ ویسی ہی جزا دے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اسوقت توبہ کرکے تمام گذشتہ گناہوں سے بری ہو جائے۔ ہم رسولخدا محمد مصطفےٰ کی اہلبیت ہیں ہماری امداد کر اور اس معاملہ میں ہمارا ساتھ دے۔ جسقدر ہو سکے ہمارے دشمنوں کو ہماری مقابلہ سے دفع کر۔ عبید اللہ نے کہا۔ اے فرزند رسول اگر کوفہ میں آپکے کچھ ایسے دوست و مددگار ہوتے جو آپکا ساتھ دیتے تو میں سب سے پہلے آپکے واسطے جنگ کرتا۔ مگر آپکے تمام دوست و مددگار اور شیعہ اعتقاد بدل چکے اور عبید اللہ سے ملگئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ گھوڑا ملحقہ نام لے لیں۔ خدا کی قسم اس گھوڑی کو میں نے جس جانور کے پیچھے ڈالا ہے اُسے جا لیا ہے اور جب اُس پر سوار ہو کر بھاگا ہوں تو کوئی شخص مجھ تک نہیں پہونچ سکا۔ اور یہ تلوار بھی جس پر لگائی ہے صاف اُس سے نکل گئی ہے۔ یہ دونوں چیزیں آپ میری طرف سے قبول

فرمائیں۔ آپنے فرمایا۔ میں تیرے اس اس گھوڑی اور تلوار کی لالچ سے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ یہ مدعا ہے کہ تو میرا ساتھ دے اور میرے دشمنوں سے لڑے۔ اگر تو اپنی جان کو عزیز رکھنا چاہتا ہے تو ہمیں تیرے مال کی بھی ضرورت نہیں ہے" یہ فرما کر آپ اپنے قیام گاہ پر چلے آئے۔ صاحب روضۃ الصفا کے موافق حضرت منزل عقیق میں پہونچے تھے کہ بنی عکرمہ کا ایک شخص آیا اور اُسنے کہا کہ ابن زیاد نے آپکی تلاش میں لشکر کو ہر طرف پھیلا دیا ہے اور اسوقت وہ قادسیہ سے مذیب تک آپکا انتظار کر رہا ہے۔ مصلحت یہ ہے کہ آپ واپس جائیں۔ قسم خدا کی آپ نہیں جانتے مگر نیزوں اور تلواروں کی طرف۔ یقین فرمائیے کہ اہل کوفہ کی باتیں قابل اعتماد نہیں ہیں۔ بلکہ آپ سے جنگ کرنیکے لئے اُنلوگوں نے لشکر یزید سے اتفاق کیا ہے اور آپکی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ یہ سنکر حضرت نے فرمایا کہ خدا تجھے جزای خیر دے کہ تونے شرط نصیحت پوری کر دی۔

حر کا لشکر

اسکے بعد اس مورخ کے موافق منزل سراسے آرام فرما کر بڑھے تھے کہ حر کے لشکر سے ملاقات ہوئی جو دواب سے اُتر کر اس جگہ پہونچا تھا۔

تاریخ کامل سے معلوم ہوتا ہے یہ ملاقات بطن عقبہ کے بعد ہوئی۔ ابن خلدون کے موافق منزل شراف کے بعد تھی۔ روضۃ الشہدا کے موافق منزل سراب تھی اور غالباً سراہ۔ سراب۔ شراف ایک ہی منزل ہے۔ صاحب لہوف کے موافق کوفہ دو منزل رہگیا تھا۔ سیر الائمہ کے موافق کوفہ کے قریب پہونچ گئے تھے۔ وقت کے متعلق تمام مورخین متفق ہیں کہ آفتاب وسط سما میں پہونچ چکا تھا۔ ملاقات ہونیکی صورت میں اسقدر اختلاف ہے کہ بعض کے موافق حضرت چلے آرہے تھے کہ آپنے دور سے ایک لشکر کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کے سایہ میں بیٹھا ہے اور جب اُس نے حضرت کو مع رفقا کے آتے دیکھا تو گھوڑوں پر سوار ہو گیا اور صف باندھ کر قریب پہونچنے کا انتظار کرنے لگا۔ میں اسے کم قرین قیاس سمجھتا ہوں کہ کوئی لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت اسطرح کہیں دھوپ میں بیٹھا ہو۔ بلکہ میں اس دوسری روایت کو ترجیح دیتا ہوں جسطرح وہ کامل ابن اثیر اور ابن خلدون میں ہے۔ حضرت تشریف لے جا رہے تھے کہ "دور سے گرد دیکھکر ہمراہیوں میں سے کوئی تکبیر کہہ اُٹھا۔ کسی نے تکبیر کہنے کی وجہ دریافت کی جواب دیا کہ کھجور کے درختوں کا

دوپہر کا وقت

ابن خلدون

باغ دکھائی دیتا ہے۔ بنی اسد کے دو شخصوں نے کہا اس میدان میں گھنا درخت نہیں ہے۔ حسین بن علی بولے یہ تو سواروں کی گرد ہے۔ پھر ان دونوں بنی اسد سے متوجہ ہو کر ارشاد کیا۔ کیا اس مقام پر کوئی ایسا ملجا و مامن ہے کہ جس میں ہم پناہ گزین ہوں اور ان لوگوں سے ایک رُخ ہو کر ملیں۔ اُن دونوں نے جواب دیا سامنے یہ تمہارے پہلو پر ذوخشم ہے۔ اپنے بائیں جانب سے مُڑ کر اسکی طرف چلے جاؤ۔ اگر یہ لوگ تم سے پہلے اسطرف چلے جائینگے تو تمہارا مقصود حاصل ہو جائیگا حسین بن علی یہ سنتے ہی حضرت کے ساتھ ذوخشم کیطرف جھکے لیکن ذوخشم پر پہونچنے کے پہلے سواروں کی فوج آ پہونچی۔ آپ ٹھہر گئے"، کامل کے موافق حضرت نے ایسی پناہ کے متعلق دریافت فرمایا "جہاں اس لشکر کے سامنے سے مقابلہ کیا جائے" ذوخشم کا نام بتا کر کہا گیا کہ اگر آپ وہاں اس قوم سے پہلے پہونچینگے تو وہ ایسی جگہ ہے جیسی آپ چاہتے ہیں۔ حضرت نے جلدی کی۔ وہ لوگ بھی ادھر جھکے لیکن حضرت جلد پہونچے اور اُتر پڑے۔ اسوقت چونکہ سخت گرمی کا وقت تھا حضرت نے پانی لانے اور پلانے کا حکم دیا"

اسکے بعد بقول اعثم کوفی حضرت نے ایک قاصد کو بھیجا کہ دریافت کرے اُنکا سردار کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا حُر ابن یزید ریاحی۔ امام نے اُسے طلب کر کے پوچھا اے حر تو ہماری مدد کو اسواسطے آیا ہے یا ہم سے جنگ کرنیکے ارادہ سے۔ حر نے کہا مجھے عبید اللہ نے آپ سے لڑنے کیواسطے بھیجا ہے۔ حر کا یہ کلام سُنکر آپ نے فرمایا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ظہر کی نماز کے وقت امام حسین نے حجاج بن مسروق سے کہا اذان دیکر نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ حجاج نے اذان دی اور امام حسین نے حر سے کہا تو اپنی جگہ پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز پڑھے گا یا ہمارے پیچھے کھڑے ہو کر ادا کریگا۔ حر نے کہا میں تمہارے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھونگا۔ امام حسین نے دونوں فوجوں کو نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر تلوار کا سہارا لیکر کھڑے ہوگئے اور خطبہ پڑھا۔ حمد و ثنائے الٰہی کے بعد محمد مصطفےٰ پر درود بھیجا اور کہا اے لوگو! میں تم سے عذر کرنے کیلئے کھڑا نہیں ہوا اور نہ میں نے اس شہر کی طرف اسوقت تک قصد کیا اور یہاں تک آیا جبتک میرے پاس تم لوگوں کے خط نہ پہونچے اور تم نے میرے بلانے کیلئے درخواستیں نہیں بھیجیں۔ اور تمہارے قاصد جنہیں بہت سے

نامور اور رکن اشخاص شامل تھے اہل کوفہ کیطرف سے خط لیکر میرے پاس نہ آئیے۔ انھوں نے کہا تھا کہ بہت جلدی کوفہ میں پہونچنا چاہئیے کیونکہ یہاں کوئی امام موجود نہیں ہے جو نمازیں پڑھائے اور دینی اور دنیوی امور کی اصلاح کرتا رہے۔ اگر تم آجاؤ گے تو شاید اللہ تعالیٰ ہمارے ابتر کاموں کو درست کر دے۔ اب اگر تم اپنے قول و قسم پر ثابت قدم ہو تو میں آہی گیا ہوں اور تمہیں اعتماد کرنا چاہئے تو میں تمہارے ساتھ شہر میں داخل ہوں۔ اگر تم اپنے عہد سے پھر گئے اور قول و قرار سے شرمندہ ہوکر ہو اور میرے آنیکو برا سمجھتے ہو تو میں مکہ کو واپس چلا جاؤں۔ حضرت کا یہ کلام سنکر سب کے سب خاموش اور سر جھکائے ہوئے تھے کچھ نہ بولے"

خاموشی اور زیاد کا دوسرا خط

"اب حر نے اپنا خیمہ کھڑا کیا اور اسکے اندر جا بیٹھا۔ امام حسینؑ بھی اسکے مقابل بیٹھے اور تمام آدمی بھی اپنے اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے ہوئے بیٹھے تھے کہ اتنے میں حر کے پاس کوفہ سے اس مضمون کا خط آیا کہ حکم ہذا سے مطلع ہوتے ہی حسین بن علیؑ اور اسکے اصحاب کو نظر بند کر لینا اور خود انکے ساتھ سے علیحدہ نہ ہونا یہانتک کہ اُسے میرے پاس حاضر کر اور میں نے اس قاصد کو حکم دیا ہے کہ تیرے ساتھ رہے جبتک کہ تو اس حکم کو پوری طرح انجام نہ دے لے۔ اور میری فرمانبرداری کا حق ادا نہ کرے"

حر کا میلان

"حر نے مضمون خط سے مطلع ہوکر اپنے لوگوں کو بلایا اور کہا یہ مردود کمبخت ابن زیاد مجھے خط لکھتا ہے کہ حسین بن علیؑ کو گرفتار کرکے حاضر کر۔ اور جہانتک میں سوچتا ہوں میرا دل مجھے ایسے کام یا بات پر آمادہ نہیں ہونے دیتا جس سے امام حسینؑ رنجیدہ ہوں۔ میں اس امر سے سخت پریشان ہوں۔ حر کا ایک ہمراہی ابوشعثا عبید اللہ کے قاصد کیطرف مخاطب ہوکر بولا

ابوشعثا اور قاصد

تیری ماں تیری جدائی میں روئے تو کیسے کام کیلئے یہاں آیا ہے۔ اُسنے کہا میں نے اپنے امام کی فرماں برداری کی اور اپنی بیعت کو پورا کیا ہے۔ اپنے امیر کا حکم پہونچا دیا ہے۔ ابوشعثا نے کہا مجھے اپنے سر اور جان ہی کی قسم تو اپنے امام کی فرمانبرداری کے سبب خدا کی درگاہ میں گنہگار ہوگیا تو نے اپنے آپ کو تباہ کر دیا۔ دنیا اور آخرت دونوں خراب کرلیں اور دوزخ کی آگ اپنے واسطے سلگائی۔ تیرے امام کی یہ تعریف ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے

وجعلناهم ائمۃ یدعون الی النار و یوم القیامۃ لا ینصرون"۔

عصر کی نماز

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ نماز عصر کا وقت آگیا۔ امام حسینؑ نے مؤذن سے کہا اذان دے اور نماز کیلئے کھڑے ہوئے۔ آپ نے لشکر کو نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہا۔ اے لوگو! ہم تمہارے پیغمبر محمد مصطفےٰ کے اہلبیت ہیں اور تمہارے شہر میں جو لوگ امام اور والی بنے ہوئے ہیں ہم خلافت اور امامت کیلئے اُن سے بہتر ہیں۔ اگر تم ہمارا حق سمجھو گے اور خدا سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوگا اور اگر میرے آنے کو برا جانو گے اور اپنے خطوط کی تحریروں اور اپنے قاصدوں کی زبانی وعدوں کو پورا نہ کرو گے تو میں تمہیں کچھ نہیں کہتا اور نہ تمہیں کسی بات کیلئے مجبور کرونگا۔ تم صاف صاف کہدو کہ میں مکہ کو واپس چلا جاؤں"۔

حر کی خطوط سے لاعلمی اور عرض

حر ابن یزید نے جو لشکر کا سردار تھا آگے بڑھکر عرض کی۔ اے فرزند رسولؐ! آپ نے دو مرتبہ خطوں اور قاصدوں کا ذکر کیا مگر مجھے خبر نہیں کہ کن لوگوں نے خط لکھے اور کون شخص قاصد بنکر حاضر ہوئے تھے۔ امام حسینؑ نے اپنے غلام عقبہ بن سمعان کو بلا کر کہا خطوں کی خرجیاں اُٹھالا۔ عقبہ جا کر خرجیاں اُٹھا لایا۔ خط نکال کر زمین پر رکھدیئے اور پیچھے ہٹ بیٹھا۔ فوج کے نامور اشخاص آگے بڑھے۔ لفافوں کو پڑھا۔ حر ابن یزید ریاحی نے بھی اُنہیں دیکھا اور کہا ہم اُن شخصوں میں نہیں ہیں جنھوں نے یہ خط تحریر کئے ہیں اور عبید اللہ ابن زیاد نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ کو اُسکے پاس لیجائیں"۔

حسینؑ کا تبسم اور قصد روانگی

امیر المومنین حسینؑ نے مسکرا کر کہا تم یہ کام نہیں کر سکتے۔ پھر حکم دیا کہ عورتوں کو کجاووں میں سوار کرا دو۔ اور سوار ہو کر چلو دیکھیں یہ لوگ ہمارا کیا کر سکتے ہیں۔ لوگوں نے آپکے حکم کے موافق اہل و عیال اور بچوں کو سوار کر دیا اور چل نکلے کوفی لشکر نے راستہ روکا اور چلنے سے مانع آئے۔

حسینؑ تلوار پر ہاتھ ڈال لیتے ہیں

اہلبیت کا راستہ رکتے ہی امام حسینؑ نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ ڈالا اور کہا اے پسر یزید کس لئے تو ان لوگوں کو نہیں جانے دیتا تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے۔ حر نے جواب دیا۔ یا ابن رسول اللہ اگر کوئی اور شخص میری ماں کا نام لیتا تو تیغ تلوار کی دھار سے جواب دیتا۔ مگر آپ اور آپکے ماں باپ کی حرمت بہت بڑی ہے۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن تمہیں عبید اللہ کے پاس ضرور لیچلونگا۔ حسینؑ نے کہا میں ہرگز نہ جاؤنگا اور تیرے ارادہ کی مجھے ذرا پرواہ نہیں تو کیا

کرسکتا ہے۔ حُر نے کہا اگر میری اور میرے لشکر کی جانیں بھی اس معاملہ میں جاتی رہیں تو بھی مجھے گوارا ہے۔ میں عبید اللہ کے پاس ضرور لیجلونگا!"

حسینؑ حر کو تنہا جنگ کیلئے بلاتے ہیں

"امام حسینؑ نے کہا اچھا اب لشکر سے نکلکر سامنے آ اور میں بھی اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو کر تیرے سامنے آتا ہوں کہ دونوں آپس میں جنگ کریں اگر تو نے مجھے مار ڈالا تو تیرے امیر کی اور تیری مراد بر آئیگی اور تو مارا گیا تو خلقت تیرے پنجہ سے آزاد ہو جائیگی"

حر کا حکم اور ذاتی عقیدہ

"حر نے کہا یا ابا عبد اللہ مجھے آپ سے جنگ و جدل کرنیکا حکم نہیں دیا بلکہ یہ کہدیا ہے کہ آپکے ساتھ سے علیحدہ نہ ہوں یہانتک کہ آپ کو عبید اللہ کے پاس پہونچا دوں۔ خدا کی قسم مجھے سخت ناگوار ہے کہ کوئی ایسی بات کہوں یا کوئی ایسی حرکت کروں جو آپ کو ناخوش معلوم ہو۔ مگر کیا کروں دوسرے کا مقرر کیا ہوا ہوں اور محکوم ہو رہا ہوں۔ میں نے اس گروہ سے بیعت کر رکھی ہے اور انکے حکم سے آپکے پاس پہونچا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ قیامت کے دن تمام خلقت کو آپ ہی کے نانا کی شفاعت کی ضرورت پڑیگی میں حیران و پریشان و خوف زدہ ہوں کہ آپ سے لڑنے کی نوبت نہ آئے پھر شفاعت کی اُمید کیا خاک ہو سکتی ہے۔ خدا نخواستہ مجھسے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو گئی جس سے حضرت کے جسم مبارک کو کچھ تکلیف پہونچی تو دُنیا اور آخرت دونوں جگہ میرے واسطے خرابی موجود ہے۔ اور اگر آپ کو عبید اللہ ابن زیاد کے پاس نہ لیجاؤں تو میں کوفہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ہاں دُنیا وسیع ہے۔ خدا کی یاد۔ قیامت کے دن۔ آپکے نانا کی شفاعت سے محروم رہجانیکی نسبت یہی بہتر ہے کہ اور کسی طرف نکلجاؤں۔ آپ شارع عام سے نہیں بلکہ کسی اور غیر مشہور راستہ سے کسی سمت کو چلے جائیں اور میں عبید اللہ کو لکھدونگا کہ حسینؑ کسی اور طرف چلا گیا مجھے نہیں ملا۔ پھر تو مجھے آپکے نانا کی شفاعت کی کچھ اُمید باقی رہیگی اور اے حسینؑ میں قسم دلاتا ہوں کہ اپنی جان پر رحم کرو کوفہ نہ جاؤ!"

حضرت کا استغنا اور اشعار

"آپ نے کہا اے حر کیا تو یہ بات اسلئے کہتا ہے کہ وہ مجھے مار ڈالینگے؟ حر نے کہا۔ ہاں اے فرزند رسول اسمیں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے۔ آپ سلامتی سے مکّہ کو واپس چلے جائیں!" ابن خلدون کے موافق حُر کا کلام سنکر حضرت نے فرمایا۔ کیا تو مجھکو موت سے

ڈراتا ہے۔ اور اسکے بعد یہ اشعار ورد زبان فرمائے:-

سامضی وما بالموت عار علی الفتی اذا ما نوی خیراً وجاهد مسلماً

(میں تو اپنا قصد پورا ہی کرونگا اور مرنے میں جوانمرد کو عار نہیں ہے جب اُسنے نیکی کی نیت کر لی اور مسلمان ہو کر مجاہد ہو گیا)

وواسی رجالاً صالحین بنفسه وخالف مثبوراً وفارق مجرماً

(اور اچھے لوگوں سے بذاتہ محبت پیدا کی۔ گردن زدنیوں کی مخالفت کی اور باغیوں کا ساتھ چھوڑ دیا)

فان عشت لم اندم وان مت لم الم کفی بک ذلا ان تعیش وترغما

(پس اگر میں زندہ رہا تو مجھے کچھ ندامت نہ ہوگی اور اگر مر گیا تو میں اپنی ملامت نہ کرونگا۔ تجھی اتنا ہی کافی ہے کہ تو ذلیل و رسوا ہو کر عمر بسر کریگا)

کامل ابن اثیر کے موافق حر کے کلام پر حضرت نے فرمایا کہ "میں تجھسے وہی کہتا ہوں جو بھائی عوصی نے کہا تھا اپنے ابن عم سے جب وہ نصرت رسولؐ کا ارادہ کر رہا تھا کہ کہاں جاتا ہے قتل کیا جائیگا۔ تو اُسنے جواب دیا کہ "میں جاؤنگا اور موت سے کوئی عار نہیں جبکہ نیت خیر اور جہاد ہو۔" حر نے جب یہ سُنا تو ہٹ گیا۔

غالبًا اسی موقع پر جبکہ حر ضد کر رہا تھا زہیر ابن قین نے حضرت سے عرض کیا کہ اسوقت اجازت جنگ دیجئے کیونکہ اسوقت لڑنا آسان ہے بہ نسبت اُن فوجوں کے جو آرہی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن ہم ابتدا بجنگ نہ کرینگے۔

وقتی تصفیہ (ابن خلدون)

اسکے بعد یہ تصفیہ ہوا کہ حضرت ایسے راستہ سے تشریف لیجلیں جو نہ موصل بہ حجاز ہو اور نہ موصل بہ کوفہ۔ اسطرح رفتہ رفتہ عذیب میں پہونچے جہاں پر نعمان کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں کوفہ کے چار آدمی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ جو تیز اونٹنیوں پر سوار نافع بن ہلال کے گھوڑے کے پیچھے تیزی کیساتھ آرہے تھے اور اُنکے ہمراہ اُنکا رہبر طرماح بن عدی بھی تھا حسینؑ بن علیؑ کے قریب نہ پہونچنے پائے تھے کہ حر نے بڑھکر کہا میں انکو گرفتار کرونگا یا کوفہ کیطرف لوٹا دونگا۔ آپ بولے ایسا نہ ہونے پائیگا یہ میرے معین و مددگار ہیں اور میرے قائم مقام ہیں اگر تمنے انسے کچھ بھی تعرض کیا تو ہمارے اور تمہارے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رہیگا۔ حر خاموش ہو رہے۔ حسینؑ بن علیؑ نے ان لوگوں سے دریافت کیا تم اُن

عذیب الهجانات

طرماح بن عدی اور سوال رفاقت

لوگوں کا کچھ حال بتلاؤ جنکو (یعنی اہل کوفہ) تم چھوڑ آئے ہو۔ اُنمیں سے مجمع بن عبد اللہ العامر نے عرض کیا۔ شرفاء کوفہ کی رشوت خواری بڑھ گئی۔ دُنیا کی طمع میں پڑے ہوئے ہیں یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ ایک زبان ہو رہے ہیں۔ باقی رہے عوام الناس اُنکے قلوب تمہاری طرف مائل ہیں لیکن اُنکی تلواریں کل تمپر کھنچی جائینگی...... اسکے بعد طرماح بن عدی نے کہا آپکے ہمراہ بہت کم آدمی ہیں اور یہ ٹڈی دل ہیں صبح نہ ہونے پائیگی کہ کل کوفہ دریا کیطرح اُمنڈ آئیگا اگر آپ یہ چاہتے ہوں کہ کسی محفوظ شہر میں قیام کریں تو آپ ہمارے ساتھ چلئے ہم آپکو کوہ آجا میں ٹھہرائینگے جو ہمکو ملوک غسان و حمیر و نعمان بن منذر اور کل سرخ و سفید کے حملوں سے بچاتا ہے واللہ وہاں پر کسی قسم کی رسوائی و مضرت نہ آنے پائیگی۔ پھر وہاں سے اُن لوگوں کیطرف دعاۃ روانہ کرنا جو آجا و سلمیٰ میں بسنے والے مقیم ہیں خدا کی قسم دس روز بھی نہ گذرنے پائیگا کہ بنی طے کے سوار و پیادہ آکر مجتمع ہو جائینگے۔ اسوقت اگر کوئی شخص آپکے مقابلہ پر آئیگا تو صرف طے کی بیس ہزار تلواریں نیام سے نکل پڑینگی جو آپکے روبرو دشمنوں سے لڑینگی"

طرماح کوہ آجا چلنے کی صلاح دیتے ہیں

صلاح کا جواب

"آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمکو بہتر جزا دے۔ ہم میں اور ان لوگوں میں کچھ ایسے اُمور حائل ہوگئے ہیں کہ جس سے ہم لوٹ چلنے پر قادر نہیں ہیں اور ہم یہ نہیں جانتے کہ آئندہ ہم میں اور ان میں کیا واقعہ پیش آئیگا!!

قصر بنی مقاتل

"غرض طرماح آپسے رخصت ہوکر اپنے اہل کیطرف روانہ ہوا اور امام حسینؑ پھرتے پھراتے قصر بنی مقاتل میں پہونچے۔ شام ہوگئی تھی قیام کر دیا۔ نماز صبح پڑھکر جھٹ پٹ سوار ہوکر چلنے کا قصد کیا۔ حر نے پہونچکر روکنا شروع کیا۔ اسی رد و کد میں نینوی تک پہونچے جہاں پر آپ اُتر پڑے اور ایک سانڈنی سوار نے آکر ابن زیاد کا خط حر کو دیا جس میں لکھا ہوا تھا۔ میرے اس خط و قاصد کے پہونچتے حسینؑ کو روک کر ایک کھلے ہوئے میدان میں ٹھہرانا جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی محفوظ مقام ہو۔ میں نے اس قاصد کو حکم دیدیا ہے کہ تا تعمیل وہ تم سے جدا نہ ہوگا۔ حر نے خط پڑھکر حسین بن علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ خط امیر کا آیا ہے مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں آپ کو کھلے میدان میں ٹھہراؤں اور تا تعمیل حکم یہ قاصد

نینوا

مجھسے علیحدہ نہ ہوگا لہذا آپ نینوی سے اُٹھکر ایسے میدان میں فروکش ہوں جہاں نہ سایہ ہے نہ پانی ہے آپنے ارشاد کیا۔ تم ہمکو اب زیادہ تکلیف نہ دو۔ نینوی ہی میں رہنے دو یا اجازت دو تو غاضریہ یا شقیقہ میں جاکر ہم قیام کریں۔ حر بولے میں ایسا نہیں کر سکتا ابن زیاد نے مجھپر ایک شخص کو اس امر کی مخبری کو مقرر کیا ہے''

زہیر بن قین کی صلاح

زہیر بن قین نے عرض کیا واللہ اسکے بعد جو آئیگا وہ اس سے زیادہ سخت ہوگا۔ اے ابن رسول اللہ صلعم اس وقت اس سے لڑ جانا آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ جو آئندہ آنیوالا ہے۔

جنگ میں سبقت نہیں چاہتے تھے

آپ بولے ہم جنگ کرنے میں سبقت نہیں کر سکتے۔ زہیر نے راے دی آپ اس قریہ میں ہمارے ساتھ تشریف لے چلیئے وہ ایک محفوظ مقام لب دریاے فرات واقع ہے اگر وہ روکیگا تو ہم اُس سے لڑ پڑینگے۔ آپ نے مقام کا نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا کربلا نام ہے۔ فرمایا یہ زمین کرب و بلا کی ہے۔ بعض مورخین کے موافق حضرت نے اپنے پدر بزرگوار کا خواب بیان فرمایا۔ اور صاحب کنز الاعمال راز شہادت حسینؑ کے موافق فرمایا الصدق رسول اللہ صلعم ارض کرب و بلاء

باب دہم

یا ایہا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون۔ ولنبلونکم بشیئ من الخوف و الجوع ونقص من الاموال و الانفس و الثمرات و بشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون اولئک علیہم صلوات من ربہم و رحمۃ و اولئک ہم المہتدون

مشہد اعظم

۲ محرم ۶۱ھ پنجشنبہ

ابن خلدون کے موافق دریہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی''۔ اعثم کوفی کے موافق آپ نے دریاے فرات کے کنارہ اسباب اتار لیا۔ خیمے کھڑے کیے گئے۔

مقام

بھائی اور بھیجا اور بھانجے ہر ایک اپنے اپنے واسطے خیمہ لگانے لگا۔ حضرت کے خیمہ کے گرد

اسوقت کا شغل اور اشعار

احباب اور اعزا کے خیمے کھڑے ہو گئے اب سب تو اپنے خیمہ میں آرام سے لیٹ رہے اور امام حسینؑ اپنی تلوار کی صفائی میں مصروف ہوئے۔ غلام ابوذرؓ غفاری آپکے پاس حاضر تھا اور حضرت بحالت تفکر یہ اشعار پڑھ رہے تھے:-

یا دھر اُف لک من خلیل — کم لک بالاشراق والاصیل

من طالب وصاحب قتیل — ما اقرب الوعد من الرحیل

وکل حی سالک السبیل — وانما الامر الی الجلیل؛

(اے زمانہ تجھ ایسے دوست پر اُف ہے۔ کتنے لوگ اپنے حق کے طلب کرنیوالے صبح و شام تجھ میں قتل ہوتے ہیں۔ کیا کوچ کا وعدہ قریب پہونچ گیا ہے کل زندہ لوگ راہ پر چل رہے ہیں اور یقیناً سب امر خدا کی طرف ہیں)

حضرت زینب سنتی ہیں

آپکی بہنوں زینبؑ اور ام کلثومؑ نے آواز سنکر کہا اے بھائی یہ کسکی آواز ہے جو اپنے قتل کا یقین کیئے ہوئے ہے۔ حضرت نے فرمایا اے بہن لو ترک القطا لنام "تاریخ کامل کے موافق یہ اشعار سنکر حضرت زینبؑ نے فرمایا کاش۔ موت آج میری حیات کو معدوم کردیتی۔ اے خلیفہ گذرے ہوونکے اور نشان پچھلوں کے۔ حضرت نے فرمایا۔ اے بہن تمہارے حلم اور بردباری کو شیطان لے نہ جائے۔ حضرت زینب نے فرمایا میرے ماں باپ فدا ہوں کیا آپ نے اپنے نفس کے فدیہ کرنے کا قصد کر لیا ہے۔ حضرت کی آنکھ ڈبڈبا آئی حضرت زینبؑ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ حسینؑ کھڑے ہو گئے اور پانی چھڑکا۔

نزول کے وقت کے الفاظ

صاحب نور العین اُسوقت کے متعلق لکھتا ہے کہ جب حضرت نے نزول فرمایا کہتے جاتے تھے کہ "یہی ہمارے قافلہ کی فرودگاہ ہے۔ اسی جگہ ہمارے خون بہائے جائینگے۔ اسی جگہ ہماری حرم قید کیئے جائینگے۔ اسی جگہ ہمارے آدمی قتل ہونگے۔ اسی جگہ ہم معزز لوگ ذلیل ہونگے۔ واللہ اسی جگہ میری رگیں کٹیں گی اور میری داڑھی خون میں رنگی جائیگی۔ آسمان کے فرشتے میرے نانا اور والد اور ماں سے ماتم پرسی کرینگے۔ واللہ اسی جگہ کا وعدہ میرے نانا نبی اللہ تعالے نے کیا ہے اور اُسکا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔" لکھا ہے علی بن الحسین کہتے تھے میرے والد

حضرت علی بن الحسین

نے جب یہ باتیں کہیں تو میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ میں تو خاموش رہا مگر میری پھوپھی نے

جب یہ باتیں سنیں تو نہایت اندوہگیں اور خائف ہوئیں اور دامن سمیٹ کر ان کے پاس گئیں اور کہا اے میری آنکھوں کے تارے۔ اے خلیفۃ الماضیین و حمایۃ الباقین۔ یہ باتیں تمنے ایسی کہی ہیں جیسے موت کا وقت قریب آگیا ہے!! اسکے بعد

حضرت سمجھاتے ہیں اور وصیت فرماتی ہیں

جب مخدرات عصمت پر عالم حزن طاری ہوا تو اعثم کوفی کے موافق حضرت نے فرمایا "اے خواہر صبر کرو اور مرضی الہی پر راضی رہو۔ کیونکہ خداے تعالی نے زمین سے لیکر آسمان تک کسی شے کو ہمیشگی کی زندگی عطا نہیں کی نہ کسی کو عطا کرے گا سب فنا ہو جائینگے۔ صرف ایک ذات پاک خدا کے سوا تمام مخلوقات ہلاک ہونیوالی ہے۔ سب کو اُسنے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے اور سب کو اپنی مرضی اور ارادہ کے موافق نیست و نابود کر دے گا۔ میرے نانا ماں۔ باپ اور بھائی مجھسے بہتر اور زیادہ عزیز تھے۔ اسی طرح وہ بھی جام فنا پیکر سدہارے ہیں تکلیف تمام دنیا والوں کو حضرت محمد مصطفےٰ ہی کی وفات کا خیال اپنی موت پر صبر دلاتا ہے۔ پھر ارشاد کیا۔ اے بہنو۔ اے ام کلثوم۔ اے زینب اور اے فاطمہ۔ جب مجھے مار ڈالیں تو ہرگز گریبان نہ پھاڑنا۔ منھ نہ نوچنا۔ اور ایسے کلمے زبان سے نہ نکالنا جنسے خدا راضی نہیں ہے!!

حر ابن زیاد کو اطلاع خط بھیجتا ہے

اس مورخ کے موافق حر نے حضرت کے خیموں کے برابر اپنا خیمہ لگایا اور عبید اللہ ابن زیاد کو خط لکھکر حسینؑ کے وارد کربلا ہونے اور قیام کرنے سے مطلع کیا۔ عبید اللہ ابن زیاد نے امام حسینؑ کو خط لکھا کہ اے حسینؑ میںنے سنا ہے تم نے کربلا کے متصل قیام کیا ہے اور آج ہی یزید کا خط میرے پاس پہنچا ہے اور حکم دیا ہے کہ جبتک آپکو واصل حق نہ کر دوں نہ بستر پر سوؤں نہ کھانا مزا چکھوں۔ یا آپ اُس کی فرمانبرداری اختیار کر کے بیعت کریں والسلام۔

حضرت کے پاس ابن زیاد کا خط

جب یہ خط آپکے پاس پہونچا پڑھکر ہاتھ سے ڈالدیا اور کہا۔ وہ قوم ہرگز فلاح نہ پائیگی جو مخلوق کی رضامندی کیلئے خالق کی ناراضی اختیار کرتی ہے۔ عبید اللہ کے قاصد نے خط کا جواب مانگا۔ آپنے فرمایا اسکا کچھ جواب نہیں۔ وقد حقت علیہ کلمۃ العذاب!!

جواب

وہ قاصد جواب لیئے بغیر واپس گیا اور جو کچھ دیکھا اور سُنا تھا ابن زیاد سے بیان کر دیا۔ وہ زیادہ غضبناک ہو کر اپنے ملازموں اور دوستوں سے بولا کہ حسینؑ کو جسطرح ہو اسکے قتل ہی کر دینا چاہیئے۔ تم میں سے کون اس خدمت کو اپنے ذمہ لیتا ہے اور حسینؑ کو قتل کرتا ہے۔ میں اسکے

ابن زیاد کا لوگوں سے مخاطبہ

لوگوں کی خاموشی

صلہ میں جو جاگیر اور علاقہ مانگو گے دونگا۔ کسی شخص نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ اسی بن
عمر سعد (مؤلف۔ میری تاریخ میں ان مواقع کا ذکر کیا گیا ہے جہاں جہاں یہ دکھائی دیا ہے) کے نام
ایک فرمان جاری کیا اور شہر رے اور اسکا نواح عطا کرکے حکم دیا کہ وہاں جا اور خرابیوں کو
دور کر۔ عمر سعد نے فرمان لیکر اسطرف جانا چاہا۔ ابن زیاد نے کہا۔ اے عمر تو نے دیکھا کہ کسی نے

رے کا فریب اور پھر حضرت سے جنگ کا سوال

حسینؑ سے جنگ کرنیکا ارادہ نہیں کیا بہتر ہے کہ تو اس مہم کو انجام دے اور حسینؑ سے لڑنے کے
واسطے جا اور اسطرف سے مجھے مطمئن اور فارغ کرکے پھر شہر رے کی حکومت پر جانا۔

ابن سعد کانپتا اور معافی چاہتا ہے

اسنے کانپ کر کہا۔ اے امیر۔ اگر تو مجھے حسینؑ بن علیؑ کے مقابلہ پر جانے سے معاف رکھے
تو بہت ہی بڑا احسان مانونگا۔ ابن زیاد بولا اچھا میں نے معاف کیا مگر یہ فرمان واپس دیکر
اپنے گھر میں ہو بیٹھ کیونکہ یہ علاقہ اسی شخص کا حق ہے جو حسینؑ بن علیؑ کا کام تمام کرے گا۔

مہلت

عمر نے کہا تو مجھے ایک دن کی مہلت دے کہ اس امر کو اچھی طرح سوچ سمجھ لوں''

مشورہ

''ابن زیاد نے اجازت دی اور عمر نے اپنے گھر آکر دوستوں عزیزوں اور
بھائی بندوں سے مشورہ کیا۔ کسی نے اچھا نہ جانا کہ وہ حسینؑ کے قتل کیواسطے جائے
سب نے اسے ڈرایا۔ حمزہ بن مغیرہ جو اسکی بہن کا بھائی تھا اسکی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ہرگز تو
حسینؑ سے لڑنے اور اسے قتل کرنیکا فعل اپنے ذمہ نہ لینا ورنہ تو گناہ عظیم کا مرتکب ہوگا۔
خدا کی قسم اگر دنیا میں تیرے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے تو اس سے بہتر ہے کہ تو آخرت میں حسینؑ
کا خون اپنی گردن پر لیجائے۔ عمر سنکر خاموش تھا اور اسکا دل حکومت رے سے باز نہ آتا
تھا۔ دوسرے دن بوقت صبح ابن زیاد کے پاس آیا اسنے پوچھا۔ تیری کیا رائے قرار پائی؟ کہا
اے امیر۔ تو نے پہلے انعام عطا کیا۔ بعدہ حسینؑ بن علیؑ کا تذکرہ کیا۔ لوگ مجھے مبارکباد

ندامت کی نوعیت

دے چکے۔ اگر تو آج مجھ سے فرمان واپس لے لیگا تو مجھے ندامت حاصل ہوگی۔ تو مہربانی فرما کر
مجھے قتل حسینؑ کیواسطے نہ بھیج اور رے کی حکومت میرے پاس رہنے دے۔ کوفہ میں اور
بہت سے نامور سردار۔ اسماء بن خارجہ و محمد بن اشعث اور کثیر بن شہاب وغیرہ موجود
ہیں ان میں سے ہر شخص اس خدمت کو منظور کرکے امیر کے دل کو اسطرف سے مطمئن
اور فارغ کردیگا۔ براہ مہربانی مجھے امام حسینؑ کے قتل سے معاف رکھ۔ ابن زیاد نے کہا

دھمکی اور منظوری

تو میرے سامنے سرداران کوفہ کا نام لیتا ہے وہ سب میری نظر میں ہیں اگر تو اس فکر سے مجھے مطلئن کردے گا تو میرے نزدیک تو بہت عزیز ہوگا ورنہ رے کا فرمان واپس کرکے اپنے گھر جا بیٹھ۔ پھر میں تجھے کسی کام کی تکلیف نہ دونگا"

عمر سنکر چپ ہو رہا اور ابن زیاد سے زیادہ ناراض ہوکر کہا اگر تو نہ جائیگا اور حسینؑ سے جنگ کرکے میرا حکم بجا نہ لائیگا تو میں تجھے ابھی قتل کرا دونگا اور گھر لٹوا دونگا۔ بعد میں کچھ ہی کیوں نہو۔ عمر نے کہا جب معاملہ کی یہ صورت آپڑی اور ضرورت لاحق ہوگئی۔ میں امیر کا حکم بجا لاؤنگا۔ پس زیاد نے اسکی تعریف کی اور انعام و اکرام میں اور بھی ترقی کرکے چار ہزار سوار ہمراہ کر دیئے اور رے کی حکومت برقرار رکھی"

ابن سعد کے چار ہزار سوار

ابن خلدون کے موافق سعد ابن ابی وقاص کا بیٹا رات بھر پڑا ہوا سوچتا رہا صبحکو ذیل کے اشعار پڑھتا ہوا ابن زیاد کے پاس گیا:۔

أ اترك ملك الری والری رغبتہ　　ام ارجع مذموماً بقتل حسین

وفی قتلہ النار التی لیس دونھا　　حجاب وملک الری قرة عین

(کیا میں ملک رے کو چھوڑ دوں اور ملک رے ہی کی مجھے خواہش ہے۔ یا حسینؑ کو قتل کرکے میں مذموم واپس آوں۔ لیکن اُنکے قتل کرنے میں میں دوزخ میں جاؤنگا۔ جسکا کوئی مانع نہیں ہے اور ملک رے کی حکومت میں میرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)

ابو اسحٰق اسفرائینی نے یہ چند اشعار اسکے بعد زیادہ لکھے ہیں:۔

الا انما الدنیا لخیر معجل　　وما عاقل باع الوجود بدین

ولکن رب العرش یغفر زلتی　　ولو کنت فیھا اظلم الثقلین

امید مغفرت کا وقت

(یاد رکھو دنیا بہت اچھی ہی جو جلد حاصل ہوتی ہے اور عقلمند نقد کو اُدھار کے عوض نہیں دیتا۔ ہاں اللہ میرے گناہ کو بخشدیگا۔ گو میں اس کام سے جن و انس میں سب سے بڑھکر ظالم بنجاوں)

ابن خلدون اور کامل ابن اثیر دونوں کے موافق ابن سعد نے اُسوقت قتل حسینؑ کے لئے جانیکا تصفیہ کر دیا جب ابن زیاد نے کہا کہ میں مشورہ نہیں چاہتا نہ میں تیرا مطیع ہوں اور نہ تجھکو اس امر پر مجبور کرتا ہوں اگر تو نہیں جانا چاہتا تو سند گورنری واپس

کردے"

روضۃ الشہداء کے موافق خلعت۔ گھوڑا مع ساز و سامان زری اور "پچاس غلام و ارذر" بھی دیا۔

مہاجرین و انصار کی اولاد

ابو مخنف کے نزدیک جب عمر سعد گھر آیا تو اولاد مہاجرین اور انصار اُسکے پاس آکر اور کہا۔ اے ابن سعد تو حسینؑ سے جنگ کرنے جاتا ہے حالانکہ تیرا باپ سادس الاسلام اور صاحب بیعت رضوان تھا!

اب بقول ابن خلدون "عمر سعد نے حکومت رے کی طمع میں پڑکر امام حسینؑ کے مقابلہ پر جانا منظور کرلیا۔ چنانچہ انھیں چار ہزار فوج کو لئے ہوئے آپ کے مقابلہ پر جا پہونچا" اعثم کوفی کہتا ہے کہ ابن زیاد نے "اُسے سخت تاکید کی کہ ہرگز ہرگز حسینؑ بن علیؑ اور اُن کے اصحاب دریائے فرات کے پاس تک نہ آنے پائیں اور ایک گھونٹ پانی نہ پی سکیں۔ عمر نے کہا میں ایسا ہی کرونگا۔

عمر کے ایک ہزار سوار

جسوقت عمر ابن سعد چار ہزار سوار لیکر کربلا میں پہونچا حر ایک ہزار سوار لیکر اُسکے ساتھ جاملا۔ عمر نے اپنے ایک ہمراہی عمر بن قیس احمسی کو بلاکر کہا کہ حسینؑ کے پاس جاکر دریافت کرکے تم مکہ سے جو امن و امان اور حرمت کا مقام ہے کیوں نکلے اور میدان کربلا میں آئے۔

ابو مخنف
کثیر ابن شہاب

اُسنے کہا اے امیر انھیں دنوں میں میرے اور اُنکے خط وکتابت ہوتی رہی ہے اور میں نے ہر قسم سے اُنکی دوستی اور محبت کے دعوے کئے تھے وہ پورے نہ ہوسکے اسلیئے مجھے آپکی سامنے جانے سے شرم آتی ہے۔ عمر نے کہا میں نے تجھے اس خدمت سے معاف کیا۔ پھر ایک شخص عبداللہ شعبی کو بلایا۔ یہ شخص بڑا بہادر تھا۔ حاضر ہوا تو کہا امام حسینؑ کے پاس جاکر پوچھو تم کیسلئے مکہ جیسے مقام امن سے نکلکر اس دشت کربلا میں آئے اور یہاں قیام کرنے سے تمہارا کیا مطلب و مدعا ہے۔ شعبی ملعون خاندان رسالت کا سخت ترین دشمن تھا بولا اسطرح حکم بجالاؤنگا۔ پھر اُسحضرت کے خیمہ کیطرف چلا۔ قریب پہونچا تو ابو ثمامہ صائدی نے دیکھکر حضرت سے عرض کیا یا اباعبداللہ میری جان آپ پر فدا ہو خاندان مصطفےٰ کا سب سے بڑا دشمن جو روئے زمین پر موجود ہے اور خلائق میں بدترین شخص ہے اسطرف آرہا ہے۔ آپ یہ سُنکر کھڑے ہوگئے اور اُسکی طرف نظر کی"

اصحاب نے قاصد کو حضرت تک پہنچنے نہ دیا

"ابو ثمامہ نے کہا تلوار ہاتھ سے رکھکر آگے بڑھو۔ اور جو بات کہنی ہو عرض کر۔ سبعی نے کہا میں ایلچی ہوں ایک پیغام لایا ہوں اگر سنو تو بیان کروں مگر تلوار ہاتھ سے علیحدہ نہ کرونگا۔ ابو ثمامہ نے کہا تلوار مجھے دیدے میں حفاظت سے رکھوں گا اور جب پیغام پہنچا کر تو واپس جائیگا تو تیرے حوالہ کردونگا۔ اُس نے کہا میری تلوار تک کسی کا ہاتھ نہیں جاسکتا اور نہ میں کسی کو دونگا۔ ابو ثمامہ نے کہا۔ اسی جگہ ٹھہر کر جو پیغام دینا ہے امام حسینؑ کو سنادے۔ سبعی نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا اور ناراض ہو کر واپس چلا گیا۔ عمر سعد سے کہا مجھے امام حسینؑ کے پاس جانے نہیں دیا کہ پیغام پہنچاتا"

ابو مخنف کے نزدیک عمر سعد نے کثیر ابن شہاب کو بھیجا تھا اور اُسے دیکھکر زہیر بن قین نے کہا۔ ہتھیار رکھدے اور داخل ہو اُس نے کہا میں ایسا نہ کرونگا تو زہیر نے کہا واپس جا جسطرح آیا ہے۔ کثیر واپس ہوا اور ابن سعد کو خبر دی۔

(ابن خلدون) اب عمر سعد نے قرہ بن قیس حنظلی کو بھیجا۔ جب قرہ آیا "امیر المومنین نے اُسے دیکھکر اصحاب سے پوچھا تم اسے پہچانتے ہو یہ کون شخص ہے۔ حبیب بن مظاہر اسدی نے کہا میں جانتا ہوں وہ بنی تمیم میں سے ہے اور اب مجھے اعتقاد والا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی اس لشکر کے ساتھ آیا ہوگا۔ الغرض قرہ نے آنحضرت کے سامنے حاضر ہو کر سلام کیا اور پیغام پہنچایا" اسکے جواب میں حضرت نے وہ واقعات بیان فرمائے جیسا اسکے پہلے فرما چکے تھے۔ مخصوص بات یہ فرمائی کہ "آج زمانہ کا رنگ دگرگوں دیکھکر وہ (اہل کوفہ) اپنے قول و قرار سے پھر گئے اور اپنے وعدہ و بیعت سے شرمندہ ہو کر منحرف ہو بیٹھے اب میرا ارادہ ہے کہ مراجعت کر کے مکہ کو چلا جاؤں"

قاصد نے عمر سعد سے حضرت کا قول نقل کیا اور کوئی عجب نہیں ہے کہ عمر سعد اس خیال سے اپنی گرانی میں کمی دیکھتا ہو کہ نواسہ رسولؐ سے جنگ کی نوبت نہ آئیگی۔ اب ابن سعد نے یہ تمام واقعات ابن زیاد کو لکھے۔

(عمر بن سعد کا صلح کا خط اور ابن زیاد کا خیال) ابو مخنف کے نزدیک عمر سعد نے دوسرا قاصد بنی خزیمہ میں سے بھیجا تھا۔ جب یہ حضرت کے پاس پہونچا تو دست و پائے مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کی کہ یا مولا آپ اسطرح

کسطرح تشریف لائے ہیں۔ فرمایا۔ تمنے بلایا تھا۔ کہا۔ خدا اُن پر لعنت کرے جنہوں نے آپ کو لکھا تھا آج وہ خواص ابن زیاد ہیں۔ فرمایا۔ جا اور ابن سعد کو اسکی خبر کر۔ کہا یا مولا وہ کون ہے جو بہشت پر دوزخ کو اختیار کرے۔ واللہ میں اب علحدہ نہ ہونگا جب تک آپکے سامنے مارا نہ جاؤں۔ فرمایا خدا تجھے اپنے قریب کرے جسطرح اُسنے نہیں تجھسے فریب کیا۔

ابن زیاد ابن سعد کا خط پڑھکر کچھ دیر تک سوچتا رہا اور بولا اب ہمارے پنجہ میں پڑکر واپس جانیکا ارادہ رکھتا ہے یہ چاہا ہوگا کہ اس حیلہ سے ہمارے ہاتھ سے بچکر نکل جائے۔ جواب میں لکھا اُسکی باتوں پر ذرا توجہ نہ کر اس خط کے دیکھتے ہی حسینؑ سے یزید کی بیعت کیلیئے کہہ اگر وہ منظور اور قبول کرکے بیعت یزید اختیار کرے تو مراد بر آئی ورنہ جسطرح ہوسکے اُسکو میرے پاس پہنچا" کامل ابن اثیر کے موافق ابن سعد کا خط پڑھکر ابن زیاد نے یہ شعر پڑھا کہ۔ جب چنگل ہمارا مضبوط ہوگیا تو اب چھٹکارا چاہتا ہے حالانکہ یہ نہیں ہوسکتا" اور اسکی بعد ابن سعد کو لکھا کہ "بیعت یزید پیش کر اگر منظور کرے تو پھر ہم دیکھینگے"۔

بیعت کے بعد بھی "پھر" دیکھے

اب بقول اعثم کوفی ابن زیاد نے "دوسرے دن جامع مسجد کوفہ میں جاکر لوگوں کو طلب کیا۔ جب سب حاضر ہوگئے منبر پر چڑھکر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد مصطفیٰ پر درود بھیجا اور کہا۔ اے لوگو تمنے اکثر دفعہ آل ابو سفیان کو آزمالیا ہے اُنکو ظاہر و باطن سختی اور نرمی ہر حالت میں دیکھ لیا ہے کہ تمہاری دلداری کرتے رہے ہیں۔ یزید کی نیک خوئی۔ نیک چلنی اور خوش اعتقادی سے اور رعیت کے حق میں اُسکے لطف و کرم اور جود و سخا رحم و انصاف اور حسن سلوک سے بھی تم آگاہ ہو۔ تمام اقسام کے فتنہ و فساد اور بلاؤنکو استحکام سلطنت کے واسطے دور کیا اور ہر طرف راحت و آرام کا دور ہوگیا۔ راستوں کا خطرہ جاتا رہا۔ اپنے زمانہ میں مفسد اور سرکشوں کے قلعے مسمار کر دیئے۔ مال و دولت کی کثرت۔ محاصل کی فراوانی۔ ہر قسم کی برکتوں کا نزول۔ تنخواہوں اور وظیفوں کی ترقیاں۔ معاش اور رزق کے طریقوں کا دوامی انتظام جو محض اُسکے اخلاق حسنہ اور عادات کریمانہ سے وقوع میں آئے ہیں تم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ آج اُسکا فرمان آیا ہے۔ ۔۔۔ حکم ہے کہ تمہارے حال پر زیادہ مہربانی کردوں تنخواہوں اور وظیفوں میں ایک ایک ۔۔۔ کی جگہ سو سو دینار بڑھاکر تکمیل کردوں اور تمہیں اُسکے دشمن حسینؑ بن علیؑ سے

ابن زیاد یزید کی تعریف کرتا اور لوگوں کو لالچ دیتا ہے

لڑنے کیلئے بھیجوں۔ تم ان باتوں کو سن رکھو اور اطاعت و فرمانبرداری سے پیش آؤ"

مددگار فوجیں

منبر سے اُتر کر حکم دیا کہ فوجوں کو زر و مال اور رسد کا سامان عطا کیا جائے کہ وہ جنگ کی تیاریاں کر کے دشت کربلا میں عمر سعد سے جا ملیں۔ حسینؑ بن علیؑ سے لڑنے کیلئے جو نامور شخص آمادہ ہوا وہ شمر ذی الجوشن تھا۔ چار ہزار سوار لیکر عمر سعد سے جا ملا۔ اب اُسکے پاس نو ہزار سپاہ ہو گئے۔ یزید بن رکاب کلبی دو ہزار کی جمعیت لیکر گیا۔ اسکے پیچھے ہی پیچھے ایک ہزار مصین بن نمیر سکونی چار ہزار آدمی لیکر پہونچا۔ مصائیر بن رہینہ مازنی تین ہزار۔ ایک اور شخص دو ہزار کی جمعیت سے جا ملا۔ پھر اور سردار یکے بعد دیگرے روانہ ہوئے۔ عمر سعد کی فوج کی تعداد بیس ہزار ہو گئی۔

بیس ہزار

شیث ربعی ایک ہزار سوار ۲۱

"اب عبید اللہ نے آدمی بھیجکر شیث ربعی سے کہلا بھیجا حسینؑ بن علیؑ سے جنگ کرنیکے لئے مستعد ہو جا وہ سخت ناراض ہوا۔ کوئی بہانہ نہ پایا انجام کار اپنے آپ کو مریض بنایا اور جواب میں کہلا بھیجا کہ میں امیر کا فرمانبردار ہوں مگر مجھے ضعف لاحق ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے اتنی مہلت دیجائے کہ عارضہ جاتا رہے جسوقت صحت حاصل ہوگی امیر کے فرمانیکے مطابق جا کر خدمت بجا لاؤنگا۔ عبید اللہ نے لکھا تیری بیماری کا حال مجھے خوب معلوم ہے بیمار نہ بن اور اُس گروہ میں شامل نہ ہو جسکی نسبت کلام مجید میں خدا فرماتا ہے واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون اگر حسینؑ سے لڑنے اور عمر سعد سے جا ملنے کے ساتھ میری فرمانبرداری مدنظر ہے تو بلا عذر بعجلت تمام چلا جا۔ یہ پیغام سنکر شیث سمجھ گیا کہ بہانہ کارگر نہ ہوگا اور عبید اللہ میری بناوٹ سے واقف ہو گیا ہے ڈر کے مارے عشا کے وقت کہ اُسکے چہرہ اور رنگ کو تمیز نہ کر سکے عبید اللہ کے پاس گیا وہ اُسے آتے دیکھکر خوش ہوا مرحبا کہکر اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا لازم ہے کہ تو آج رات ہی کو سامان سفر درست کر کے علی الصباح ایک ہزار سواروں کے ساتھ جلد جا اور عمر سعد سے جا مل۔ شیث نے کہا امیر کا جو حکم ہے اُسے بجا لاؤنگا دوسرے دن صبح کے وقت ایک ہزار سوار لیکر چلا گیا عبید اللہ نے ایک ہزار سوار اور فراہم کر کے حجار بن حر کو ان کا سردار مقرر کیا اور حکم روانگی دے دیا۔ الغرض عمر سعد کی فوج میں بائیس ہزار سوار اور پیدل ہو گئے۔ اب عبید اللہ نے عمر سعد کو

حجار بن حر کے ایک ہزار (کل ۲۲۰۰۰)

ابن سعد کے نام خط

خط لکھا کہ حسینؑ سے جنگ کرنیکے لیئے اب کوئی بہانہ نہیں رہا۔ فوج کی کمی کی شکایت تھی سو اب وہ بھی نہیں رہی۔ تیرے پاس بائیس ہزار سوار و پیدل کی جرار فوج موجود ہے جو ہر طرح سے ساز و سامان اور اسلحے سے مکمل اور آراستہ ہے۔ اب تیرا انتظام درست ہوگیا لازم ہے کہ تمام حالات سے جو امام حسینؑ کے ساتھ تجھے پیش آئیں مثل جنگ و جدال وغیرہ سب سے مجھے مطلع کرتا رہے۔ ہر روز صبح و شام کے وقت میرے پاس تیرے قاصد پہنچتے رہیں اور تیری تحریریں مشتمل حالات و واقعات مجھے ملتی رہیں۔ اس انتظام کو نہایت ضروری اور فرض سمجھنا والسلام۔ غرض اس قسم کی اور ضروری تاکیدیں لکھکر اور معتمد قاصد بھیجکر عمر سعد کے حالات سے مطلع ہوتا اور اس مہم سے بسرعت و عجلت فارغ ہونیکی تنبیہہ کرتا رہا"

واپس آنیوالوں کی سزا

صاحب روضۃ الصفا کہتا ہے کہ "اگرچہ ابن زیاد جماعت کثیر کو حسینؑ سے جنگ کے لیئے بھیجتا تھا لیکن اکثر لوگ مکروہ سمجھکر واپس آتے تھے۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا تو اُسنے سعد ابن عبدالرحمن کو حکم دیا کہ وہ کوفہ کے محلوں میں گشت کرے اور تخلف کرنے والوں میں سے جسے دیکھے میرے پاس بھیجدے سعد نے ایک شامی کو دیکھا جو ابن سعد کے لشکر سے اپنی میراث لینے کوفہ واپس آیا تھا سعد نے اُسے دار الامارۃ بھیجدیا۔ ابن زیاد نے اُسکے قتل کا حکم دیا۔ یہ سیاست دیکھکر جو لوگ واپس آئے تھے وہ ابن سعد کے پاس چلے گئے"

اسکے بعد بقول روضۃ الصفا ابن زیاد نے عمر بن سعد کو لکھا کہ حسینؑ کو نہر فرات سے اس بہانہ سے دور رکھنا کہ بنی ہاشم نے عثمان سے پانی روک لیا تھا۔

اعثم کوفی کے موافق ابن زیاد نے تاکید کی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ اور اُنکے ہمراہیوں نے کنوئیں کھودکر پانی حاصل کیا ہے اور اُنہیں کوئی تکلیف اور دقت پیش نہیں آئی ہے اس خط کے پہونچتے ہی حسینؑ بن علیؑ اور اُنکے دوستوں کو کنوئیں کھودنے سے روکدے اور ایک قطرہ پانی حاصل نہ کرنے دے جسطرح اُنھوں نے عثمان کو پانی نہیں دیا تو بھی اُنکو پانی کا ایک قطرہ دریائے فرات سے نہ پینے دے۔ اس حکم کے پہونچتے ہی اُسنے حسینؑ بن علیؑ کے خلاف زیادہ سعی اور سختی اختیار کی اور دریائے فرات پر پہرے بٹھادیئے کہ اُنکی نظر تک پانی پر نہ پڑے۔ پھر اپنے گروہ میں سے عمر بن حجاج الزبیدی کو سوار اور پیدل دیکر کہا کہ تو فرات کے

کنارہ ونکی حفاظت کر اور حسینؑ یا کسی ہمراہی کو ہرگز ایک قطرہ نہ لینے دے۔ پھر ایک اور شخص کو بلا کر منادی کرادی کہ اے پسر فاطمہ فرزند رسول خدا ہے تجھے اس پانی کا ایک قطرہ نصیب نہ ہوگا تاوقتیکہ موت کا ذائقہ چکھے گا یا عبید اللہ ابن زیاد کی فرمانبرداری نہ کریگا۔"

ابو اسحٰق اسفرائینی کے موافق وہ جو ابن سعد کی مدد کو آئے تھے "دریائے فرات اور امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کی فرودگاہ کے درمیان جا اترے۔ عمر سعد نے حجر ابن حر کو بلا کر ایک جھنڈا دیا اور دو ہزار سوار ساتھ کئے اور حکم دیا کہ فلاں راستہ کی حفاظت کر حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کو فرات کا پانی پینے سے روکتے رہو۔ اور ابن ربعی کو ایک جھنڈا اور چار ہزار سوار دیکر دوسرے راستہ پر تعینات کیا اور حکم دیا کہ تم ادھر سے حسینؑ اور اسکے ساتھیوں کو پانی پینے سے روکنا۔ یہ دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر آئیں اور امام حسینؑ کو پانی پینے سے روکنے لگیں۔ جب امام حسینؑ رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھا تو انلوگوں کے قریب گئے اور تلوار ٹیک کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو تم مجھے جانتے ہو؟۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا میں کون ہوں؟ کہا تم حسینؑ بن علی مرتضیٰ ہو۔ فرمایا میرے نانا کون ہیں؟ کہا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ فرمایا میری ماں کون ہیں؟ کہا فاطمہؑ زہرا ہیں۔ فرمایا جب تم کو یہ سب کچھ معلوم ہے تو پھر کیونکر میرا خون بہانا حلال سمجھتے ہو اور کسلیئے مجھے پانی سے روکتے ہو۔ حالانکہ میرے والد حوض کوثر کے ساقی ہونگے اور قیامت کے روز انکے ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا اور میرے نانا سے مروی ہے کہ حسن و حسینؑ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ اور انہوں نے فرمایا ہے کہ اے جن و انسان کی جماعتو! میں تم میں اللہ کی کتاب کو اور اپنے عزیز اور اہلبیت کو چھوڑ چلا ہوں اور واللہ ہم ہی آنحضرتؐ کے عزیز اور اہلبیت ہیں۔"

حضرت کا مخاطبہ

انلوگوں نے کہا ہم یہ سب جانتے ہیں مگر ہم تمکو پیاس کے ساتھ مارے بغیر نہ چھوڑینگے۔ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے ہر متکبر شخص سے جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر واپس آئے اور اپنے عیال کے خیمہ میں چلے گئے۔ اسوقت انکو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ جب عورتوں نے انکی یہ حالت دیکھی تو رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو کیونکہ رونا تمہارے

آگے ہے۔ پھر آپ اُنکے پاس بیٹھے رہے یہانتک کہ رات آگئی۔"

(ابن خلدون) اسکے بعد یا اسکے کچھ قبل عمر بن الزبیدی بھی پانچ سو سواروں نے نہر فرات پر متعین کیا گیا۔

۷ رتاریخ اور یہ لوگ فرات اور امام حسینؑ کے درمیان حائل ہوگئے۔ یہ واقعہ آپ کی شہادت سے تین روز پہلے کا ہے۔ روضتہ الشہدا تاریخ کامل۔ روضتہ الصفا۔ ابن خلدون۔ اور اعثم کوفی

۸ رتاریخ حضرت عباسؑ پانی لائے سب نے لکھا ہے کہ اسکے بعد (غالباً آٹھویں تاریخ کو) حضرت عباسؑ ابن علیؑ پانی لائے۔ میں اعثم کوفی کی صراحت کو پسند کرتا ہوں کہ "جب حسینؑ اور اصحاب پر تشنگی کا بہت غلبہ ہوا آپنے اپنے عزیز بھائی عباسؑ ابن علیؑ کو بلاکر اور بیس سوار اور تیس پیدل دیکر کہا بیس مشکیں لیجاؤ اور دریائے فرات سے بھر لاؤ۔ عباس ابن علیؑ نے منظور کرلیا اور اس گروہ کو لیکر دریائے فرات کے کنارہ آئے۔ عمر پہرہ دار تھا۔ پکارا کون شخص پانی لیتا ہے۔ ہلال بن نافع نے کہا میں تیرے چچا کا بیٹا پانی پینے آیا ہوں۔ عمر نے کہا پی لے تجھے گوارا ہو۔ ہلال نے کہا اے عمر تجھپر تف ہے۔ میں کسطرح پانی پی سکتا ہوں جبکہ حسینؑ بن علیؑ اور اُسکے فرزند پیاس سے ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔ عمر نے کہا مجھے یہ حالات معلوم ہیں مگر میرے بس کی بات نہیں ہے میں مقرر کیا ہوا ہوں اور محکوم مجبور ہوتا ہے۔ ہلال نے اپنے دوستوں سے کہا آؤ پانی بھر لو۔ عمر بھی سمجھ گیا کہ حسینؑ کے دوست پانی لینے آئے ہیں روکنے کیلئے جنگ سے پیش آیا حسینؑ کے دوستوں میں کچھ لڑنے لگے اور بعض مشکوں کے بھرنے میں معروف ہوئے اور پانی سے سیراب ہوکر بھری ہوئی مشکیں لیں اور صحیح سلامت واپس چلے آئے انمیں سے کوئی شخص شہید نہیں ہوا۔ اور عمر کے چند طرفدار مارے گئے۔ امام حسینؑ کے ساتھی ان مشکوں کا پانی پیکر سیراب ہوگئے" روضتہ الصفا کے موافق پیادے مشکیں بھر رہے تھے اور عباسؑ اپنے اپنے سواروں سے اُنکی مدد کر رہے تھے۔ باستثنائے ابو مخنف قریب قریب تمام مورخین کے نزدیک حضرت عباسؑ پانی لا سکے۔ ابو مخنف کے نزدیک شہید ہوئے۔

حضرت نے ابن سعد کو طلب فرمایا ابن خلدون کہتا ہے "بعد اسکے امام حسینؑ نے عمر بن قرظہ بن کعب انصاری کی معرفت عمر بن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ آج شب کو دونوں لشکروں کے درمیان مجھسے ملنا۔ عمر بن سعد حسب وعدہ آیا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں پھر دونوں آدمی لوٹ کر اپنے اپنے

لشکر میں آئے۔ دو چار بار ملاقات کرنے کے بعد عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا۔
بعد حمد و ثنا کے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آتش فتنہ فرو کر دیا اور اختلاف دفع کرکے سبھوں میں
اتفاق پیدا کر دیا ہے۔ حسینؑ نے یہ درخواستیں پیش کی ہیں کہ یا وہ جہاں سے آئے ہیں

شرائط صلح

واپس کر دیئے جائیں۔ دیا جس سرحد کیطرف ہم چاہیں اُنکو بھیجدیں۔ دیا ہم اُنکو امیر المومنین یزید
کے پاس بھیجدیں تاکہ اُنکی بیعت کریں۔ اس میں تمہاری خوشنودی اور امت محمدیہ کی رضامندی
ہے۔ ابن زیاد نے خط پڑھکر کہا میں اسکو منظور کرتا ہوں یہ خط ایسے شخص کا ہے جو امیر و رعیت کا
ناصح مشفق ہے۔ شمر ذی الجوشن نے اُٹھکر کہا کیا تم اس درخواست کو قبول کر لوگے وہ (حسینؑ)

شرائط صلح سے انکار

تمہارے ملک میں آگیا ہے تمہارے قبضہ میں ہے۔ واللہ اگر وہ یہاں سے کوچ کرکے چلا گیا
اور اُسنے تمہارے ہاتھ پر بیعت نہ کی تو وہ تم سے زیادہ قوی و معزز ہوگا اور تم بمقابلہ اُس کے
ضعیف و ناتواں ہوگے۔ میرے نزدیک مناسب ہے کہ تم اُسکو اپنے حکم کے ماننے پر مجبور کرو پس
اگر عدول حکمی کرنے پر تم اُسکو سزا دوگے تو تمکو اسکا حق حاصل ہے اور اگر درگذر کروگے
تو اسکا الزام تمپر آئیگا۔ واللہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حسینؑ و عمر تمام رات دونوں لشکروں کے درمیان
باتیں کرتے رہتے ہیں"

کامل ابن اثیر کے موافق عمر ابن سعد سے حضرت نے جو باتیں کیں وہ یہ تھیں کہ ہم اور تو لشکروں کو
چھوڑکر یزید کے پاس چلیں یا یہ شرطیں پیش کیں کہ میں واپس ہوں۔ یا یزید کے پاس جاؤں
اُسکی جو رائے ہو۔ یا یہ کہ مسلمانوں کی سرحد پر چلا جاؤں۔ اس مورخ و نیز روضۃ الصفا نے لکھا ہے

عقبہ بن سمعان کا قول اور قرین قیاس شرائط

کہ عقبہ بن سمعان کہتا ہے کہ بہ پیوستہ ملازم امام حسینؑ بودم تا آنزمان کہ شہادت یافت و
ہرچہ میگفت می شنیدم بخدا سوگند کہ ہرگز بر زبان نیاورد کہ مرا بگذارید کہ پیش یزید یا ثغرے از
ثغور اسلام روم بلکہ ہمیں قدر پیغام داد کہ مرا بگذارید تا بمکانے باز گردم کہ از آنجا آمدہ ام یا دست
از من باز دارید تا سر در این جہاں عریض نہادہ در مہاجرت اوطان و مفارقت روزگار گذرانم

اعثم کوفی کے موافق " امام حسینؑ نے عمر سعد کے پاس آدمی بھیجکر پیغام دیا کہ تجھسے کچھ
کہنا ہے رات کیوقت مجھ سے ملنا اور میری باتیں سُن لینا۔ عمر ایک سو بیس سوار ہمراہ لیکر

شب کی ملاقات میں عباسؑ اور علی اکبر حضرت کے ساتھ رہے

اپنے لشکر گاہ سے نکلا امیر المومنین حسینؑ نے اپنے ہمراہی سواروں سے کہا تم پیچھے ہٹکر کھڑے ہو جاؤ وہ پرے سرک گئے۔ عباسؑ بن علیؑ اور علیؑ اکبر آپکے ساتھ رہے۔ عمر نے بھی اپنے ساتھ کے سوارونکو اسیطرح پیچھے ہٹا دیا۔ اُسکا غلام لاحق اور بیٹا حفص اُسکے پاس ٹھہرے رہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے عمر سعد تجھپر افسوس ہی کیا تو اُس خدا سے جسکی طرف تمام مخلوق مرکر رجوع کرنیوالی ہے نہیں ڈرتا اور مجھسے جنگ کرنا چاہتا ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ میں کون شخص ہوں تو اس ناواجب اور ناسزا کام سے باز آ اور جس کام میں دین اور دنیا کی بھلائی شامل ہے اُسے اختیار کر۔ میرے پاس چلا آ۔ اس گمراہی سے نکل۔ اس مکار دنیا نے مجھ اور تجھ جیسے بہت شخصوں کو دیکھا ہے اسپر مغرور نہ ہو اور یقین کر کہ نیکی اور سلامتی اسی پر موقوف ہے جو میں تجھسے کہہ رہا ہوں۔ اُس نے کہا۔ سبحان اللہ آپنے بہت ٹھیک بات کہی ہے۔ لیکن آپکے پاس چلے آنے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ میرے مکان کو برباد کرینگے حسینؑ نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہوس ہے۔ اگر خاندان مصطفیٰ کی دوستی کے سبب دُنیا میں تیرا مکان برباد کیا جائے تو بھی کچھ نقصان کی بات نہیں۔ اسکے عوض بہشت میں تیرے لئے کئی محل مقرر کئے جائینگے۔ علاوہ ازیں جب تو میرے ہمراہ رہیگا تو میں تیرے موجودہ گھر سے بھی اچھا گھر بنوا دونگا عمر نے کہا میرے پاس زرخیز و شاداب جاگیر ہے۔ ابن زیاد اُسے ضبط کر لیگا۔ اور میری اولاد محروم رہجائیگی۔ امام حسینؑ نے کہا اس بات سے بھی مطمئن رہ تجھے اسکے عوض اس سے بھی زیادہ زرخیز اور سرسبز و شاداب جاگیر جو حلال ہے حجاز میں عطا کرونگا۔ عمر سنکر خاموش ہو رہا کچھ جواب نہ دیا۔ امیر المومنین حسینؑ یہ حال دیکھکر واپس چلے آئے اور فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے اور عاقبت میں نہ بخشے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید کرتا ہوں تجھے عراق کے گیہوں کھانی نصیب نہ ہوگی۔ عمر نے کہا اے حسینؑ اگر گیہوں نہ ملینگے تو اُسکے عوض جَو ہی کھا لونگا یہ کہکر اپنے لشکرگاہ کو واپس چلا گیا ۱۱ روضۃ الصفا کی موافق ابتدا الکلام حضرت نے کی تھی

ابن سعد کے عذر کی نوعیت

تاریخ غیبی کے موافق حضرت نے ابن سعد سے مخصوص بات یہ کی کہ "تم مجھسے وہ بات کیوں نہیں قبول کرتے جو رسولؐ مشرکوں سے قبول کرتے تھے" اور سوال یہ کہا کہ

دشمنوں کی الگ صلح [illegible]
[illegible]
یا دو دوسے تھی۔

جب مشرکین صلح چاہتے تھے تو رسول اُسے قبول کر لیتے تھے۔

ابن سعد کو ابن زیاد کے خلاف انسانیت احکام

اس گفتگو کی خبر سُنکر ابن زیاد نے عمر ابن سعد کو بقول ابن خلدون لکھا ہے " میں نے تجھکو حسینؑ کیطرف اس غرض سے نہیں بھیجا تھا کہ تو اُس سے لیت ولعل میں اوقات گذاری کرے اور اُسکی سفارش مجھسے کرے میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اگر حسینؑ اور اُسکے ہمراہی ہمارے حکم کی اطاعت کریں تو صلحنامہ لکھکر ہمارے پاس اُنکو بھیجدو اور اگر انکار کریں تو حملہ کرو یہانتک کہ اُنکو قتل کر کے مثلہ کر ڈالو کیونکہ وہ اسکے مستحق ہیں اور بعد قتل کے جسم و سینہ کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کرانا وہ بڑا ظالم۔ جفا کار۔ خود سر۔ نافرمان ہے۔ پس اگر تو ہمارے حکم کی تعمیل کریگا تو تجھکو تابعداروں و فرمانبرداروں جیسا صلہ دیا جائیگا اور اگر کچھ بھی سرتابی کرنے کا قصد ہو تو ہم تجھکو معزول کرتے ہیں اور بجائے تیرے شمر کو لشکر کی سرداری دیتے ہیں "

حکم کے نفاذ کے لئے دوسرا حکم

" پھر شمر سے مخاطب ہو کر بولا۔ عمر بن سعد اگر ہمارے اس حکم کی تعمیل پر مستعد ہو تو بہاتم اُس کی اطاعت کرنا ورنہ وہ معزول اور تم اُسپر اور کل لشکر پر امیر ہو۔ ساتھ ہی اُسکا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدینا "

حضرت عباسؑ اور اُنکے بھائیوں کے لئے امان نامہ

" ابن خطاب کے لکھتے وقت اتفاق سے عبد اللہ بن ابی محل بن حزام بیٹھے ہوئے تھے (اُنکی پھوپھی ام البنین بنت حزام امیر المومنین علیؑ کے عقد میں تھیں جنسے۔ عباسؑ و عبد اللہ و جعفر و عثمان پیدا ہوئے تھے) ابن زیاد سے کہا ہمارے بھانجوں کے لئے امان نامہ لکھدو چنانچہ ابن زیاد نے لکھدیا جسکو عبد اللہ ابن ابی محل نے اپنے ایک غلام کی معرفت بھیجدیا۔ عباس و عبد اللہ وغیرہم پسران امیر المومنین علیؑ نے کہا ہمکو تمہاری امان کی ضرورت نہیں ہے ابن سمیہ کی امان سے اللہ تعالیٰ کی امان بہتر ہے "

حضرت عباسؑ امان سے انکار کرتے ہیں

ابن خلدون نے قرابت میں غلطی کی ہے اگر حضرت ام البنینؑ عبد اللہ ابن ابی محل کی پھوپھی تھیں تو حضرت عباسؑ وغیرہ اُنکے بھانجے نہیں ہو سکتے تھے بلکہ پھوپھی زاد بھائی۔ اعثم کوفی ابن ابی محل سے حضرت ام البنینؑ کو " چچا زاد بہن " اور حضرت عباسؑ وغیرہ کو " بھانجے " کہلواتا ہے۔ نیز اس مورخ کے موافق امیر المومنین نے یہ عقد کوفہ میں کیا تھا۔

(ابن خلدون)

" تھوڑی دیر کے بعد شمر پہونچا ابن زیاد کا خط دیکھکر ابن سعد نے کہا افسوس۔ میں تو سہ

سمجھا تھا کہ میری درخواست قبول کر لی گئی اور تو صلح کرنیکی اجازت لیکر آیا ہے۔ شمر بولا یہ تو تمہارے سمجھ کی غلطی ہے۔ اب بتلاؤ کیا کروگے۔ جواب دیا مجبوراً تعمیل کرونگا"۔

ابن سعد حضرتؑ کے متعلق

کامل ابن اثیر کے موافق ابن سعد نے شمر سے کہا "تو نے بات خراب کی وہ (حسینؑ) بیعت نہ قبول کرے گا۔ اسلئے کہ اُسکے باپ کا نفس اُسکے پہلو میں ہے اور وہ کبھی ذلّت گوارا نہ کرے گا"۔

حضرت کا دفاعی انتظام

اب بقول صاحب سرّ الشہادتین جب حضرت کو یقین ہوا کہ لوگ لڑینگے تو آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اُنکے لشکر کے گرد خندق کھود دیں اور صرف ایک دروازہ رکھا جائے جس سے نکلکر جنگ کیجائے۔

کامل ابن اثیر کے موافق حضرت نے اصحاب کے خیمہ کا معائنہ کیا اور حکم دیا کہ خیمونکو ایک دوسرے کے قریب کر دیں دشمنوں سے جنگ کے وقت ایک طرف سے خیمونکے آگے سے مخاطب ہوں کہ خیمے داہنے بائیں اور پیچھے رہیں۔

ابن خلدون اور گبن نے یہ بھی کہا ہے کہ خیموں کی "رسیاں ایک دوسرے سے ملا دو"۔

صاحب روضۃ الشہدا بنی اسد کو امادہ مدد کرتا ہے

روضۃ الشہدا کے موافق حبیب ابن مظاہر اسدی نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ اس علاقہ میں بنی اسد رہتے ہیں اگر آپکی اجازت ہو تو آپکی مدد کیلئے بلاؤں حضرت نے اجازت دی۔ حبیبؓ گئے اور کہا اے لوگو! نواسہ رسولؐ کو بائیس ہزار دشمنوں نے گھیرا ہے۔ تم میرے عزیز ہو میں تمہیں نصیحت کرنے آیا ہوں کہ اگر تم شفاعت رسولؐ کے مستحق ہونا چاہتے ہو تو اُنکی مدد کرو۔ انکی بات سُنکر عبداللہ ابن بشر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ پہلا شخص جو محبت کا دعویٰ اور دعوت قبول کرتا ہے میں ہوں۔ حبیبؓ نے مبارکباد دی اور نوسّے آدمی مسلح ہو کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چلے۔ اتفاق سے انمیں سے کسی نے ابن سعد کو خبر دی اور اُس نے ازرق شامی کو ایک ہزار سوار کے ساتھ روکنے کو بھیجا فرات کے کنارہ جنگ ہوئی۔ بنی اسد کے کچھ لوگ شہید ہوئے بقیہ اپنے قبیلہ کی طرف واپس گئے۔

ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ حسینؑ نے قبائل سے مدد طلب کرنی شروع کی ہے تو اُس نے ابن سعد کو لکھا کہ اگر تو ابھی حسینؑ سے جنگ نہ شروع کریگا تو مستوجب سیاست ہوگا۔ یہ

یہ محرم کی نویں تاریخ تھی"

مشورۂ جنگ اور بریر

اگر حضرت نے مشورۂ جنگ آٹھویں شب کو کیا تو اسکی مخصوص صورت یہ تھی کہ بریر بن خضیر ہمدانی نے کہا (جو بڑے عابد و زاہد مشہور تھے) کہ اے نواسہ رسول کام نہایت سخت آپڑا ہے۔ میرے نزدیک بجز اسکے کوئی چارہ نہیں ہے کہ جاؤں اور ابن سعد کو نصیحت کروں شاید اُسپر کچھ اثر ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہاری صوابدید پر کسی کو کچھ اضافہ کرنا نہیں ہے۔ اجازت پاکر بریر گئے۔ ابن سعد اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا۔ بریر بے اجازت داخل ہوئے اور بغیر سلام کیئے ایک طرف بیٹھ گئے۔ ابن سعد کو غصہ آیا اور کہا کہ کیا میں مسلمان نہیں ہوں جو تو نے مجھے سلام نہیں کیا۔ بریر نے کہا جناب رسولؐ نے فرمایا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (مسلمان وہ ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں) تو نے اہلبیت نبی پر پانی بند کیا ہے۔ اُن پر زبان تیز کی ہے۔ فرزند رسولؐ سے ارادہ جنگ رکھتا ہے اور اُنکی عترت کے مقابل میں صف کشی کی ہے۔ یہ سُنکر ابن سعد دیر تک سر جھکائے رہا اور اسکے بعد کہنے لگا۔ اے بریر تم سچ کہتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ جو انسے لڑے گا اور انکے حقوق کو غصب کریگا اُسکی جگہ جہنم میں ہے۔ مگر اے بریر رے کا علاقہ بہت وسیع اور زرخیز ہے مجھے وہ نہیں چھوڑا جاتا۔ میرا دل حکومت اور فرمانبرداری کی ہوس سے باز نہیں آتا۔

بریر اور ابن سعد

روضۃ الشہدا واعثم کوفی وغیرہ

ابو مخنف کے نزدیک انس بن کاہل گئے تھے اور انکے سوال پر ابن سعد نے اپنا موںھ ایک طرف پھیر لیا اور کہا خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اُنکا قاتل جہنم میں جائیگا لیکن لازماً مجھے ابن زیاد کا حکم نافذ کرنا پڑے گا۔

ابن سعد کا انداز

بریر واپس آئے اور حضرت سے عرض کی کہ عمر سعد سخت گمراہی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ حکومت رے کی لالچ میں آپکے قتل کو آسان بات سمجھتا ہے۔ مینے دیکھ لیا کہ وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیگا اور جو خدمت اُسکے سپرد کیگئی ہے اُسے عمل میں لائیگا۔

صورت معاملہ کی اطلاع پر حضرت نے خیمہ کے گرد کی خندق میں لکڑی بھروادی اور اُسمیں آگ دیدینے کا حکم دیا کہ شب خون نہ مارا جاسکے۔ آگ روشن دیکھکر ایک سوار جسکا نام مالک بن عروہ یا مالک بن حوزہ تھا خندق کے پاس آکر کھڑا ہوا اور بولا کہ اے حسین بن علی تم نے

دشمن کا طعنہ

آگ کیطرف بہت جلدی کی - آتش دوزخ میں جانے سے پہلے اس دنیا میں اپنے گرد آگ جلائی - ایک دوسرے نے آواز دی کہ اے حسینؑ تمہیں محمد مصطفےٰ سے کیا قرابت ہے تیسرا کہتا تھا کہ اے حسینؑ دیکھو دریائے فرات کسطرح موج مار رہا ہے یہ پانی تمہیں ہرگز نہ ملیگا یہانتک کہ تم پیاس سے ہلاک ہو جاؤگے !!!

حسینؑ کی دعا اور اصحاب کی تکبیر

مورخین جنہوں نے متذکرہ صدر روایتیں لکھی ہیں اُسکے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے کی گفتگو سُنکر حضرت نے فرمایا کہ کذبت یا عدو اللہ جھوٹ کہا تو نے اے دشمن خدا - تو گمان کرتا ہے کہ میں دوزخ میں جاؤنگا اور تو بہشت میں جائیگا - مسلم ابن عوسجہ نے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں تیر سے اسے ہلاک کردوں لیکن حضرت نے یہ فرماکر رد کیا کہ میں جنگ میں پیش دستی نہیں کرنا چاہتا - یہ کہا اور آسمان کیطرف ہاتھ اٹھا - زبان اقدس پر جاری تھا کہ اللھم احرقہ بالنار (خداوندا اُسے آگ سے جلا دے) اور یہ ہوا کہ اُسکے گھوڑے کا سم سوراخ میں چلا گیا اور بھڑکا اور بھڑکتے ہی وہ گھوڑے کی پیٹھ سے اُس آگ میں گر پڑا جسے اُسنے ذریعہ طعن بنایا تھا اور جل گیا (ابو مخنف اور ابن خلدون نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسروق وائل حضرمی جو اسکے ساتھ میدان میں آیا تھا یہ دیکھکر کہتا ہوا لوٹا میں اس خاندان سے نہ لڑونگا انکی بد دعا میں بہت بڑا اثر ہے) اصحاب حسینؑ نے یہ دیکھکر تکبیر کہی !

دوسرے کا کلام سُنکر کمال غیرت سے آپنے آسمان کیطرف دیکھا اور عرض کی کہ خداوندا یہ کہتا ہے کہ تیرے پیغمبر سے میری کوئی قرابت نہیں ہے تو اسے بہی آج ہی ذلیل کر اور بہت جلد اسے اس کہنے کی سزا دے - اور ایسا ہوا کہ یہ شخص قضائے حاجت کیلئے گیا اور ایک بچھو نے اسے ڈنک مارا یہ اپنی نجاست میں لوٹتا رہا اور شدید زہر کی تکلیف سے وہیں مر گیا - تیسرا بھی گھوڑے سے گرا - پیاس کا غلبہ ہوا اور پانی پیتے پیتے مر گیا -

دوسرا عمرو ابن سعد کا لشکر حرکت کرتا ہے

کامل ابن اثیر کے موافق نویں تاریخ کو حضرت نماز صبح پڑھ چکے تھے کہ ابن سعد کے لشکر میں حرکت ہوئی اور وہ آگے بڑھا بعد مورخین نے بعد عصر بھی کہا ہے - اور چونکہ آج جنگ کی ابتدا تھی اور سپہ سالار لشکر خود فوج کے ساتھ تھا - قیاس آسان ہے کہ نمائش اور اظہار شوکت کے لیے قریب قریب تمام فوجیں ترتیب اور انتظام سے بڑھائی جاری ہونگی - سوار دل

اور پیادوں کی اپنی صفیں بڑھ رہی ہونگی۔ اکیس بائیس ہزار سوار اور پیادوں کی یہ فوجی آمادگی بجائے خود ایک مہیب منظر ہوگا۔ اور جنگی باجوں کے شور نے ایک عالم پیدا کیا ہوگا۔ یقیناً یہ موقع نہ تھا جبکہ شجاعت کو شام کے لشکر کی آمادگی پر ناز ہوتا۔ حضرت خیمہ کے آگے تلوار لیے بیٹھے تھے اور نیند کے عالم میں تھے۔ حضرت زینبؑ قریب بیٹھی تھیں کہ ہتھیار وں کی جھنکار سموں کی آواز اور سوار وں کے شور سے آپ نے حضرت کو مطلع کیا۔ بقول ابن خلدون "عباسؑ بن علیؑ نے عمر بن سعد کو آتے دیکھکر کہا بھائی اٹھو مخالفین آپہونچے۔ آپ نے فرمایا چلو ہم بھی سوار ہوکر چلتے ہیں۔ عباسؑ بن علیؑ نے کہا نہیں۔ میں ہی جاؤنگا۔ امام حسینؑ نے اس رائے کو پسند فرماکر ارشاد کیا بہتر ہے تمہیں جاؤ دریافت کرو۔ کیوں آئے ہیں۔ غرض کیا ہی۔ غرض عباسؑ بیس آدمیوں کے ساتھ سوار ہوکر تشریف لیگئے۔ آنے کی وجہ دریافت کی۔ عمر بن سعد نے لفظاً بلفظ ابن زیاد کے خط کا مضمون بتلادیا۔ عباسؑ نے کہا ٹھہرو عجلت نہ کرو۔ ابوعبداللہ حسینؑ کو اس خبر کی اطلاع کرتا ہوں۔ یہ کہکر عباسؑ لوٹ کر امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور اُن کے ہمراہی عمر بن سعد کے مقابلہ پر کھڑے ہوئے اللہ جلشانہ کا ذکر کرتے رہے"

بہن کی اطلاع

عباسؑ کی پیشروی

"امام حسینؑ نے عباسؑ سے کہا جاؤ ابن سعد سے جاکر کہدو کہ ہم کو شب بھر کی مہلت دے کہ ہم استغفار و دعا کرلیں اپنے رب کی نماز پڑھیں تلاوت کریں صبح کو جو ہونیوالا ہوگا ہوگا۔ عباسؑ نے واپس ہوکر ابن سعد سے کہا اسوقت تو تم لوگ واپس چلے جاؤ صبح تک ہمکو مہلت دو انشاء اللہ ہم لوگ کل یا تو تمہاری اطاعت کرلینگے یا جو مناسب ہوگا کیا جائیگا۔ عمر سعد نے شمر سے استمزاج کیا۔ شمر نے کہا تم امیر ہو جو چاہو کرو۔ یا لوگوں سے اس بابت دریافت کرو۔ عمر بن حجاج الزبیدی نے قطع کلام کرکے کہا۔ سبحان اللہ اگر حسینؑ اہل دیلم سے ہوتے اور یہ درخواست پیش کرتے تو بھی تمکو قبول کرنا ضروری تھا۔ قیس بن اشعث بن قیس بولا منظور کرلو لیکن اپنی قسم وہ صبح کو تم سے ضرور لڑینگے۔ عمر بن سعد نے جھلاکر کہا اگر مجھے یہ یقین ہوجاتا تو بھی ہم یہ وقت ٹال جاتے۔ اسکے ہمراہی یہ سنکر خاموش ہورہے اور عمر بن سعد واپس ہوکر اپنے لشکرگاہ میں چلا آیا"

ایک شب کی مہلت

قیس کی پیشنگوئی

کامل ابن اثیر کے موافق حضرت عباسؑ نے دشمن کے مقابل ہوکر فرمایا کہ جلدی نہ کرو ہم ابی عبداللہ کے سامنے پیش کریں اور آپ حائل رہے اور غدا کو یاد دلاتے رہے +

اسوقت کی حالت

اعثم کوفی کے نزدیک حضرت عباسؑ اپنے بھائیوں کو بھی اپنے ہمراہ لیگئے۔ دشمن کا پیام سُنکر حضرت غور میں رہے"۔ عباسؑ کھڑے تھے اور اصحاب اُنلوگوں سے گفتگو میں مصروف تھے۔ حبیب ابن مظاہر اسدی نے کہا قیامت کے دن جب تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤگے تو بہت بُری قوم ہوگے اور پیغمبرؐ کے فرزند اور اہلبیت اور متقی عابد زاہد نیک لوگوں کے قاتلوں میں شمار ہوگئے۔ امام حسینؑ پہلے سے بیٹھے ہوئے اُنلوگوں سے لڑنیکے تدبیر سوچ رہے تھے"۔

التوائے جنگ اور محاصرہ

ناسخ التواریخ اور روضۃ الشہدا کے موافق اس گفتگو کے بعد اگرچہ جنگ نہ چھڑی لیکن عمر سعد کا لشکر وہیں اُتر پڑا اور گویا حضرت کا چھوٹا سا لشکر اس وقت سے خصوصیت سے فوجی محاصرہ میں آگیا۔ اور عمر سعد کے کثیر لشکر کے لیے بیس اکیس خیموں اور دو سو اسی آدمیوں کا محصور کر لینا آسان سے بھی زیادہ آسان تھا۔

(ابن خلدون)

حضرت کا خطبہ

غالباً اسی کے بعد "امام حسینؑ نے اپنے ہمراہیوں کو جمع کر کے خطبہ دیا جسکا مضمون یہ تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کی عمدہ ثنا کرتا ہوں اور اُس کی تعریف ظاہر و پوشیدہ کرتا ہوں۔ ای خدا میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے عہد کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور ہمکو گوش و چشم و قلوب (دم) عطا کیا اور قرآن کی تعلیم اور دین کی سمجھ دی پس ہم تیرا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ اما بعد میں اپنے ہمراہیوں سے نہ زیادہ کسیکو باوفا سمجھتا ہوں اور نہ اُسنے کسیکو بہتر جانتا ہوں اور نہ میرے اہلبیت سے کوئی نیک زیادہ اور نہ اُنسے کوئی شخص رشتہ کا لحاظ رکھنے والا ہے۔ پس تم سبھونکو اللہ تعالےٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آگاہ ہو جاؤ مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ کل یہ اعدا مجھسے ضرور لڑینگے۔ میں تمکو خوشی سے اجازت دیتا ہوں جسکا جس طرف جی چاہے چلا جائے میرا کچھ حق اُسپر نہیں ہے۔ لیکن مناسب ہے کہ تم میں سے ہر شخص میرے اہلبیت میں سے ایک ایک کو اپنے ہمراہ لیلے۔ تم سب کو اللہ تعالےٰ جزائے خیر عطا کرے گا۔ اور اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی طرف منتشر ہو کر چلے جاؤ۔ شاید اللہ تعالیٰ تمکو اس تکلیف سے بچالے کیونکہ شامی میرے خون کے پیاسے ہیں اگر مجھے پا جائینگے تو دوسرے کی جستجو نہ کریں گے"۔

دیگر مورخین نے بھی یہی کہا ہے صرف بعض میں لحن کا تھوڑا سا فرق ہے۔ اور کسی نے

تھوڑی سی کوئی نئی بات لکھی ہے۔ مثلاً صاحب روضۃ الشہدا کہتا ہے کہ حضرت کرسی سلح پر میدان میں تشریف رکھتے تھے۔ اور فرمایا کہ "میں نے کسیکو اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا نہیں پایا (یا قسم) اور اپنے اہلبیت سے زیادہ کسیکو زیادہ رحیم اور نیکوکار نہیں دیکھا میں نے تمپر سے اپنی بیعت اُٹھالی اور یہ مہلت میں تمہارے لئے طلب کی تھی"! اعثم کوفی میں اصحاب سے

مہلت کی غرض

فرماتے ہیں کہ دشمنے میرے حق میں خدا کی نہیں کی اور میں تمہاری بہتری و بھلائی اسی بات میں سمجھتا ہوں کہ جیسے رات ہو جائے۔ اسنے میرے دوستو رفیقو۔ اور خاندان والو بھائی بند اور غلامو تم میں سے ہر شخص میرے بھائیوں اور فرزندوں میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر جسطرف دل چاہے چلا جائے کیونکہ جہاں کہیں جاؤ گے لوگ اچھی طرح پیش آئینگے کوئی شخص تم سے تعرض نہ کریگا۔ تم مجھے اس جگہ تنہا چھوڑ جاؤ کیونکہ انکو صرف مجھسے دشمنی ہے وہ مجھے تنہا پاکر قتل کرینگے اور تم سے کچھ نہ کہینگے۔ میرے مارے جانے کے بعد تم زندہ رہوگے"!

تاریخ کامل ابن اثیر کے موافق فرمایا "حمد کرتا ہوں خدا کی اوپر ضرر اور نفع کے.....

میں اذن دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ۔ یہ رات تمہیں ڈھانکے ہوئے ہے......"!

شہید اسلام کے فاضل مولف کے موافق حسینؑ نے خطبہ کے بعد شمع گل کر دی کہ جانے والوں کو حجاب نہ ہو"!

اصحاب کا جواب

اب شروع ہوا اصحاب اعزا۔ اور غلام کا وہ جواب جو اپنے موقع کے لحاظ سے تاریخ عالم میں عدیم المثال ہے۔ اور جو ایثار نفس۔ محبت اور قربانی کے لحاظ سے اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ بقول ابن خلدون :-

"وہ اس فقرہ کا تمام ہونا تھا کہ سب کے سب چلا اُٹھے۔ آپکے بھائی۔ اور لڑکوں۔ اور بھتیجوں اور عبداللہ ابن جعفر کے لڑکوں نے رو کر کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ آپکے بعد ہم باقی رہجائیں اللہ تعالی ہمکو یہ دن نہ دکھلائے"!

"امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے بنی عقیلؑ! الحسن بس مسلمؑ کی شہادت کافی ہے۔ تم لوگ جاؤ میں تمکو خوشی سے اجازت دیتا ہوں"! بنی عقیل بولے:-

"آپ سے علیحدہ ہو کر ہم لوگوں سے کیا کہینگے؟ کیا یہ کہینگے کہ ہم اپنے شیخ اپنے سردار۔ اپنے

بہترین چچا کے شہر میں۔ لڑکے کو دشمنوں کے قبضہ میں چھوڑ آئے اور اُنکے ساتھ ایک تیر بھی نہ پھینکا اور نہ اُنکے ساتھ تلوار چلائی۔ واللہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ کیا کرینگے اور نہ آپکو تنہا چھوڑ جائینگے۔ بلکہ ہم اپنے کو اور اپنے مال کو اور اپنے اہل کو آپ پر فدا کر دینگے اور آپکے ساتھ ہو کر لڑینگے یہانتک کہ ہم تمہارے ساتھ جہاں تم جاؤ گے جائینگے۔ اللہ تعالیٰ اُس عیش کو نہ دکھائے جو تمہارے بعد ہم کو ملے!!

مسلم بن عوسجہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

"کیا آپ کو تنہا ہم چھوڑ کر چلے جائیں؟ حالانکہ ہم آپکے حق سے ادا نہیں ہوئے۔ خدا کی قسم ہم آپکو اُسوقت تک نہیں چھوڑ سکتے جب تک آپکے دشمنوں کے سینوں میں اپنے تیر نیزوں کی نوک نہ چبھو لینگے۔ اپنی تلوار سے جبتک وہ ہمارے قبضہ میں ہے انکی گردنوں کو تن نازک سے نہ جدا کر لینگے۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس کوئی آلۂ حرب نہ ہوتا تو میں آپکی حمایت میں پتھروں سے مارتا یہانتک کہ میں اپنے آپکو آپ پر فدا کر دیتا!!"

"مسلم بن عوسجہ کی اس پرجوش تقریر سے سبھونکے دل بھر آئے اور وہ بھی بالاتفاق یہی کہنے لگے۔ آپنے اُنلوگونکو دعائیں دیکر رخصت کیا۔ خیمہ میں تشریف لیگئے۔ شام کا وقت تھا طبیعت بھری ہوئی تھی دردناک اشعار پڑھنے لگے!!

بعض کے موافق مسلم بن عوسجہ نے کہا کہ ہم "دشمنان دین اور دشمنان فرزند رسولؐ سے لڑینگے۔۔۔ کہ لوگ دیکھیں کہ غیبت رسولؐ میں آپکا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہ تو ایک دفعہ کا مرنا ہے اور یہاں سے ایسی جگہ جانا ہے جہاں کی کرامتوں کی نہایت نہیں ہے!!

صاحب لہوف کے موافق سعید بن عبد اللہ حنفی کھڑے ہوئے اور عرض کی!۔

"بخدا یا ابن رسول اللہ ہم آپ کو تنہا نہ چھوڑینگے یہانتک کہ خدائے پاک جانے کہ ہم نے اُنکے بارہ میں اُس رسولؐ وصیت کے ساتھ حفاظت کی جسکو جناب رسول خدا صلعم فرما گئے تھے۔ اگر میں اس بات کو جان لوں کہ میں آپکی مدد میں قتل کیا جاؤنگا اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر زندہ جلایا جاؤں۔ میری راکھ بھی اُڑا دیجائے اور اس صورت سے ستر مرتبہ میرے ساتھ عمل کیا جائے۔ تو بھی میں آپ سے جدا نہ ہونگا۔ یہانتک کہ آپکے قدموں کے نیچے مرجاؤں اور کیونکر نہ میں ایسا کروں حالانکہ صرف ایک مرتبہ مرنا اور قتل ہونا ہے۔ اور پھر میں ابھی کرامت کو

پہنچونگا جسکی انتہا کبھی نہیں ہے"!

"پھر زہیر ابن قین کھڑے ہوکر کہنے لگے" یا ابن رسول اللہ - بخدا میری خواہش ہے کہ میں ہزار بار مارا جاؤں اور زندہ کیا جاؤں مگر خدا ہے تو انا آپ کو اور آپکے ان نوجوان بھائیوں اور فرزندوں اور اہلبیت کو قتل و غارت سے بچاوے"

"اسکے بعد سب نے اسیطرح کے کلام کیئے اور کہا کہ ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں ہم آپ کو اپنے ہاتھوں اور چہرے سے بچاوینگے - پس ہم جب آپکے حضور میں قتل ہو جاوینگے اسوقت ہم اپنے خدا سے برحق کی درگاہ میں اپنا وعدہ وفا کرینگے اور جو ہمپر فرض تھا اسکو ادا کر چکیں گے"!

محمد بن بشیر حضرمی کے لڑکے کی گرفتاری

"اسی حالت میں محمد بن بشیر حضرمی سے کہا گیا کہ تمہارا فرزند حدود رے پر قید کر لیا گیا ہے اسنے کہا کہ خدا کے حضور میں اسکو تو اپنا پیش کرتا ہوں اور اپنی جان کو بھی خدا کی نذر کرتا ہوں۔ ہاں مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں رہوں اور وہ قید کر لیا جاوے"!

حضرت کی اجازت

"یہ بات انکی سید الشہداء نے سنی اور فرمایا کہ خدا تمپر رحمت کرے تم میری بیعت سے آزاد ہو اپنے فرزند کی رہائی میں کوشش کرو - ابن بشیر نے جواب دیا کہ مجھکو درندے کھا جائیں اگر میں آپ کو چھوڑدوں - سید الشہداء نے فرمایا کہ اپنے فرزند کو یہ چادریں دو کہ اسی کے ذریعہ سے اپنے بھائی کو رہا کرالیوے - پھر حضرت نے پانچ چادریں انکو دیں جنکی قیمت ایک ہزار اشرفی تھی"!

"اعثم کوفی کے موافق" یہ باتیں سنکر بھائیوں اور اہلبیت نے کہا معاذ اللہ ہم اس امر سے ہرگز رضامند نہیں کہ آپکے دوست ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہر جگہ لیئے پھریں ....."!

شب عاشور

شب عاشور یا شہداء کربلا کے حیات کی آخری رات زمانہ کے اس ٹکڑے میں ہم چند آمادگان شہادت نے اسلیئے مخصوص کیا تھا کہ اس میں خدا کی عبادت کریں۔ محفوظ ہو جانے کیلیئے نہیں۔ تدبیروں کے لیئے وقت حاصل کرنیکو نہیں - لذات دنیاوی میں آخری مرتبہ مصروف ہونے کیلیئے نہیں - عبادت کیلیئے - عموماً مورخین اعثم کوفی کے ہمزبان ہیں کہ رد کہ لشکر کے واپس جانیکے بعد امیر المومنین حسین نے تمام رات اللہ تعالی کی عبادت میں گذاری - رکوع و سجود میں مصروف رہے - اور گریہ و زاری کے ساتھ اپنی بخشش اور نجات کی دعا مانگتے تھے اسیطرح

آپ کے بھائی اور فرزند اور تمام اہلبیت اور دوست رات بھر مصروف عبادت رہے دم بھر کیلئے بھی کوئی نہ سویا سب اپنی مغفرت کیلئے دعائیں مانگنے اور تسبیح و تہلیل میں محو تھے" اس شب کو حسینؑ کے فرائض اور اشغال کے تذکرہ میں شاعر خوب کہتا ہے کہ ؎

گاہ فرمودے پرستاری فرزند علیل گاہ کردے مرحمت نسبت بہ اولاد عقیل

گاہ شستے ز اشک چشم از گیسوئے قاسم غبار کہ سر عباسؑ را گرفتہ در کنار

اس بات کے سمجھنے کیلئے کہ یہ شب انصار کیلئے افسردہ غور اور مایوسی کی تھی یا وہ صبح اور اسکے ناگوار حوادث کیلئے بے چین تھے میں لہوف سے یہ روایت پیش کرتا ہوں کہ بریر ابن حضیر ہمدانی اور عبدالرحمن بن عبد ربہ انصاری در خیمہ پر کھڑے تھے اسوقت بریر ہمدانی عبدالرحمن انصاری سے مذاق و خوش طبعی کرنے لگے عبدالرحمن نے بریرؓ سے کہا کہ یہ دقت ایسے امر باطل کا نہیں ہے۔ بریر نے کہا کہ میری قوم خوب جانتی ہے کہ میں نے کبھی بڑھاپے اور جوانی میں بری بات نہیں پسند کی نہ اسوقت لیکن میں اسکو حصول بشارت کیلئے کرتا ہوں کہ جسکی طرف میں جاتا ہوں بخدا وہ بشارت یہ ہے کہ ہم اس قوم سے تلوار لیکر ملینگے تھوڑی دیر لڑیں گے اور پھر حوروں سے بغلگیر ہونگے"

روایت جس سے اطمینان ثابت ہوگا

صبح ہوگئی۔ دنیا کی سب سے مشہور صبح۔ وہ صبح جسے ابد الآباد تک آنیوالی اور الست تک گذر جانیوالی صبحوں پر فخر ہے۔ کہ ہم وہ تھے جسنے عالم کا یہ سرمایہ حیرت تماشہ دیکھا کہ ہزاراں ہزار مطمئن دشمنوں کے مقابلہ میں چند نفوس کو بھوک اور پیاس نے دل شکستہ نہیں کیا۔ انھیں شب کی عبادت نے سیر نہیں کیا۔ بقول روضۃ الشہدا "چوں آفتاب صبح ظاہر شد امام حسینؑ بانگ نماز گفت یاراں جمع شدہ تیمم کردہ سنت ادا کردند و فرض را بجماعت گذاردند" اور وہ آخری مرتبہ کمر بندی کے قبل اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ مایوس نہیں ہوئے۔ وہ اپنے اعتقاد میں متزلزل نہیں ہوئے۔ وہ ایک تالاب تھے جنھیں محیط نے مین بے ہوا اور موجوں سے مستغنی کردیا تھا انکے سکوں میں تغیر لانیوالی کوئی قوت پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہ ایک پہاڑ تھے جسے تیز اور تند ہوائیں متحرک نہیں کرتیں۔ وہ تھے اور عبادت تھی۔ عبادت تھی اور وہ تھے کاش ابن مریم انھیں دیکھتے۔ کاش موسیٰ عمران ان کی زیارت کرتے۔ کاش داؤد انکا مطالعہ کرتے۔

کاش ہم بہشتی لوگ غور کرتے کہ اُنکی شانتی کا تصور اپنے درجہ میں اس سے کہاں تک مقابل تھا۔ اُنکے لیئے کوئی خوف نہ تھا۔ انکے لیئے کوئی آرزو آرزو نہ تھی۔ صرف انکے خاموش چہروں میں آنکھیں تھیں جو اِدھر اُدھر پھیر لی تھیں جدھر امام حرکت فرماتے تھے۔ دل میں ایک حرکت تھی کہ ہم کس طرح اپنے امام کی بہتر طریقہ سے حفاظت کر سکیں۔ اسکی فکر نہ تھی کہ ہم نہ رہینگے۔ غم اسکا تھا کہ ہمارے بعد امام پہ کون قربان ہو کر امام پر آنچ نہ آنے دیگا۔

حسینؑ کا آخری خواب

لیکن۔ نماز صبح کے قبل حسینؑ کے آخری خواب کا واقعہ ہے جسے روضۃ الصفا اور روضۃ الشہداء وغیرہ سے نقل کرتا ہوں کہ "حسینؑ کو ذرا سی جھپکی آگئی تھی کہ پھر اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ ابھی میں نے خواب دیکھا ہے کہ بہت سے کتے مجھ پر بھونک رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کاٹیں۔ انہیں سے ایک ابلق کتا سب سے زیادہ جرأت کر رہا تھا۔ ظن غالب ہے کہ میرا قاتل مبروص ہوگا۔ اُسی وقت میں نے اپنے جد بزرگوار کو دیکھا اور وہ فرما رہے تھے کہ اے فرزند تو شہید آلِ محمدؐ ہے۔ ملائکہ اعلیٰ علیین تیرے استقبال کیلیئے مستعد ہیں۔ آج میرے پاس افطار کرنا۔ جلدی کرو اور ناخوش دل نہ ہو۔ اے میرے عزیز اور احباب میری موت قریب ہے اور زندگی کی کوئی اُمید نہیں ہے"

تعبیہ لشکر شام

سعد ابن ابی وقاص کا لڑکا تعبیہ لشکر میں مصروف ہوا۔ اور یقیناً کوئی کثیر لشکر اپنے اسلحہ اور سامان اپنے سپاہیوں اور انتظام کے باوجود اپنی ترتیب کے وقت ویسا ذلیل نہیں ہو سکتا تھا جیسا شام کے حاکم کا یہ لشکر۔ شاید ہی کسی لشکر کو اپنی فتح کا ایسا یقین ہو جیسا عمر سعد کے لشکر کو تھا۔ اور شاید کوئی لشکر اپنی فتح کے یقین کے بعد بھی ایسا ذلیل ہوا ہو جیسا یہ لشکر ہوا۔ یہ آخر یہ کون سے مقابل لشکر کیلیئے صفیں درست کر رہا تھا۔ مقابل کون تھا۔ کوئی لشکر کہاں تھا جو تیس یا اکیس ہزار سپاہیوں کی گھنی صفوں سے ٹکراتا۔ کہے کوئی اگر کوئی کہہ سکے کہ حسینؑ کے چند رفقا کا شمار لشکر میں ہے۔ خوب کہتے ہیں ابو الفضل بادشاہ حسینؑ صاحب بی۔ اے اپنے رسالہ حسینؑ ان فلاسفی آف ہسٹری میں کہ "حسینؑ کے تمام لشکر میں مشکل سے ایک آدمی لڑنے کے قابل تھا۔ ضعیف اور متزلزل ڈھانچے جنکو شدت عطش اور نقاہت سے بغیر ٹھوکر کھائے چلنا دشوار ہوتا اب اپنے عالم نزع میں ان سپاہیوں سے لڑنا تھا جسے شجاع عزیز عرب

فخر کر سکتا تھا۔ تاہم حسینؑ انکی آخری وصیت تھی نوجوان نمو پاتے ہوئے جنکا شباب
بھی ابھی پورا نہ ہوا تھا اور نہ جنکے شادی کی حنا کی سرخی مٹی تھی انہوں نے اُنکی ماؤں اور بہنوں
نے شہید ہو جانے کی خواہش کی تھی۔ قاسمؑ جیسے ایسے بارہ برس کے بچے جنہیں گھوڑے
پر سوار ہونے کیلئے دوسرے کی مدد کی ضرورت تھی آکر امادت شہادت کو دیو خصال
کافروں کے مقابلہ میں بچانے کیلئے کھڑے تھے!! مجھے اسقدر اور کہہ دینا ہے کہ شام کی انبوہ کثیر
کے مقابل میں حسینؑ کے سپاہیوں کی تعداد اُسوقت پوری ہوتی ہے جسوقت حسینؑ کے
لشکر میں حضرت علی اصغرؑ کا جھولا بھی رکھ دیا جاتا ہے!

حسینؑ کے لشکر کا ششماہہ جانباز

اور کیا یہ بھی مجھے کہنا ہوگا کہ "اور دنیا میں کوئی چھوٹا سا لشکر اس شان سے نہیں
کھڑا ہوا جیسے حسینؑ کے یہ چند بچے۔ جوان اور بوڑھے رفقا کھڑے تھے۔ ہاں وہ زمین۔
وقت اور اتفاق پیدا نہیں ہوا جسمیں اتنے آدمی اتنے لشکر کے مقابلہ میں باوجود شدید
بھوک اور پیاس کی شدت کے لئے اسطرح تیار اور منتظر ہوئے۔

شاید ہی کسی لشکر کو اپنی شکست اور سپاہی کو اپنے قتل کا ایسا یقین ہو جیسا حسینؑ کے
لشکر اور سپاہیوں کو تھا اور شاید ہی کوئی لشکر اس یقین کے بعد اس استقلال اس
شان اور شہادت کے شوق میں موت کا ایسا منتظر ہو۔ اور ان کی بے خوفی۔ مصائب پر صبر
استقلال اور جان سے لاپرواہی نہ ہوتی اگر وجہ ایسی عظیم نہ ہوتی۔ اور شاید باوجود وجہ کے
بھی دنیا کا یہ عبرت خیز واقعہ۔ واقعہ کی صورت میں نہ آتا اگر مرکز ایسا نہ ہوتا جیسے حسینؑ تھے۔

میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس جگہ مسٹر واشنگٹن ارونگ کی عبارت درج کر دوں:-

"اپنی چھوٹی سی جماعت کو اپنی یاس آلود قسمت کی شرکت کیلئے ایسا مصمم دیکھکر حسینؑ اُنکی
جانوں کو گراں قیمت پر بیچنے کیلئے تیار ہوئے اور اُنھوں نے اُنکی موت کو یادگار قربانی بنانے
کی تیاری کی..... صبح کو حسینؑ جنگ کیلئے تیار ہوئے۔ اُنکی تمام فوج چالیس پیادے اور بتیس
سواروں پر مشتمل تھی۔ لیکن ہر ایک میں شہیدانہ جوش تھا۔ حسینؑ اور اُنکے مخصوص رفقا
نے غسل کیا تیل لگایا اور اپنے کو معطر کیا۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ تھوڑی دیر میں ہم جنت کی سیاہ چشم
حوروں کے ساتھ ہونگے" (مورخ کا آخری فقرہ مسیحی مورخین کے لحن کا ہم آہنگ ہے)

عمر سعد کا تعبیہ لشکر

میمنہ عمرو بن حجاج الزبیدی۔ میسرہ شمر ذی الجوشن۔ افسر رسالہ عروہ بن قیس۔ افسر پیادگان شبیث بن ربعی۔ علم دار زید۔ سپہ سالار عمرو بن سعد بن ابی وقاص۔

تعداد لشکر کم سے کم (۲۲۰۰)

بقول کامل ابن اثیر ابن سعد نے اہل مدینہ پر عبد اللہ بن زہیر اسدی کو مقرر کیا۔ بقول ابن خلدون ربیعہ و کندہ پر اشعث بن قیس مقرر ہوا۔

حسینؑ کا تعبیہ لشکر۔

میمنہ زہیرؓ بن قین۔ میسرہ حبیبؓ بن مظاہر۔

علمدار عباس بن علیؑ۔ سپہ سالار حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالبؓ علیہما السلام

تعداد لشکر کم سے (۷۲)

ابی مخنف کے نزدیک حسینؑ کے افسر میسرہ ہلال بن نافع بجلی تھے اور ہر ایک کے پاس بیس بیس مجاہد تھے۔ باقی حضرت کے ماتحت تھے۔ بچے اور اہلبیت خیمہ میں تھے۔

ان ۹۹ درج فرسا و قتوں میں جو حسینؑ اور اُنکے ہمراہی پر گذر رہے تھے ظاہر ہے کہ اقربا اور اصحابؑ حسینؑ کا صف جنگ درست کرنا بجائے خود ایک مرثیہ تھا لیکن اس سے بڑھکر جذبہ اور افتخار کا موقع بھی دوسرا نہ تھا۔ کون تھا جو انھیں داد دیتا۔ لیکن نیکی داد کی منتظر نہیں رہتی۔ نیکی اپنا آپ ہی انعام ہے۔ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا اُس اطمینان اور مسرت کا جو تصفیہ شہادت اور آمادگی کے بعد ان سرتاج شہدائے عالم کو حاصل تھی۔ لیکن میں بھول جاؤنگا اگر یہ کہوں کہ انھیں کسی نے داد نہ دی۔ داد ملی۔ بہترین داد جو مل سکتی تھی۔ ہاں داد کیلئے میری غرض فضائے جنگ کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ میں خیام حسینؑ کیطرف اشارہ کر رہا ہوں۔ میں اسوقت اہلبیت حسینؑ کو اہلبیت حسینؑ کے نام سے یاد نہیں کر رہا ہوں بلکہ یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ خاندان ہے جو سرچشمہ شجاعت و حمیت عرب کا مایہ ناز اور افتخار ہے۔ عرب کی شجاعت میں عورتوں کا بڑا حصہ ہے۔ اب سوچو کہ نہ صرف زنان بنی ہاشم بلکہ اکثر مجاہدین کی بیبیاں جو خیام حسینؑ میں ہیں وہ دیکھ رہی ہیں کہ ہمارے وارثا اسوقت آمادہ جنگ ہیں۔ کبھی کوئی

مجاہد اپنے بہتر دیکھنے والوں کی امید نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی دنیا میں کوئی آنکھ اسطرح جنگ دیکھنے کیلئے نہ اٹھی ہوگی اور نہ کبھی دل میں پھر وہ پوری فطری حرکت ہوگی جیسی اُسوقت جبکہ یہ بیبیاں آفریں کہتی تھیں۔ میرا یہی تصفیہ ہے کہ اُسوقت جبکہ یہ یادگار افرادِ عالم پیش آنے والے واقعات کو بھولکر جنگی صف میں کھڑے ہو رہے تھے بیبیاں بھی اپنے مددگار رونی اسی پُر افتخار مشغولیت کے نظارہ میں اپنے دردناک مستقبل کو بھولگئی تھیں۔

اختلافات

اس جگہ یہ بھی کہدوں کہ آغاز جنگ اور شہدا کی شہادت کا سلسلہ بھی ہر مورخ کے نزدیک یکساں نہیں ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ لڑائی تیسری چوتھی سے شروع ہوئی۔ کسی کے نزدیک دسویں کو شروع ہوئی اور مغلوبہ کی جنگ میں اکثر اصحاب حسینؑ شہید ہوگئے۔ کسی کے نزدیک اکثر رفقائے حسینؑ کے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ کسی کے نزدیک حضرت عباسؑ غالباً آٹھویں کو شہید ہوئے اور حر بن یزید کا نمبر بجائے پہلی شہید کے آخری کے قریب تھا۔

بُریر کا خطاب

اعثم کوفی کہتا ہے "جسوقت طرفین کی صفیں قائم ہوگئیں بریر بن حصین (رضی اللہ عنہ) ہمدانی نے آگے بڑھکر عمر سعد سے کہا کیا تو امیر المومنین حسینؑ سے جنگ کریگا؟ اُسنے جواب دیا ہاں لڑونگا۔ اور اس معرکہ میں بہت سے تن بے سر ہونگے۔ بریر بن حصین نے کہا۔ تم انھیں واپس کیوں نہیں جانے دیتے کہ مکہ یا مدینہ چلے جائیں۔ اے کوفہ والو کیا تمنے ہی خط پر خط بھیجکر امیر المومنین کو طلب نہیں کیا تھا؟ کیا تم بھول گئے اور اس مضبوط عہد و پیمان کو جنہیں خدا کو گواہ کیا تھا توڑ ڈالنا جائز رکھتے ہو۔ پھر آپکی طلبی میں اسقدر مبالغہ اور تاکید کیسلئے تھی؟ تم تو یہ لکھتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جسوقت تم یہاں آجاؤ گے ہم سب تمہارا ساتھ دینگے اور دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائینگے۔ تمہارے اقرار ولی پر بھروسہ کرکے یہاں آئے تو تم اُنکے دشمنوں کے دوست بنگئے اور تلواریں سونتکر مقابلہ پر آگئے۔ آپکی اولاد پر پانی بند کردیا۔ اب فرات جسسے عام آدمی فائدہ اٹھاتے رہیں۔ یہودی۔ مجوسی۔ ترسا اور جنگلی چرند و پرند سب پانی پیتے ہیں اور تم کتوں اور سؤروں تک کو اُس سے نہیں روکتے۔ کیا سبب ہے کہ پیغمبرؐ کی ذریت اور اطفال کو پیاسا مارتے ایک قطرہ پانی نہیں دیتے ہو۔ یہ کونسا مذہب ہے اور قیامت کے دن محمد مصطفیٰؐ کو کیا جواب دوگے اور اس گناہ کا کیا عذر کروگے؟ مالکم لا سقاکم اللہ یوم القیامۃ فبئس

القوم النتم۔ عمر کے لشکر میں کچھ لوگوں نے آواز دی۔ اے بریر ہم نہیں سمجھتے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ بریر نے کہا میں تمہیں جسقدر سمجھاتا ہوں اُسیقدر تمہاری گمراہی اور زیادہ ہوتی جاتی ہے اور مجھے تمہارے افعال سے زیادہ عبرت ہوتی ہے۔ اے خدا تو خوب جانتا ہے کہ میں اس قوم سے بیزار ہوں تو انھیں ہلاک کر اور ان کے ظلموں کی سزا دے۔ ان لوگوں نے تیر کمان پر ہاتھ ڈالا اور کئی تیر اُسکی طرف چھوڑے بریر واپس چلا آیا"

زہیر بن قین کی تقریر اور مکالمہ

ابن خلدون میں زہیر ابن قین کی تقریر ہے کہ :۔ " اے اہل کوفہ! مسلمانوں پر مسلمانوں کا یہ حق ہے کہ ایک دوسرے کو نصیحت کریں۔ اسوقت ہم اور تم بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی دین پر ہیں۔ جب تک ہم میں اور تم میں جنگ نہ ہو پس جبکہ ہمارے اور تمہارے لڑائی ہو جائیگی تو عصمت اُٹھ جائیگی۔ ہم اور تم ایک ہی گروہ میں ہیں ہمکو اور تمکو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم کی ذریت میں امتحان اور آزمائش کی غرض سے مبتلا کیا ہے۔ ہم تمکو انکی مدد اور گمراہ ابن گمراہ عبید اللہ بن زیاد کے ذلیل کرنے کو بلاتے ہیں۔ بیشک تم اس سے سوائے بدی کے اور کچھ نہ دیکھوگے وہ تمہارے ہاتھوں کو کاٹے گا تمکو مثلہ کریگا۔ تمہارے معزز اور ممتاز سرداروں حجر ابن عدی اور اُسکے ہمراہی ہانی ابن عروہ جیسے کو قتل کریگا"

لشکر کا جواب

"کوفیوں نے زہیر کو گالیاں دیں اور ابن زیاد کی صفت و ثنا کرکے کہا واللہ جب تک ہم تجھے اور تیرے دوست (یعنی حسینؑ) اور اُسکے ہمراہیوں سے نہ لڑینگے یا اُسکو گرفتار کرکے اپنے امیر عبید اللہ ابن زیاد کے پاس نہ لیجائینگے اسوقت تک یہاں سے نہ ٹلینگے"

" زہیر نے کہا۔ اے اللہ کے بندو! ابن سمیہ کی نسبت ابن فاطمہؑ امداد و محبت کا زیادہ مستحق ہے۔ پس اگر تم اُسکی مدد نہیں کرسکتے ہو تو اُسکو اُسکے ابن عم یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو۔ خدا کی قسم بغیر قتل حسینؑ کے بھی یزید تمہاری اطاعت سے راضی ہو جائیگا"

"شمر بن ذی الجوشن نے تیر مار کر کہا اللہ تیرا منھ بند کرے تو نے بک بک کرکے دماغ پریشان کر دیا"

زہیر۔ اے کمینہ بد نسل تو وحشی جانور ہے میں تجھسے خطاب نہیں کرتا خدا کی قسم تجھکو کتاب اللہ

سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ تجھے قیامت کی رسوائی اور عذاب الٰہی کی بشارت دیتا ہوں"
شمر۔ اللہ تعالیٰ تجھے اور تیرے دوست کو عنقریب شربت مرگ پلائیگا"

یکمثل اظہار اخلاص

زہیر۔ کیا تو مجھکو موت سے ڈراتا ہے، خدا کی قسم تیرے ساتھ کی حیات ابدی سے حسینؑ کیساتھ مرجانا بہتر ہے۔ یہ کہکر زہیر تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر بلند آواز سے کہا اللہ کے بندو تم اس کمینہ بیدین کے دھوکہ میں نہ آجانا۔ خدا کی قسم اس گروہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شفاعت نہ نصیب ہوگی جو خون اُسکے اہلبیت کا بہائیگا اور اُسکے اعوان و انصار کو قتل کرے گا۔ زہیر کچھ اور بھی کہنے کو تھے کہ حضرت نے واپس بُلا لیا" (کامل ابن اثیر کی بھی یہی عبارت ہے)

حضرت نے واپس بُلا لیا

بعض مورخین مثل کامل ابن اثیر ابن خلدون اور ابی مخنف نے حضرت کے خطبہ کے بعد زہیر بن قین کو نمائش کیلئے بھیجا ہے۔ لہوف اور اعثم کوفی نے انکا پہلے ذکر کیا ہے۔

حضرت کا لشکر شام سے مخاطبہ

بہر حال اس سے کوئی مفید حالت نہیں پیدا ہوئی۔ بقول اعثم کوفی "امیر المومنین حسینؑ آگے بڑھکر اُس گروہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور لشکر کو نہ بے نظر ڈالی۔ عمر کو دیکھا کہ سرداران لشکر کے بیچ میں کھڑا ہے۔ تھوڑی دیر تک تعجب سے دیکھا پھر فرمایا۔ الحمد للہ کہ دنیا فانی اور نیست و نابود ہونے والی جگہ ہے۔ سب نیک و بد گذر جاتے ہیں۔ محنت اور راحت کسی شئے کو قیام نہیں۔ نیک بخت وہ شخص ہے جو اس دنیا کی نمائش اور بے اصل چیزوں کیطرف میل نہیں کرتا اور بدنصیب وہ ہے جو اُسکے فنا ہونیوالے بے قیام امور کی خواہش رکھتا اور اُسکی وفاداری کے بھروسہ پر تسلی سیتا ہی اور سمجھتا ہے کہ اسکی نعمتیں ہمیشہ برقرار رہینگی۔ غرض اسی قسم کی باتیں اپنے دل سے فرما رہے تھے۔ پھر باواز بلند اُنکو نصیحتیں کرنے لگے اور نہایت عمدہ تقریر کی اور نیکوکاری کی تاکید فرمائی۔

فصاحت کا اعتراف اور خوف

عمر سعد نے کہا۔ آپکا کلام قطع کرو کیونکہ وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے اگر اُسے بولنے دو گے تو دن اور رات اِسی میں گذر جائیگا اور بولنے سے ذرا نہ رُکیگا"

کامل ابن اثیر کے موافق جب حضرت سوار ہوئے تو مصحف آگے رکھ لیا تھا۔ اور فرمایا "اے خداوند اہر امر اور ہر سختی جو مجھپر نازل ہو مجھے تیرا ہی اعتماد اور تجھی پر بھروسہ ہے جس رنج سے دل ضعیف ہو میں اُسمیں تیری ہی مدد مانگتا ہوں جسمیں حیلہ نہ چلے اور دوستوں سے

(ابن خلدون)
خطبہ کی تفصیل

کام نہ نکلے میں صرف تجھی سے کہتا ہوں اور تیرے سوا ہر ایک سے اعراض کرتا ہوں تو ولی ہے ہر نعمت کا!!

اسکے بعد حضرت کا خطبہ شنا کہ:- اے لوگو! تم میری بات سنو۔ عجلت نہ کرو تا آنکہ جہاں تک مجھپر واجب ہے تمکو سمجھا نہ لوں۔ اور میں اپنے آنیکا عذر تم سے بیان نہ کر لوں۔ پس اگر تم میرے عذر کو قبول کر لوگے اور میری بات کی تصدیق کروگے اور حق پسندی کروگے تو تمہاری اسمیں سعادتمندی ہے اور تمہارا اسمیں کوئی حرج نہ ہوگا اور اگر تم میرے عذر کو نہ قبول کیا چاہتے ہو تو تم لوگ مجمع ہو اور اپنے شرکا کو ایک جا کرو تاکہ تمپر کوئی امر مشتبہ نہ رہے بعد اسکے میرے سامنے آؤ اور بے رو رعایت دیکھو۔ بیشک میرا ولی اللہ ہے جسنے کتاب اُتاری ہے اور صالحین کا ولی ہے (آپکی بہن یہ آواز سُنکر رو اُٹھیں۔ آپنے اپنے بھائی عباسؓ اور بیٹے علیؓ کو اُنکے چپ کرانے کو بھیجا۔ جب وہ لوگ خاموش ہو گئیں تو آپ نے حمد و ثنا کی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم پر درود بھیجا۔ بعد ازاں پھر اُنکو مخاطب کر کے ارشاد کیا) اما بعد تم لوگ میرا نسب بیان کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں۔ پھر اپنی طبیعتوں (انفسکم) کیطرف رجوع کرو اور اُسکو ملامت کرو اور غور کرو!!

دو کیا میرا قتل کرنا اور میری آبروریزی تمہیں روا اور جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں ہوں اور اُسکے چچا زاد بھائی اور افضل ترین مومنین باللہ و تصدیق کنندہ رسولؐ کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا حمزہؓ سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہ تھے۔ کیا جعفر شہید طیار فی الجنۃ میرے چچا نہیں ہیں۔ کیا تمکو یہ خبر نہیں پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ہے کہ تم دونو سردار جوانان جنت ہو اور اہل سنت کے آنکھ کی ٹھنڈک ہو۔ پس جو میں نے تم سے کہا ہے اُسکی تصدیق کرو اور یہی سچ ہے۔ بخدا میں جھوٹ کبھی نہیں بولا جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ اور اگر تم مجھے جھوٹا جانتے ہو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جنسے یہ دریافت کروگے تو وہ تمکو اس سے آگاہ کرینگے۔ جابر بن عبد اللہ یا ابو سعید۔ یا سہیل بن سعد اور زید بن ارقم یا انس سے دریافت کرو وہ تمکو بتا دینگے کہ اُنھوں نے رسول اللہ (صلعم) سے یہ سُنا ہے۔ کیا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے

جو تمکو میری خونریزی سے روکے۔ پس اگر تم لوگ میرے کہنے پر مشکوک ہو یا میرے نواسۂ رسولؐ ہونے پر شک کرتے ہو تو واللہ مابین مشرق و مغرب میرے سوا تمہارے نبیؐ کا تم میں اور نہ کسی غیر میں کوئی نواسہ نہیں ہے۔ اگر ہو تو بتلاؤ۔ کیا مینے تم میں سے کسی کو مار ڈالا ہے جسکا عوض تم مجھسے طلب کرتے ہو یا کسی مال کو مینے ضایع کر دیا ہے جسکا معاوضہ مانگتے ہو یا کسی زخم کا قصاص مانگتے ہو؟"

"یزید کے لشکریوں میں سے کسی نے اسکا کچھ جواب نہ دیا تو آپ نے شیث بن ربعی۔ حجار بن الحر۔ قیس بن الاشعث۔ زید بن الحرث کو نام بنام پکار کر فرمایا۔ الم تکتبوا الی فی نقدوم الیکم؟ اُن لوگوں نے خط لکھنے اور بلانے سے انکار کیا۔ آپ نے ارشاد کیا۔ (بلی افعلتم۔ ایھا الناس! اذکرھتمونی فدعونی انطرف الی مامنی من الارض) بیشک تم نے یہ کیا ہے۔ اے لوگو۔ تمکو مجھسے نفرت ہے تو مجھے چھوڑ دو میں کسی محفوظ سرزمین کی طرف چلا جاؤں"!

"قیس بن الاشعث بولا تم اپنے چچا کے لڑکے (ابی مخنف کا فقرہ ہے کہ انزل علی حکم الامیر ابن زیاد) (یعنی امیر ابن زیاد) کے حکم کی کیوں اطاعت نہیں کرتے وہ تمہاری برائی نہ چاہتا نہ ہوگا۔ آپ نے جواب دیا کیا تیرا یہ مقصد ہے کہ بنی ہاشم تجھسے مسلم بن عقیلؑ کے سوا اور کسکا خونبہا طلب کریں؟ خدا کی قسم میں ذلیل و خوار ہو کر تمہارا مطیع نہ ہونگا۔ اور نہ میں غلاموں کیطرح مجبور ہو کر اُسکی امارت کا اقرار کرونگا۔ اے اللہ کے بندو میں اپنے اور تمہارے رب سے امن کا خواستگار ہوں اور ہر متکبر اور اُس شخص سے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں" اسقدر فرمانیکے بعد آپنے اونٹنی بٹھلادی اور اُتر پڑے)

حضرت کا یادگار فقرہ

وضع

ابو مخنف کہتا ہے: "جب صبح ہوئی آپنے اذان و اقامت کہی اصحاب کیساتھ نماز پڑھی۔ درع رسولؐ پہنا۔ عمامہ سحاب فرق مطہر پر رکھا اور ذوالفقار حمائل کر کے سامنے آئے"!

عمر سعد کی کارگذاری

عموماً مورخین یہ کہتے ہیں کہ جسوقت صف کشی ہوئی عمر سعد نے پہلا تیر حسینؑ کے لشکر کیطرف چلایا اور لوگونکو اپنی اس حرکت پر گواہ کیا۔ کسی ظریف نے یہ بھی کہا کہ "اور پہلا شخص جو جہنم میں جائیگا وہ تو ہوگا"!

تیروں کی بارش اور حضرت کا اپنے اصحاب سے خطاب

اِسکے بعد بقول صاحب لہوف "پھر تو برابر فوج عمر بن سعد سے ایسے تیر چلے کہ گویا بارش ہو رہی تھی۔ سید الشہدا نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ خدا تم پر رحمت کرے تم بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاؤ کہ سوائے اِسکے اب کوئی چارہ نہیں ہے۔ کہ یہ تیر ہماری طرف اُس قوم کے قاصد ہیں کہ پیام مرگ لاتے ہیں۔ پس وہ اصحاب ایک گھنٹہ تک حملہ کرکے لڑتے رہے یہانتک کہ سید الشہدا کی ایک جماعت قتل ہوگئی۔ اُسوقت حضرت سید الشہدا نے اپنے محاسن پر دست اقدس رکھا اور فرمانے لگے کہ سخت غصہ ہوا خدا یہود پر جبکہ اُنہوں نے خدا کیلئے فرزند قرار دیا۔ اور بہت ہی قہر کیا خدا نے مجوس پر جبکہ اُنہوں نے سوا اُس کے چاند و سورج کی پرستش کی اور بے انتہا غضب کیا خدا نے اُس قوم پر جو کہ اپنے نبی کے نواسہ کے قتل پر مستعد و متفق ہوگئی۔ بخدا میں وہ بات ہرگز نہ مانونگا جو وہ لوگ چاہتے ہیں یعنی ذلت نہ گوارا کرونگا یہانتک کہ اپنے خون کا خضاب لئے ہوئے خدا سے جاکر ملوں"

حر بن یزید ریاحی اور ابن سعد

بقول ابن خلدون "جسوقت عمر بن سعد نے امام حسینؑ پر حملہ کرنے کا قصد کیا حر بن یزید اُسکے پاس آئے اُسنے دریافت کیا خدا تیرا بھلا کرے کیا تو حسینؑ سے لڑنے کو جاتا ہے؟ عمر نے جواب دیا اے واللہ اسکی لڑائی سے یہ آسان ہے کہ لوگوں کے سر کٹ کٹ کر گریں۔ اور ہاتھ شل ہو جائیں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اُسنے جو درخواستیں پیش کی تھیں انمیں سے کسکو منظور کیا اور اسکے منظور کرنے میں تمہیں کیا عذر ہے؟ عمر بن سعد نے کہا خدا کی قسم اگر میرے اختیار میں کچھ ہوتا تو میں اسکو منظور کر لیتا لیکن تمہارا امیر حسینؑ کی کسی درخواست

حر کی دماغی کیفیت

قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ حر یہ سنکر آہستہ آہستہ امام حسینؑ کیطرف چلے۔ ایک شخص نے انہیں کے قبیلہ سے جسکا نام مہاجر ابن اوس تھا چلا کر کہا واللہ مجھے تمہارا کام مشتبہ معلوم ہوتا ہے تمکو میں نے کسی لڑائی میں اسطرح لرزاں چلتے ہوئے نہیں دیکھا اگر کوئی شخص اہل کوفہ میں سے یہ فقرہ تمہاری نسبت کہتا تو میں اس سے لڑ مرتا۔ حر نے جواب دیا میں اپنے کو جنت و دوزخ کیلئے تول رہا ہوں اور حق یہ ہے کہ میں جنت کے مقابلہ میں کسی چیز کو نہیں سمجھتا چاہے مجھے کوئی مار ڈالے یا جلا ڈالے۔ یہ کہکر گھوڑے کو ایک

حر حسینؑ کے پاس تائب ہو کر آتا ہے۔

ایڑ لگائی اور دم زدن میں امام حسینؑ کیخدمت میں پہنچ گئے۔ عرض کیا۔ اے ابن رسول اللہ صلعم!

اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔ میں وہی ہوں جسنے تمکو واپس ہونے سے روکا تھا اور جو تمکو ہر پھیر کر اس راہ پر لایا تھا اور جسنے شامت اعمال سے آپ کو اس مقام پر لا کر ٹھیرایا تھا خدا کی قسم مجھے یہ امید نہ تھی کہ یہ لوگ آپکے ساتھ یہ برتاؤ کرینگے اور آپ کی ایک بات بھی نہ سنینگے۔ مینے یہ رنگ دیکھکر اپنے جی میں کہا چونکہ بعض باتوں میں انکی میں اعانت کر چکا ہوں وہ مجھے آپ کیطرف جاتے ہوئے دیکھکر اپنا مخالف نہ سمجھینگے۔ پس اگر آپ بعض امر میں انکی خلاف میں کروں کوئی ہرج نہیں ہے۔ واللہ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ آپ سے وہ نہ لڑینگے تو میں ہرگز آپکی خدمت میں حاضر نہ ہوتا۔ میں خدا کی قسم آپکی خدمت میں جو لغزش مجھسے ہوئی ہے اس سے تائب ہو کر آیا ہوں تاکہ آپ کی اعانت کروں یہانتک کہ آپکے روبرو میں جان بحق تسلیم کروں۔ کیا آپکے نزدیک میرا یہ توبہ مقبول ہوگا؟ آپنے فرمایا ہاں۔ اللہ تعالیٰ یہ توبہ قبول فرمائیگا۔ اور تمہاری لغزش سے درگذرے گا"

حر کا لشکر سے خطاب

"حُر نے یہ سُنکر اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے لوگو! تملوگ حسینؑ کی ان درخواستوں میں سے جو وہ پیش کرتے ہیں کیوں نہیں قبول کرتے۔ اللہ تعالیٰ تمکو دارین میں فلاح عنایت کریگا اور تمکو انکی لڑائی اور قتل سے نجات دیگا۔ عمر بن سعد بولا میں خود اس امر کا خواہاں تھا لیکن کیا کروں مجبور ہوں۔ بعد اسکے حُر نے لشکریوں کو مخاطب کیا۔ اے اہل کوفہ! بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمنے خود اُنکو بلایا۔ جب وہ آئے اس غرض سے کہ تم انکی اعانت کرو اور اُنکے ہمراہ ہو کر لڑو تو تم اُنکے قتل پر کمربستہ ہوگئے۔ اسپر طرہ یہ ہے کہ تم نے اس غریب کو اسطرح پر روک رکھا ہے کہ کہیں وہ جا نہیں سکتے۔ بڑی افسوس کا مقام ہے کہ تمنے اُن کو قیدیوں کی طرح گرفتار کر لیا ہے کسی ملجأ و مامن کیطرف جانے نہیں دیتے نہ وہ کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں اور نہ کسی مضرت کے دفع کرنے پر قادر ہیں۔ تمنے اُنکو آب فرات سے بھی روک دیا ہے جس سے یہودی اور نصرانی اور مجوسی سیراب ہوتے ہیں کتے سور اور کل جرند و پرند اسکو پیتے ہیں کیا وہ (حسینؑ) اس قابل بھی نہیں ہیں اور اُنکے ہمراہی شدت تشنگی سے بیہوش ہو رہے ہیں۔ تم لوگوں نے اچھا برتاو رسول (صلعم) کے بعد اُنکے اہلبیت کے ساتھ کیا۔ اگر تم لوگ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کروگے اور حمایت نہ کروگے

دریائے فرات سے نہ ہٹالوگے تو اُس روز جبکہ شدت تشنگی سے لوگ بےچین ہونگے اللہ تعالیٰ تمکو بھی سیراب نہ کرے گا"

ابن سعد کے لشکریوں نے جواب میں تیر مارا۔ بودرحُر واپس آکر جاں نثاران حسینؑ میں کھڑے ہو گئے۔ اِس مورّخ کے موافق حر تمام عرصہ جنگ میں سے زیادہ تر میں شریک تھے۔ کبھی تنہا اور کبھی کئی اصحاب کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرتے تھے یہانتک کہ آخر میں شہید ہوئے۔

مجر بن حر

ابو اسحٰق اسفرائنی کہتے ہیں کہ "پھر ابن سعد کے لشکر سے ایک سوار نکلا اور کہنے لگا۔ اے ابو عبد اللہ میں حجر بن حر ہوں۔ اب میں آپکے سامنے شہید ہوتا ہوں۔ پھر اُسنے ابن سعد کی فوج سے نکلکر اُسپر حملہ کر دیا۔ اور لڑتے لڑتے ایک سو بیس[۱۲۰] سپاہی قتل کیئے جسکے بعد وہ خود بھی مارا گیا۔ جب اُسکے باپ نے دیکھا تو بڑا خوش ہوا اور بولا شکر ہے اللہ کا جسنے میرے بیٹے کو شہادت کا درجہ عطا کیا۔ پھر وہ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا یاحضرت میرا بیٹا آپکے سامنے شہید ہو گیا ہے اب میں بھی تیار ہوں۔ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھہرو میں اُسے لاتا ہوں۔ یہ کہکر آپ نے مخالفین پر حملہ کیا اور لڑتے لڑتے آٹھ سَو مخالف قتل کیئے اور حجر کو اُٹھا لائے اور اُسکو خیمہ کے سامنے رکھدیا۔

بیٹے کی شہادت پر حر کا شکر

حسینؑ لاش لا

حُر نے کہا اب مجھے بھی نکلنے کی اجازت دیجئے۔ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ نے اجازت دی اور کہا خدا تمہارے کام کی قدر کرے"

صاحب روضۃ الشہدا نے حر کی جو کیفیت لکھی ہے اُس سے اُسکا عمل طبعی کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ مہاجر بن اوس یا حر کے بھائی مصعب بن یزید کے متذکرہ سوال وجواب کے بعد "ناگاہ نعرہ از جگر برکشید و گفت اے برادر بشارت باد کہ نفس من بہشت را اختیار کرد۔ پس تازیانہ بر اسپ زد و نزد امام حسینؑ آمد و از مرکب پیادہ شد..... امام حسینؑ از بالائے اسپ دست مبارک بر سر و روے او مالید...... اما چوں مصعب برادر حُر دید کہ حُر آخرت را بردنیا گزیدہ و دست دلاور دامن آل عبا زد اسپ برانگیخت و دست در فتراک امام حسینؑ آویخت۔ لشکر عمر سعد گمان بردند کہ بجنگ برادر میرود۔ چوں بمیدان رسید گفت اے برادر خضر راہ من شدی و مرا از ظلمت گمراہی بسرچشمہ آب حیات معرفت رسانیدی

من ہم باتو موافقت کردہ از اہل مخالفت بیزار شدم فردا ہر دو گواہ معاملہ یکدگر باشیم و باہم از امام حسینؑ بہرہ شہادت گیریم۔ حُر برادر خود را نزد یک امام حسینؑ آورد و صورت حال را بموقف عرض رسانید امام مظلومؑ در او بر گرفت و بنواخت۔!

اسی مورخ کے موافق حُرؑ کے اجازت طلب کرنے پر حضرت نے فرمایا "تو میرا مہمان ہے صبر کر کہ کوئی دوسرا جائے"

حُر کیوں آئے تھے

لیکن حُرؑ حسینؑ کیطرف لذت حیات کے حصول کیلئے نہ آئے تھے کہ ٹھہرتے۔ فوجی عہدہ میں زیادتی کی اُمید نہ تھی جو ادھر کھینچ لائی تھی۔ یہ سب تو امیر شام کیطرف تھا ... حُر چار ہزار سواروں کا افسر تھا۔ حُر اسلئے حسینؑ کیطرف آیا تھا کہ اُسے اپنے پہلے موقع میں جینے سے اس موت میں شرکت زیادہ دلکش تھی جسکے لیے حسینؑ آمادہ تھے اور عمر سعد کے لشکر میں ہزار سواروں کی سپہ سالاری سے یہ زیادہ قابل افتخار تھا کہ حسینؑ کے بھوکے پیاسے سپاہیوں کی صف میں ایک لمحہ کھڑا ہو جائے۔ آمادگان شہادت جنھیں اپنی موجودہ حیات اپنے ہوش پر بار معلوم ہوتی تھی اپنی عقیدت کا ثبوت اِسسے بہتر کیا جا سکتے تھے جو حُر کی ... سے ظاہر تھی۔

حُر کو اجازت دینے کیوقت حسینؑ کے الفاظ

بقول ابو اسحٰق اسفرائنی حضرت نے اجازت دی" اور کہا خدا تمہارے کام کی ... حُر یہ شعر پڑھتا ہوا نکلا:۔

حُر کا رجز

میں حرموں اور مہمان نوازی کے لیے مشہور ہوں۔ تمہاری گردنوں سے تلوار کو لہو پلاؤنگا میں اُس شخص کیطرف سے جو تمام اس اونچی سرزمین میں اُترنے والوں سے اچھا ہے تم کو مارونگا اور ہرگز کچھ خوف نہ کرونگا۔

حُر صفوان کو قتل کرتے ہیں

روضۃ الشہداء کے موافق ابن سعد نے صفوان بن حنظلہ کو جو ایک نہایت مشہور سوار تھا اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اُسے سمجھا بجھا کر لے آئے اور اگر وہ نہ مانے تو اُسے قتل کر دے۔ صفوان بڑے ٹھاٹھ سے سامنے آیا۔ حُرؑ نے اُسے دیکھکر کہا۔

حُرؑ۔ صفوان تیری ہنرمندی اور فرزانگی سے عجب ہے کہ تو یزید کے فسق اور ناپاکی کو جانکر اور حسینؑ کی پاکیزگی اور پاک دامنگی سے واقف ہو کر۔ آمادہ جنگ ہے۔

صفوان۔ میں یہ سب جانتا ہوں اور ابن زیاد بھی واقف ہے۔ لیکن مال و دولت اور جاہ یزید کے

کے پاس ہے۔ ہم لوگ سپاہی آدمی ہیں۔ زین گھوڑا۔ اسلحہ مرتبہ اور منصب چاہیئے۔ تقویٰ

طہارت۔ علم اور فضیلت سے کیا فائدہ۔

حر۔ تو حق کو پہچانکر اُسے چھپاتا ہے۔

رد و بدل ہوئی حر کا نیزہ صفوان کا سینہ توڑ گیا۔ صفوان کے تین بھائیوں نے یکبارگی

حملہ کیا۔ حر نے آگے والے کو زین سے اُٹھایا اور پٹخا کہ پھر نہ اٹھا۔ دوسرے کو تلوار سے قتل کیا۔

تیسرا بھاگا مگر سنان نیزہ نے اُسے بھی چُن لیا۔ حر کی ہیبت سے اب کسی تنہا کو جراءت آزمائی

کا حوصلہ نہ ہوا۔ اور حر نے اب دشمن کی صفوں پر حملہ شروع کیا۔ گرمی جنگ میں حر کا گھوڑا مارا

گیا اور یہ پیدل جنگ کرنے لگا۔ حسینؑ نے دیکھا اور ایک گھوڑا بھیجا۔ حر نے دیکھا۔ رکاب کو

بوسہ دیا۔ سوار ہوا اور جولان کیا۔ رجز خوانی شروع کی۔ حر تھا اسکا ہاتھ تھا۔ اور تلوار کے لئے

دشمن کا انبوہ تھا۔ دشمن کے گروہ کو متفرق کرنے کے اثنا میں خیال ہوا کہ ایک مرتبہ حسینؑ کے

پاس ہو آئیں لیکن اب تو اسکے کانوں میں یہ صدا آ رہی تھی کہ اے حر میدان شہادت سے

اب کہاں جاتا ہے۔ یہیں سے یہ تقیہ کی آواز دی کہ یا ابن رسولؐ اللہ آپکے جد بزرگوار کے

پاس جاتا ہوں کوئی پیغام ہے؟ حسینؑ نے گرفتہ آواز سے یہ صاف جواب دیا "مطمئن رہو ہم

بھی تمہارے پیچھے آتے ہیں" ان دونوں صداوں نے اصحاب میں سے اکثر کے مونہہ سے

کراہ نکالدی۔ اب حر نے اپنے کو سپاہیانہ ہوش نہیں بلکہ شہادت کے جوش اور موت

کی جلدی کیلئے دشمنوں پر دے مارا۔ اور ارادہ کی قوت کا تماشہ شروع ہوا۔ حر خواہ لیکے

سامنے جانا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ایسے سپاہیوں کا جنکی اخلاقی جراءت اسپنے انبوہ پر ہو۔

لیکن حر اپنے ہاتھ ارادہ اور گوشت و خون کی حد سے زیادہ معجزہ نہیں دکھا سکتا تھا۔ انبوہ

اور ہجوم کو بھی کچھ فائدہ حاصل ہے۔ جو تلوار کو سپاہیانہ فخر سے نہیں اُٹھا سکتے تھے وہ تیر مارنے

میں دوری کے لحاظ سے کچھ محفوظ تھے اور تیر انداز اُس سے بھی زیادہ۔ حقیقتہً دشمن نے

تیروں سے جنگ ہی کی۔ اکیلا تیروں کے مینہ کا کہانتک جواب دے سکے۔ گھوڑا اور سوار دونوں

چھلنی ہو کر رہ گئے تھے اور دشمن خوش ہو لیتا تھا کہ ہمنے نتیجہ حاصل کر لیا۔ اگر کوئی بہادر باوجود

تیروں اور بے شمار ضربوں کے زخم کے۔ گرتے ہوئے گھوڑے سے سنبھلنا چاہتا تھا تو

حضرتِ حر کیلئے گھوڑا بھیجتے ہیں

عام حالت

تو اُس کو انبوہ میں اسقدر رد قت ملنا بہت دشوار اور پھر سنبھلا بھی تو کہانتک مگر صرف دل اور ارادہ سے بحث ہے فولاد اور گوشت کا مقابلہ نہیں ہے۔ گوشت تو فولاد کی غذا ہو ہی جائیگا۔ لیکن کہنا یہ ہے کہ نفس انسانی میں تصمیم کی یہ قابلیت ہے جو دنیا کے ہر ممکن القیاس آلہ قتل سے تسخر کرے۔ موت کی ہیبت اُسکے لیئے ہیبت نہیں ہے۔ نزع کی تکلیف اُسکے لئے شیریں اشتیاق کا لذت بخش درد ہے۔

دشمن کی تعداد جو حر نے کم کی

صاحب روضۃ الصفا ابوالموفق خوارزمی کی زبانی کہتا ہے کہ حر نے چالیس سوار اور پیادوں کے قتل کرنیکے بعد شہادت پائی۔ ابو اسحق اسفرائینی مقتولین کی تعداد ۲۰ یوںسیاہی بتاتا ہے صاحب ضوء عین جمرقہ کے نزدیک حر اُسوقت شہید ہوئے ان میں آپ جسوقت حضرت کے پچاس رفقا شہید ہو چکے تھے۔

ابو مخنف کے نزدیک حر نہ ابتدا میں شہید ہوئے اور نہ درمیان میں بلکہ جسوقت صرف حضرت قاسم اُنکے برادر عالیمقدار احمد اور حضرت علیؑ بن الحسینؑ (علی اکبر) باقی تھے اور موسی ابن عقیل کے بعد احمد بن الہاشمی شہید ہو چکے تھے کہ حضرت نے اپنی تنہائی دیکھکر بلند آواز سے استغاثہ فرمایا اور جسوقت حر کے کان میں حضرت کی صدا پہنچی یہ اپنے چچا ابن قرہ کے پاس آئے اور کہا اے چچا کیا تم نہیں دیکھتے کہ حسینؑ استغاثہ کر رہے ہیں اور کوئی انکی مدد نہیں کرتا۔ اُنکے انصار۔ اور اولاد شہید ہو چکی۔ کیا تمہارا ارادہ ہے کہ اُنکی طرف چلو کہ اُنکے سامنے مارے جائیں۔ دنیا میں آدمی مسافر کی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کی کرامتیں فانی ہونیوالی ہیں شاید ہملوگ شہادت سے بہرہ یاب ہوں اور اہل سعادت میں محسوب ہوں۔ اُس نے کہا ہمیں اسکی کیا حاجت ہے۔ پس حر نے اُسے ترک کیا اور اپنے بیٹے کے پاس آیا۔ اور کہا اے فرزند کیا تو حسینؑ کو نہیں دیکھتا کہ وہ استغاثہ کر رہے ہیں اور کوئی اُنکی مدد نہیں کرتا اے فرزند چلو اُن کی طرف چلیں اور اُنکے سامنے جنگ کریں شاید شہادت سے بہرہ یاب اور اہل سعادت میں محسوب ہوں۔ لڑکے نے کہا حباً وکرامۃ۔ اسکے بعد یہ دونوں آدمی ابن زیاد کے لشکر سے اسطرح نکلے گویا جنگ کے ارادہ سے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ حسینؑ کے پاس پہونچے۔ پس حر اپنے گھوڑے سے اُترے۔ سر جھکایا اور حضرت کے

دست و پائے مبارک کو مس کرکے چیخ مار کر رو دے۔ پس حضرت نے کہا یا شیخ اپنے سر کو اٹھا۔ پس اُسنے اپنا سر اٹھایا (اسکے بعد کی گفتگو عام ہے) پھر حر نے اپنے فرزند سے حملہ کرنے کو کہا اُسنے حملہ کیا یہانتک کہ ستر سپاہیوں کو قتل کیا اور اسکے بعد شہید ہوا جس وقت باپ نے بیٹے کو شہید دیکھا بہت خوش ہوا اور کہا خدا کا شکر ہے کہ تجھے میرے مولا حسینؑ بن امیر المومنینؑ کے سامنے شہادت نصیب ہوئی۔ اب حر بڑھے اور عرض کیا کہ مجھے پسند ہے کہ میں آپکے سامنے مارا جاؤں۔ پس فرمایا حضرت نے کہ جاؤ خدا تمہیں اپنی برکت دے۔

اس مورخ کے موافق جب حُر نے بہتیروں کو قتل کیا تو عمر ابن سعد نے اپنے سپاہوں کو آواز دی ویل ہو تم پر اسپر تیر باراں کرو۔ پس اُن پر تیر برسنے لگے یہانتک کہ انکی جلد سناہی کے ایسی ہوگئی اور گرفتار کر لئے گئے۔ اور اُنکا سر کاٹکر پھینک دیا گیا حسینؑ نے اُسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ چہرہ اور دانتوں سے خون پاک کیا اور کہا واللہ تیری ماں نے غلطی نہیں کی تھی کہ تیرا نام حر رکھا تھا واللہ تو دنیا میں حر اور آخرت میں سعید ہے۔ پس اُنکے لئے طلب استغفار فرمائی اور اُسپر روے اور یہ اشعار فرمائے:-

کیا اچھا حر تھا حر بن ریاح جو نیزہ پڑنے کیوقت صبر سے کام لیتا تھا۔ بلاؤں کی گرم بازاری میں جبکہ بہادر نیزے لیئے ہوئے چل رہے ہوں۔ حر بھی خوب آدمی تھا۔ اُسنے حسینؑ کو پکارا اور صبح کے وقت اُسنے اپنی جان سے سخاوت کی۔ کامیاب ہوئے وہ لوگ جنہوں نے حسینؑ کی مدد کی اور ہدایت اور فلاح حاصل کی۔ (اس مرثیہ سے شہادت صبح کے وقت ثابت ہوتی ہے)

اسکے بعد حر کا سر اپنے مقتولین میں رکھدیا۔ صاحب سر الشہادتین کے موافق وقتل معہ اخوہ وابنہ وموکلہ (اور اُسکے ساتھ اُسکا بھائی بیٹا اور غلام شہید ہوئے)۔

روضۃ الشہدا کے موافق حر کی شہادت کے بعد حضرت دوبارہ دو نوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا اے اہل کوفہ و شام میں نے لڑائی کی ابتدا نہیں کی بلکہ تمنے میری طرف تیر پھینکے۔ ہیں اب بھی جنگ کیلئے آمادہ نہیں اور ابتک میرے لشکر سے

کوئی مارا نہیں گیا۔ عمر اُسکا بھائی۔ بیٹا اور غلام تمہارے آدمی تھے جنہوں نے میری مدد کی۔ میں دوبارہ اتمام حجت کرتا ہوں کہ آیندہ تمہیں عذر نہ رہے۔ اے گروہ آؤ اور ان تین باتوں میں سے ایک کو اختیار کرو۔ اول یہ کہ مجھے جانے دو کہ یزید سے بغیر مکابرہ بحث کر لوں اگر سمجھ ہونگا اور وہ حق پر ہے تو اس سے بیعت کر لونگا۔ وگرنہ وہ جانے گا۔ یہ سنکر کسی نے آواز دی کہ تمہیں یزید کے پاس نہ جانے دینگے اسلیئے کہ تم شیریں زبان اور تیز بیان شخص ہو۔ تم دل پذیر عذرات سے اُسے فریفتہ کر لوگے اور اسوقت خلاص ہو کر فتنہ کھڑا کروگے اور دوبارہ ملک میں فتنہ کھڑا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب یہ نہیں کرتے تو چھوڑ دو کہ میں اپنے نانا کے روضہ کی مجاوری کر لوں اور اپنی عمر زہد اور عبادت میں بسر کروں۔ جواب دیا کہ ہم اسپر بھی راضی نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ اجلاف عرب تمہارے گرد جمع ہوں اور تم پھر طلب خلافت کرو۔ فرمایا کہ اگر یہ دونوں باتیں تمہیں منظور نہیں ہیں تو مجھے اور میرے رفقا کو پانی دو کہ تمام آدمیوں کو پانی میں حق بشری حاصل ہے۔ جواب دیا کہ پانی کا ذکر نہ کرو کہ اگر تم لوگ بوسیدہ بھی ہو جاؤ تو بغیر بیعت یزید کے ایک قطرہ فرات کا نہ دینگے۔ ہمیں تم سے بجز جنگ کے کوئی راہ نہیں ہے۔ فرمایا جب یہ نہیں کرتے تو جنگ کے لیئے ایک ایک آدمی نکلو کہ شجاعت اور ہنر مندی ظاہر ہو۔ کہا ہاں ہم اے ابن فاطمہ ہم ایسا کرینگے۔

ابن خلدون کے موافق یزید بن معقل حلیف عبد القیس جوش مردانگی میں آکر للکارتا ہوا میدان میں آیا اور بریر ابن حضیر سے بلا کر کہا۔ دیکھا اللہ تعالے نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ بریر نے جواب دیا۔ واللہ اُسنے میرے ساتھ بہت بڑی بھلائی کی ہے اور تیرے ساتھ برائی۔ یزید بولا تو جھوٹ کہتا ہے اس سے پیشتر تو جھوٹ نہ بولتا تھا خدا کی قسم تو گمراہی میں پڑ گیا۔ ابن حضیر نے کہا اگر تجھے اپنی سچائی کا دعویٰ ہے تو آ ہم اور تو مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ ہم میں سے جھوٹے اور گمراہ پر اللہ تعالیٰ اپنی پھٹکار بھیجے۔ یزید سے اسکا جواب کچھ نہ بن پڑا تلوار کھینچکر دوڑا فریقین میں کمال تیزی سے دو دو ہاتھ چلگئے۔ یزید بن معقل نے تلوار چھوڑ کر نیزہ کا وار کیا۔ بریر نے خالی دیکر تلوار چلائی جو خود پھاڑ کر سر میں تیر گئی۔ بریر تلوار نکالنے میں مصروف تھے کہ رضی ابن منقذ عبدی نے لپک کر وار کیا۔ ابن حضیر لپٹ پڑے۔ تھوڑی دیر تک زور آزمائی ہوتی

بریر بن حضیر

رہی۔ بالآخر ابن مضیر نے رضی کو مار لیا۔ سینہ پر چڑھکر خنجر لگانے لگے اس اثنا میں کعب بن جابر ازدی نے پہونچکر ابن مضیر کی پشت میں نیزہ مارا ابن مضیر زخم کے صدمہ سے بیتاب ہوکر اٹھ آئے۔ کعب نے نیزہ چھوڑ تلوار کا وار کیا جس سے ابن مضیر شہید ہو گئے اور رضی اپنی قبا جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ واپسی کے بعد کعب کی بیوی نے ملامت کرتے ہوئے کہا۔ تف ہو تجھپر۔ تو ابن فاطمہ کے خلاف لڑنے کو آیا اور پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ بریر سید القرا کو تو نے شہید کیا۔ جا تیرا رو سیاہ ہوا۔ میں تجھسے اب ہرگز نہ بولونگی" بقول روضۃ الشہدا حضرت نے بریر کی شہادت پر فرمایا کہ "بریر خدا کے بندگان صالحین میں سے تھے"

اعثم کوفی اور روضۃ الشہدا کے موافق بریر کے قاتل کا ایک پسر عم عبید بن جابر تھا۔ قاتل سے کہنے لگا کہ تو نے بریر کو قتل کیا جو خواص اہل اللہ اور مقربان درگاہ خدا میں سے تھا۔ اسکے علاوہ لوگوں نے بھی ملامت کی۔ قاتل بریر شرم سے لشکر سے چلا گیا اور تھوڑے دنوں میں مر گیا۔ اسکے اشعار بھی ہیں جو اسنے اظہار ندامت میں کہے ہیں۔

عبد اللہ بن عمیر کلبی

لشکر شام سے یسار غلام زیاد اور سالم غلام عبید اللہ نکلکر میدان میں آیا مقابلہ کیلئے للکار کر لڑنے والے کو طلب کیا۔ امام حسین کیطرف سے عبد اللہ بن عمیر کلبی میدان جنگ میں آئے۔ یہ کوفہ سے معہ اپنی بیوی کے آپکی خدمت میں آئے تھے۔ یسار و سالم نے نام و نسب دریافت کیا عبد اللہ نے نام بتلایا۔ یسار و سالم بولے ہم تمکو نہیں جانتے ہمارے مقابلہ پر زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر بریر بن مضیر جیسے لوگوں کو آنا چاہیئے۔ عبد اللہ نے ترش رو ہوکر یسار کو مخاطب کیا۔ اے حرامی بچہ۔ تیرے مقابلہ پر وہ لوگ آئینگے بلکہ تو اس قابل نہیں ہے کہ تو انکی تیغ تیز سے ہلاک کیا جائے۔ تیری روح و تن کے فیصلہ کے لئے میری تلوار کافی ہے۔ یسار یہ سنکر حملہ کی نیت سے آگے بڑھا عبد اللہ نے وار خالی دیکر تلوار چلائی۔ تھوڑی دیر تک فریقین میں ایک دوسرے پر وار چلائے گئے۔ سالم اپنے ہمراہی کو کمزور دیکھکر عبد اللہ کیطرف جھپٹا۔ عبد اللہ نہایت تیزی سے یسار کا کام تمام کرکے سالم کی طرف مڑے۔ سالم نے وار پر وار کرنے شروع کر دیئے عبد اللہ روکتے اور حملہ کا بھی جواب دیتے جاتے تھے۔ بالآخر عبد اللہ کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں اور پھر انھوں نے لپک کر ایسا وار کیا کہ سالم بھی اسی جگہ ٹھنڈا ہوگیا۔

انکی بیوی ام وہب ایک لکڑی لیکر یہ کہتی ہوئی دوڑی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں رسول اللہ کے نواسوں کیلئے لڑتے لڑتے اپنے کو تصدق کردو۔ عبداللہ نے میدان جنگ میں آنے سے روکا۔ ام وہب نے جانے سے انکار کرکے کہا۔ میں تمہارا ساتھ جبتک زندہ ہوں نہ چھوڑونگی امام حسینؑ نے آواز بلند سے کہا۔ تم لوگوں نے اہلبیت رسالت کے ساتھ بہت بڑی بھلائی کی اللہ تعالے تمکو جزائے خیر دے گا۔ اے ام وہب تجھ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے لوٹ آ عورتوں پر جہاد نہیں ہے۔ ام وہب یہ سنکر واپس آئیں ۔

ابن خلدون اتنا کہکر چپ ہو جاتا ہے۔ لیکن روضۃ الشہدا میں تھوڑی سی تفصیل اور ہے وہ یہ کہ جب یسار اور سالم میدان میں آئے تو بریر اور حبیب نے میدان میں جانا چاہا لیکن حضرت نے انھیں روکا اسوقت عبداللہ ابن عمر کلبی آگے بڑھے اور عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ مجھے اجازت جنگ دیجئے۔ حضرت نے دیکھا کہ ایک گندم گوں دراز بالاقوی بازو کشادہ سینہ ایک شخص ہے جسکے چہرہ سے شان مبارزت ظاہر ہے حضرت نے فرمایا کہ یہ شخص دونوں غلاموں کو قتل کریگا۔ اور اجازت دی۔ عبداللہ پیادہ انکی طرف گئے۔ دونوں نے کہا تم کو ہم نہیں پہچانتے تم جاؤ اور بریر یا زہیر ابن قین کو بھیجو۔ عبداللہ نے کہا کہ اب تم اس قابل ہوگئے ہو کہ سرداران لشکر اور مبارزان دلاور کو بلانے کی جرأت کرو۔ تمہارا قتل کرنیوالا مثل تمہارے غلام ہونا چاہیئے۔ اگر سپاس نہ ہوتی تو ہم لوگوں کو تم سے جنگ کرنا شرم کی بات تھی۔ یسار نے غصہ میں عبداللہ کو نیزہ مارا۔ عبداللہ نے رد کیا اور تلوار کا وار کیا کہ وہ گھوڑے سے گرا عبداللہ دوڑے کہ اسکا کام تمام کردیں کہ سالم پشت کیطرف آیا اور عبداللہ پر تلوار مارنی چاہی امیر المومنین حسینؑ کے لشکر سے لوگوں نے عبداللہ کو ہوشیار کیا۔ عبداللہ نے آوازوں پر التفات نہ کی اور اپنی تلوار یسار کے سینہ پر رکھکر زور کیا کہ نوک پشت سے نکل آئی اب سالم کی تلوار سر کے قریب پہونچگئی تھی عبداللہ نے ہاتھ آگے بڑھا دیا جس سے انگلیاں قلم ہوگئیں۔ عبداللہ نے ذرا پرواہ نہ کی اور یسار کے سینہ سے تلوار نکالکر سالم کے پاس پہونچے اور ایک ہی ہاتھ میں اسکا کام تمام کردیا۔ یہ دیکھکر ابن زیاد کے غلاموں نے عبداللہ کو گھیر لیا اس بہادر نے بہتیروں کو قتل کیا بالآخر شہید ہوئے۔

وہبؒ بن عبداللہ کلبی

بریرؓ کے بعد ایک نوخیز نوجوان میدان میں آیا جسکا نام روضۃ الصفا اور روضۃ الشہداء میں وہبؒ بن عبداللہ کلبی ہے۔ انکی ماں کا نام قمر بتایا گیا ہے۔ ابن خلدون سے عبداللہ بن عمیر کلبی کی جنگ لکھی گئی ہے اور اس مورخ نے انکی زوجہ کا نام ام وہب کہا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ معہ اپنی بی بی کے کوفہ سے کربلا میں آئے تھے۔ میں سوچتا ہوں کہ وہب اسی شہید کے فرزند تھے جسکا نام عبداللہ بن عمیر کلبی تھا اور قمر کی کنیت ام وہب تھی۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر وہب عبداللہ ابن عمیر کلبی ہی کے فرزند تھے تو کیا ہوا کہ یہ اپنے بہادر باپ کے بعد ہی فوراً میدان میں نہ دکھائی دیئے۔ بلکہ بریرؓ نے جنگ کی اور شہادت پائی۔ حضرت کے چھوٹے سے لشکر میں اگر جنگ کے لیے جانیکا ابتک کوئی اصول تھا تو یہ کہ ایک شخص جاتا وہ کوئی ہو۔ دوسرے یہ کہ حضرت سے اجازت لیتا یا اپنی جگہ سے السلام علیک یا ابن رسول اللہ کہتا اور میدان کیطرف بڑھ جاتا۔ اسکے علاوہ عرب کیا معنی دنیائے قدیم کا یہ مسلمہ اصول تھا کہ اگر کوئی بہادر کسی کو بلاتا تھا تو وہی اُس سے جنگ کرتا تھا۔ اگرچہ اسمیں درجہ امتیاز کی استثنا ہو جایا کرتی تھی۔ یزید بن معقل بریر کو طلب کر چکا تھا اسلیے بریرؓ بڑھ گئے جسطرح حصین بن نمیر نے حبیبؓ ابن مظاہر کو طلب کیا اور اُنھوں نے بھی للکار قبول کی اسکے علاوہ رفقائے حسینؑ میں ہر شخص جسطرح آمادہ شہادت تھا اُسمیں پیش و پس کا سوال ہی درمیان سے اُٹھ گیا تھا۔ جو بڑھ گیا۔ حسینؑ تو اُسوقت روکتے جب یہ جانتے کہ روکنے سے صورت واقعہ دوسری ہوگی۔ اگر کوئی ان حضرات میں مجبور تھا کہ اپنی جگہ نہ چھوڑے تو صرف حضرتؑ کے چھوٹے سے لشکر کے افسران میمنہ و میسرہ یا حضرت عباسؑ علمدار تھے۔ نظر بر ایں پیش روی یا پس روی کا خیال زیادہ قوی نہیں ہے۔ تاہم میرے نزدیک یہی کہا جا سکتا ہے کہ "غالب قرینہ ہے "یقین" کا لفظ استعمال نہیں کر سکتا۔

روضۃ الشہداء

بہر حال اس بہادر کا دردانگیز قصہ شہادت یوں شروع ہوتا ہے کہ وہب کی عروسی کو صرف سترہ روز ہوئے تھے اور یہ معہ اپنی نئی دلہن اور ماں کے خیام حسینؑ میں تھے کہ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ بریرؓ شہادت پا چکے تھے کہ قمر وہب کے پاس گئیں۔ میں روضۃ الشہداء کے بعض خوبصورت الفاظ اور جذبات قرض لیتا ہوں۔ وہ

کہتی ہیں۔ اے فرزند باوجود اس محبت کے جو مجھے تیرے ساتھ ہے۔ میں تجھسے چاہتی ہوں کہ تو جگر گوشہ مصطفےٰ کی حالت پر غور کر کہ وہ کربلا میں کسطرح بیوفاؤں میں گھر گئے ہیں "میخواہم کہ مرا از خون خود شربتے دہی تا شیرے کہ از پستان من خوردۂ بر تو حلال گردد" میری تمنا ہے کہ حسینؑ پر اپنی جان نثار کر کہ قیامت میں تجھسے راضی ہوں۔ ای جان مادر جا۔ اور اس سرور پر اپنا سر فدا کر اور مردان راہ خدا کیطرح ہوا و ہوس کو ترک کردے" در روضۃ الصفا کے لفظوں میں وہب نے جواب دیا کہ افعل یا اماہ ولا اقصر انشاء اللہ یعنی اے ماں میں ایسا ہی کرونگا اور خدا نے چاہا تو کمی نہ کرونگا) وہبؓ نے کہا اے اماں مجھے فرزند رسولؐ پر جان نثار کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن مجھے نئی دولہن کا خیال ہے کہ اس نے اس غربت میں مجھسے موافقت کی اور ابھی اسے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ اگر اجازت دو تو اس سے رخصت لے لوں۔ ماں نے کہا جاؤ لیکن عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں فریب دے اور تو سعادت جاوید سے محروم ہو جائے۔ وہبؓ نے کہا ای ماں خاطر جمع رکھو حسینؑ کی محبت میں اسطرح کمر نہیں باندھی ہے کہ کوئی اسے فریب سے کھولدے اسکے بعد یہ نوجوان اپنی بی بی کے پاس آیا اور کہا اے بانوے دمساز آج حسین علیہ السلام دشت کربلا میں گھر گئے ہیں اور غریب و تنہا ہیں۔ چاہتا ہوں کہ اپنی جان اُن پر نثار کروں کہ قیامت میں رضائے الٰہی اور شفاعت رسولؐ سے محروم نہ رہوں۔ بتولؑ عذرا کی خوشنودی اور علیؑ مرتضیٰ کی مدد میرے شامل حال رہے۔ یہ سنکر عروس کے دل سے آہ نکل گئی اور کہا۔ اے میرے غمگسار میری ہزار جان حسینؑ پر صدقے ہیں۔ کاش عورتوں پر بھی جہاد واجب ہوتا کہ میں بھی اپنی جان فدا کرتی۔ اسکے بعد دونوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوے اور عروس نے عرض کی، میری التجا یہ ہے کہ میں یہاں غریب اور بے مددگار ہوں میں خیمہ حرم محترم میں رہنے دی جاؤں کہ میری عصمت محفوظ رہیگی۔ حضرت اور اہلبیتؑ اس عورت کی بات پر چشم پر آب ہو گئے۔ اور جوان نے کہا کہ یا حضرت میں اسے آپکے سپرد کیا حضور اسے مخدرات عصمت و طہارت کے حوالہ کردیں۔ یہ کہکر رخصت ہوا۔ میدان میں پہنچا اور حضرت کی مدح میں شعر کہا ؎

امیرِ حسینؑ ونعم الامیر لہ لمعۃ کالسراج المنیر

شہسواری اور سپہ گری کے فن دکھائے بہتیرے تیغ و جنگ کی اور واپس آکر کہا۔ اے ماں مجھ سے راضی ہوئی؟ ماں نے کہا۔ ہاں تو نے بہتیری بہادری دکھائی لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ جبتک زندہ ہے لڑائی سے ہاتھ نہ اٹھا۔ وہب نے جواب دیا۔ اے ماں میں ایسا ہی کرونگا۔ لیکن اگر تو اجازت دے تو عروس کو رخصت کروں۔ ماں نے اجازت دی۔ آیا۔ نوازش کی ابھی باتیں کر رہا تھا کہ ہل من مبارز کی صدا آئی۔ اٹھا۔ روانہ ہوا۔ عروس دیکھتی رہگئی۔ وہب نے ایک بڑے شہسوار کو جسکا نام حکم بن طفیل تھا مارا۔ اب نرغہ میں آگیا۔ اسکی تلوار اپنے جوہر دکھاتی رہی۔ یہانتک کہ بازو بیکار ہوگئے اور گرا۔ دشمنوں نے سر کاٹ کر حضرت کے لشکر کیطرف پھینک دیا۔ مادرش در حسبت و سر پر برداشتہ روبروے نہاد وگفت احسنت احسنت نیکو کردی اے جان مادر واے حلال زادہ مادر۔ اکنون رضائے من ترا حاصل شد۔ وحیف اے راہ خدائے تعالی واصل گشتی ادیہ کہکر سر کو عروس کی گود میں رکھدیا عروس نے کوئی تنکا یا سلائی خون میں ڈبوئی آنکھ میں کھینچی۔ آہ کی اور مرگئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب وہب کا ہاتھ کٹ گیا تو چوب خیمہ لیکر دوڑی اور شمر نے اپنے غلام کو اشارہ کیا اُس نے زوجہ وہب کے سر پر ایک گرز مارا کہ تیورا کر گری اور مرگئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ ماں وہب کا سر لیکر میدان میں گئی اور قاتل کے سینہ پر اس زور سے کھینچ مارا کہ وہ گرا اور مرگیا حسینؑ نے واپس بلالیا۔ ضعیفہ نے عذر کیا کہ بھوا درد بیٹے کے غم میں میں نے ایسا کیا۔

ظہیر بن حسان اسدی

صاحب روضۃ الشہدا کے موافق لشکروں کی آراستگی کے بعد ابن سعد نے سامہ یزیدی کو میدان میں بھیجا اور یہ بڑے ٹھاٹھ سے میدان میں آیا اور اپنا نام و نسب ظاہر کیا۔ اسے دیکھکر ظہیر ابن حسان جو قبیلہ بنی اسد کے مشہور شجاع تھے حضرت کے پاس آئے اور عرض کی کہ یہ مشہور بہادر ہے مجھے اجازت دیجیے کہ میں اُس سے مقابلہ کروں۔ اجازت ملی۔ گھوڑا اُڑاتے ہوئے سامہ کے قریب پہونچے۔ سامہ انھیں دیکھکر کانپ گیا اور نصیحت شروع کی کہ اے بہادر تجھے شرم نہیں آتی کہ اپنے اہل و عیال اور مال کو چھوڑ کر

حسینؑ کی مدد کو گیا۔ ظہیرؒ نے کہا۔ اے کمینہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تو نعمت فانی کے لیے عقوبت دائمی اختیار کرتا ہے اور اہلبیت پیمبرؐ پر تلوار کھینچتا ہے۔ سامعہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ظہیرؒ نے اسکے مونھ پر نیزہ مارا اور وہ کھوپڑی توڑ کر باہر نکل گیا۔ اِدہر سامعہ گرا اور اُدہر ظہیرؒ عمر سعد کے سامنے گئے اور نعرہ کیا کہ اے اہل عراق جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا میں ظہیر ابن حسان اسدی ہوں کون آتا ہے کہ بخت آزمائی کیجائے اہل عراق و شام ظہیر کا آوازہ شجاعت سُن چکے تھے کوئی نہ ہلا۔ ابن سعد نے للکارا اور اسکی صدا پر نصر بن کعب خثعمی جو فن سپہ گری کا بڑا مشاق تھا آگے بڑھا اور ظہیر سے کہنے لگا کہ اے بہادر، تو اپنی نعمات اور قبیلہ سے جدا ہو گیا۔ چل میں تجھے ابن زیاد کے پاس لے چلوں کہ تیری تکلیفیں دور ہوں اور راحت نصیب ہو۔ ظہیرؒ نے کہا اے مردود ابن زیاد دین میں بدعتیں کرتا ہے میں آل رسولؐ کی خدمت میں اُنکی صحبت اور معرفت سے بہرہ مند ہوں مجھے دشمنوں سے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ نصر سوچ رہا تھا کہ ظہیرؒ کو گفتگو میں مشغول کر کے وار کرے۔ ظہیرؒ سمجھ گئے اور اب نصر بھی نیزہ کے زخم سے زمین پر لوٹنے لگا۔ اُسکا بھائی صالح بن کعب بھائی کے انتقام کیلئے آیا۔ ظہیرؒ نے اسے بھی نیزہ مارا۔ کعب بچا لیکن گھوڑا ابھر کا۔ رکاب میں اُلجھا اور گھوڑے کی لاتوں سے تمام ہو گیا۔ اُسکا لڑکا کعب بن نصر میدان میں آیا اور ظہیرؒ کا خون آشام نیزہ ناف سے گذر کر پشت سے جھلکنے لگا۔ ظہیرؒ نے مقتولین میں سے کسی کے اسلحہ کیطرف توجہ نہ کی اور پیادوں پر حملہ کیا۔ تیرہ کو قتل کرنے کے بعد پھر میدان میں آئے اور مقابل طلب کیا۔ اور تھوڑی دیر میں ستائیس سپاہیوں کو قتل کیا۔ ابن سعد نے حجر بن الاحجار کو غیرت دلائی۔ حجر نے تنہا دست بدست جنگ سے اعراض کیا لیکن صلاح دی کہ میں تین سو سواروں کو تین جگہ بٹھاتا ہوں اور اسکے مقابل جا کر پسپا ہوتا ہوں وہ پہلی کمین میں پھنسے گا ورنہ دوسری اور تیسری سے جانبر نہ ہوگا ظہیر اِن مکاریوں سے بے خبر میدان میں کھڑے تھے پیاس نے ہونٹ خشک کر دیئے تھے اور خاک سے سانس لینا دشوار تھا کہ حجر سامنے گیا لیکن کسیقدر دور کھڑا ہوا۔ ظہیرؒ نے کہا کہ یا ابن الاحجار آگے بڑھ کہ تھوڑی کوشش کیجائے۔ حجر نے کہا میں تجھ سے جنگ کرنے

نہیں آیا ہوں بلکہ یہ کہنا ہے کہ باوجود اس شجاعت کے تو ابن زیاد کے پاس کیوں نہیں آتا کہ تجھے مال دنیا سے غنی کر دیگا۔ تو جانتا ہے کہ حسینؑ کے پاس مال۔ اختیار اور اقتدار نہیں ہے ہمت بلند کا اقتضا یہ ہونا چاہیے کہ اہل دولت کے پاس جائے۔ ظہیرؒ نے کہا دولت امام حسینؑ سے طلب کرنی چاہیے کہ وہ ہمارے اوج ولایت ہیں میری علو ہمت مجھے اُنکے قریب رکھتی ہے ابن زیاد نابکار ہے اور جن لوگوں نے اختیارات اُسکے حوالہ کیے ہیں وہ بھی ایسے ہیں۔ عمر چپ ہو گیا۔ اور خوف سے آگے نہ بڑھا۔ ظہیرؒ نے باگ لی تھی کہ عمر نے باگ پھیری۔ ظہیرؒ کو غیرت آئی کہ دشمن اسطرح قبضہ سے نکل جائے۔ گھوڑے کو ڈانٹا اور پیچھے دوڑے۔ کمین کے پاس پہونچکر عمر چلایا اور مدد مانگی سوار داہنے بائیں سے آگئے اور طعن وضرب شروع ہو گئی۔ ظہیرؒ نے نیزہ سیدھا کیا اور نہایت بے جگری سے جنگ کرنے لگا۔ یہانتک کہ پہلی کمین دوسرے میں ملگئی اور تھوڑی دیر میں دوسری تیسری میں شامل ہو گئی۔ اکیلا ظہیرؒ تین سو سوار اور نیزوں سے کھیل رہا تھا کہ شیث ربعی نے ظہیرؒ کے کندھے پر نیزہ مارا کہ زرہ کو توڑ کر انی شانہ میں پیوست ہو گئی۔ ظہیرؒ اُسکی طرف مڑے وہ خوف سے سواروں میں بھاگا۔ اور اپنے نیزہ سے بھی باز آیا۔ ظہیرؒ نے بھی غالباً نیزہ اُٹھانے کی قوت نہ دیکھکر تلوار لی اور لڑنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے پچاس سواروں کو گرادیا۔ لیکن انپر بھی چھوٹے اور بڑے نوے زخم لگے حسینؑ نے دیکھا اور حکم دیا کہ ظہیرؒ کو نکال لاؤ۔ سعد غلام امیر المومنین معہ دس رفقا کے بڑھے اور اکثر کو قتل کر کے ظہیرؒ کو لے آئے۔ زرہ کی کڑیوں میں متعدد تیر پیوست تھے اور زخموں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ حضرت پیادہ سرہانے کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد ظہیرؒ نے آنکھ کھولی دیکھا حسینؑ کھڑے ہیں اتنی قوت تھی کہ سر اُٹھایا اور حسینؑ کے قدموں پر رکھدیا حسینؑ نے کہا اے ظہیرؒ کچھ کہو اور جو کچھ دل میں ہے ظاہر کرو کہ اُسکا لحاظ اور تمہاری حق گذاری کروں۔ تمنے خدمتگذاری میں کوئی تقصیر نہیں کی اور حق شجاعت ادا کیا لیکن ظہیرؒ میں اب باتوں کی قوت نہ تھی البتہ منہ میں اسطرح حرکت تھی کہ جو اقتضائے عالم کی حرکت کہی جائے۔ یا اسوقت پیاس کے خیال سے اشارہ کر رہے ہوں یا انھیں

یہ آخری تسکین مل ہو کہ گویا یہ وہ پانی پی رہے ہیں جو حوض کوثر سے انکے لیئے لایا گیا ہو۔

عمر بن خالد خالد بن عمر

عمر بن خالد اور انکے فرزند خالد بن عمر ازدی میدان میں آئے درروضۃ الشہداء انکے موافق وہب بن خالد اور انکے بعد خالد بن عمر) اور شہید ہوئے۔ انکے بعد سعید بن حنظلہ

سعید بن حنظلہ تمیمی

تمیمی جو ایک جنگ دیدہ سپاہی اور لشکر حسینؑ کے ممتاز لوگوں میں سے تھے میدان میں آئے اور رجز پڑھا۔

صبراً علی الاسیاف والاسنۃ صبراً علیہا لدخول الجنۃ

(یعنی تلواروں اور نیزوں پر دخول جنت کیلئے صبر کیا۔ بعض اور اشعار کا مطلب) بے شبہ یہ نیتیں اس شخص کیلئے ہیں جو حصول نجات کا ارادہ کرے۔ اسے نفس راحت کیلئے کوشش اور طلب خیر میں رغبت کر)

سعیدؓ نے خوب جنگ کی اور راحت جاوید کیطرف رحلت کی۔

عمر بن عبداللہ مذحجی
حماد بن انس
شریح بن عبید
مسلم بن عوسجہ

عمر بن عبداللہ مذحجی اور حماد بن انس نے عالم اعلیٰ کیطرف انتقال کیا۔ شریح بن عبید قربانگاہ پر پہونچے۔ اثنائے جنگ میں انکا گھوڑا گرا ابھی سنبھلے نہ تھے کہ دشمنوں نے موقع پاکر نیزوں اور تلواروں سے شہید کر دیا۔

اب مسلم بن عوسجہ اسدی میدان میں تشریف لائے۔ ضعیفی تھی۔ ہاتھ پاؤں قابو میں نہ تھے مگر دل اختیار میں تھا جنگ کی۔ ابن خلدون کے نزدیک مسلم بن عوسجہ کی جنگ کا موقع تھا کہ "شامی فوجیں اپنے اپنے جوانمردوں کے سہم مارے جانے سے سہم سی گئیں۔ ہر شخص ان دونوں دلیروں (حرؓ ابن یزید اور نافع بن ہلال) کے مقابلہ پر جانے سے جی چرا رہا تھا۔ عمر بن حجاج نے چلا کر کہا اے لوگو۔ تمہارے مقابلہ پہ آدمی ہی ہیں۔ یہ کچھ شیر نہیں ہیں کہ تم کو میدان جنگ میں جاتے ہی پھاڑ ڈالینگے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم لوگ باوجود اس کثرت کے ہمت ہارے جاتے ہو تمہارے مخالفین کی تعداد اسقدر کم ہے کہ اگر تم لوگ انپر ایک ایک کنکریاں بھی پھینکو تو انکے مرجانیکو کافی ہو۔ اے اہل کوفہ اپنے امیر کی اطاعت کرو۔ جماعت سے علٰحدہ نہ ہو جو شخص دین سے باہر اور امام کے مخالف ہو گیا ہے۔ اسکے قتل کرنے میں کچھ شک و شبہ نہ کرو۔ دیکھو ایک ایک لڑنے کو

اس سے ظاہر کیا گیا کہ گویا حسینی فوج حکومت وقت کی باغی و مخالف جماعت سے تھے

میدان میں منہ جاؤ لیکن سب کے سب جمع مِل کر باندھ کر مجموعی قوت سے حملہ کرو۔ عمر بن سعد نے اس رائے کو پسند کیا اور فرادے فرادی نکلکر لڑنے کو منع کر دیا۔ امام حسینؑ بولے اے عمر بن حجاج کیا تو ہمارے خلاف لوگوں کو ابھارتا ہے کیا ہم دین سے باہر ہوگئے ہیں یا تم؟ خدا کی قسم اگر تمہاری روحیں قبض کرلیجائیں اور اسی حالت میں تم لوگ مرجاؤ تو معلوم ہوجائیگا کہ کون شخص دین سے باہر تھا۔ عمر بن حجاج نے بجائے جواب دینے کے فرات کیجانب سے حملہ کر دیا مسلمؓ بن عوسجہ سے لڑائی ہوتی رہی۔ آخر الامر یہ زخمی ہوکر گرے اور عمر بن الحجاج اپنے لشکر میں لوٹ آیا۔ امام حسینؑ مسلمؓ کے پاس تشریف لائے جسوقت وہ دم توڑ رہے تھے۔ فرمایا اے مسلمؓ۔ اللہ تجھپر رحم کرے جسکا وقت آگیا ہے وہ تو جارہا ہے اور جو باقی ہے وہ وقت کا انتظار کر رہا ہے۔ تم اندیشہ نہ کرو ہم بھی عنقریب تم سے آکر ملا چاہتے ہیں۔ حبیبؓ بن مظہر قریب گئے۔ ارشاد کیا میں اس زخمی کے جنتی ہونے کی بشارت دیتا ہوں۔ مسلمؓ نے یہ سنکر آنکھیں کھولدیں۔ حبیبؓ بن مظہر بولے۔ امام حسینؑ تمہارے جنتی ہونیکی بشارت دیتے ہیں۔ مسلمؓ نے مسکرا کر جواب دیا میں تمکو نیکی کی بشارت دیتا ہوں۔ حبیبؓ نے مسلمؓ کا سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھکر کہا۔ اے بھائی اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں تمہارے بعد کچھ دنوں بھی زندہ رہونگا تو تم سے میں وصیت کی خواہش کرتا لیکن میں یہ یقیناً جانتا ہوں کہ دو ہی چار ساعت کے بعد میں تم سے آکر ملا چاہتا ہوں۔ مسلمؓ نے کہا تاہم میں تمکو ایسی وصیت کرتا ہوں جسکے تم سزاوار ہو اور وہ یہ ہے کہ تم امام حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا اور جب تک بقید حیات رہنا ان بدبختوں بدنہادوں سے لڑتے رہنا مسلمؓ تو اسقدر وصیت کرکے راہی ملک بقا ہوئے"۔۔۔۔ (تاریخ کامل کے موافق مسلمؓ نے اشارہ سے حبیبؓ کو وصیت کی)

مسلمؓ بن عوسجہ کی آخری وصیت

صاحب روضۃ الصفا کہتا ہے "مسلمؓ کے گھوڑے سے گرنیکے وقت اصحاب عمر بن سعد نے غل کیا کہ ہمنے مسلمؓ کو مارا شبث بن ربعی نے یہ سنکر غل کرنے والوں کو گالیاں دیں اور کہا کہ تم ایسے شخص کے مارنے کا فخر کر رہے ہو جسنے جنگ آذربائیجان میں صفوں کے ملنے کے قبل چھ مشرکین کو قتل کیا تھا"

صاحب روضۃ الشہدا کہتا ہے کہ مسلمؓ نہ صرف شجاع اور لشکر آرائی میں ماہر تھے بلکہ

چند قرآن (دفاتر اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے) جناب امیر کی خدمت میں پیش کیے تھے اور جناب امیر نے انھیں "بھائی" فرمایا تھا۔

عمرو بن قرظہ انصاری

عمرو بن قرظہ انصاری نے اجازت جنگ حاصل کی اور بقول صاحب لہوف اسطرح سے لڑے کہ جیسے مشتاقان جزا بڑے زور و شور سے لڑتے ہیں یہانتک کہ فوج ابن زیاد سے ایک گروہ کثیر کو قتل کر ڈالا۔ راستبازی اور جہاد کو جمع کر دکھایا۔ کوئی تیر حضرت امام حسینؑ کیطرف ایسا نہ آتا تھا کہ جسکو وہ اپنے ہاتھ سے نہ روکتے تھے کوئی تلوار حضرت کی طرف نہیں آتی تھی جسکو اپنے سینہ پر نہ لیتے تھے۔ کوئی برائی حضرت تک نہ پہونچنے دی یہانتک کہ سخت زخمی ہوئے۔ تب انھوں نے سید الشہدا کیطرف رخ کیا اور عرض کی یا ابن رسول اللہ کیا میں نے آپکے عہد کو پورا کیا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں تو ہی مجھسے پہلے بہشت کو جا رہا ہے۔ اچھا رسولخدا سے میرا سلام کہنا اور بتلا دینا کہ تیرے بعد میں بھی آ رہا ہوں پھر انھوں نے لڑنا شروع کیا یہانتک کہ وہ شہید ہوئے۔

ابن خلدون کہتا ہے "انکا (عمرو بن قرظہ انصاری) بھائی عمر بن سعد کے ہمراہ تھا اُسنے باآواز بلند کہا یا حسینؑ..... تو نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور اسدرجہ اُسکو گمراہ کر دیا تھا کہ وہ مارا گیا۔ آپ نے جواب دیا اللہ تعالی نے اُسکو گمراہ نہیں کیا بلکہ راہ راست کی رہنمائی کی ہاں تو البتہ گمراہ ہو گیا۔ عمرو بن قرظہ کا بھائی یہ سنکر طیش میں آیا اور یہ کہتا ہوا کہ اللہ تعالی مجھے مار دے جو میں تجھکو نہ ماروں یا تیرے پاس مر نہ جاؤں۔ آگے بڑھا نافع بن ہلال مرادی نے لپک کر نیزہ چلایا جس سے وہ زخمی ہو کر گرا نافع نے نیزہ چھوڑ کر تلوار کھینچی لیکن اُسکے ہمراہی یورش کرکے اُٹھا لیگئے علاج معالجہ کرکے اچھا ہو گیا"

عمرو بن حجاج کے دستہ کا حملہ

جنگ کی یہ صورت تو تھی ہی کہ ایک ایک سے لڑتا لیکن عمرو بن حجاج الزبیدی کی صلاح نے ابن زیاد کو باوجود کثرت سپاہ جنگی بدعہدی کی ذلت میں مبتلا کیا اور اُسنے عمرو بن حجاج کو سپاہیوں کی ایک جماعت سے حملہ کرنے کا حکم دیدیا۔ اسکے حملہ میں مسلم ابن عوسجہ کی شہادت لکھی گئی۔ اُسکے حملہ میں حسینؑ کیطرف سے یہی بزرگ شہید ہوئے ہوں یا کچھ اور زخمی ہوئے ہوں۔ عمرو بن حجاج معہ اپنے سپاہیوں کے موجود ہو یا واپس گیا ہو۔ یا محاصرہ

اور نئے حملہ کا انتظار کر رہا ہو نیچ میں کوئی تنہا حسینؑ کا سپاہی کسی سے جنگ بھی کر رہا ہو
یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسقدر وقفہ کے بعد یا متصلاً شمر نے حملہ کیا اور ابھی شمر کا حملہ پسپا ہوا تھا
یا نہیں یا ابھی جنگ کی شدت ہی تھی کہ حصین بن نمیر اور پانچسو تیر اندازوں سے بڑھا
اور اُس نے بھی حملہ شروع کر دیا۔ کامل ابن اثیر کے موافق جسوقت ابن حجاج نے لشکر
بڑھایا تو رفقائے حسینؑ "دست گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے" اور تیر برسائے کہ دشمن آگے نہ بڑھ سکا"

شمر اور ابن نمیر کا حملہ

بقول ابن خلدون "حصین بن نمیر قریب پہونچکر تیر برسانے لگا تھوڑی دیر میں آپ کے
سواروں کے کل گھوڑے زخمی ہو کر مر گئے اُسوقت کل ہمراہی پیادہ ہو کر لڑنے لگے ....
یہانتک کہ دوپہر ہو گئی لڑائی نہایت تیزی اور سختی سے جاری تھی اور لشکر شام باوجود کثرت
کے اُن لوگوں کے حملہ کا جواب نہ دے سکتا تھا اور نہ انکے قریب پہونچکر حملہ آور ہو سکتا
تھا۔ عمر بن سعد نے مجبور ہو کر چند لوگوں کو آپکے خیموں کیطرف سے حملہ کرنیکو بھیجا آپ کے
ہمراہیوں میں سے صرف چار آدمی مخالفین کو روکنے پر مامور ہوئے جو دستہ فوج سواروں
یا پیادوں کا لشکر شام سے نکلکر خیمہ کیطرف بڑھتا دکھائی دیتا تھا خیمہ تک پہونچنے کا کیا ذکر
راستہ ہی میں ڈھیر ہو جاتا تھا۔ تب عمر بن سعد نے خیموں پر دور سے آگ برسانیکا
حکم دیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا تم لوگ مجھسے لڑتے ہو تو مجھسے لڑو خیموں میں عورتوں اور
بچوں کے سوا کوئی مرد نہیں ہے وہ غریب نکلکر بھاگ سکیں گی اور نہ ہم خیموں میں آتشزدگی
کے باعث تمسے لڑ سکیں گے۔ عمر سعد یہ سنکر خاموش ہو گیا۔ اسکے بعد شمر ذی الجوشن
حملہ کرکے امام حسینؑ کے خیمہ تک پہونچکر کہنے لگا مجھے دوزخ ہی میں جلنا نصیب ہو اگر میں اس
خیمہ کو نہ جلا دوں عورتیں چلا کر نکل آئیں۔ امام حسینؑ نے ڈانٹ کر کہا۔ اللہ تعالیٰ تجھے جلائے
تو میرے خیمہ کو جلائیگا جسمیں میرے اہلبیت ہیں؟ شمر نے اسکا کچھ جواب نہ دیا۔ حمید بن مسلم
اور شبث بن ربعی نے بھی اسکو اس فعل شنیع سے روکنا چاہا لیکن بدبختی سے وہ نہیں
مانتا تھا برابر خیمہ کیطرف آگ لگانیکی غرض سے بڑھا جاتا تھا۔ زہیر بن قین نے دس
آدمیونکو ہمراہیان امام سے علحدہ کرکے شمر اور اُسکے رکاب کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ابوعزہ ضبابی
جو اسکے ہمراہیوں میں تھا اور بہت سے سپاہی مارے گئے بالآخر مجبور ہو کر شمر ذی الجوشن کو

اصحاب نے کسطرح حملہ روکا

آتشباری

واپس آنا پڑتا۔ چونکہ لشکر شام کی تعداد زیادہ تھی کثرت کیوجہ سے وہ چار پانچ دس بیس کا
مارا جانا محسوس نہ ہوتا تھا اور امام حسینؑ کیطرف بوجہ قلت جماعت ایک دو آدمیوں کا بھی
کام آجانا احساس ہو جاتا تھا"

حملوں کے وقت اصحاب کی تعداد

ان حملوں کے وقت علامہ مجلسی اور کامل کے موافق حضرت کے صرف تیس اصحاب
باقی تھے۔ آخر الذکر مورخ کے موافق ان لوگوں نے وہ لشکر کوفہ کی جانب حملہ نہیں کیا مگر
یہ کہ اُسکو کھولدیا" اسی مورخ کے موافق "عروہ بن قیس نے جو کوفے کے لشکر کا سردار تھا یہ
دیکھا تو اُسنے کسی کو عمر سعد کیطرف بھیجا اور کہلوایا کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس تھوڑے سے لشکر
سے تیرا لشکر کسطرح لڑ رہا ہے۔ پیادوں اور تیر اندازوں کو اُسکی طرف بھیج"!

علامہ مجلسی کے موافق جسوقت دشمن نے آگ لگانیکا ارادہ کیا تو حضرت نے اپنے
رفقا کو حکم دیا کہ دشمن کو آگ لگا دینے دو اُسطرف سے دشمن کی آمد مسدود ہو جائیگی۔ ایسا ہی
ابی مخنف نے کہا ہے کہ جب دوپہر ہوگئی اور ایک طرف سے لڑائی ہو رہی تھی کہ یہ دیکھکر
ابن سعد نے خیمہ جلانیکا حکم دیا۔ پس حضرت نے فرمایا کہ انھیں ایسا کرنے دو کیونکہ اسکے بعد
وہ ادھر سے تمہاری طرف نہ آسکیں گے اور ایک ہی طرف سے لڑائی ہوگی۔ پس شمر لعین نے
حملہ کیا اور عورتوں کے خیمونکے قریب پہونچا اور آگ کیلئے آواز دی۔ پس حضرت نے
اصحاب نے اُسپر حملہ کیا اور اُسکو خیمہ سے ہٹا دیا۔ اسکے بعد حضرت نے شمر کو آواز دی۔ وائے
ہو تجھپر کیا تیرا ارادہ ہے کہ رسول اللہ کے حرم کو جلا دے۔ اُسنے کہا ہاں۔ پس حضرت نے چہرہ مبارک
آسمان کیطرف بلند کرکے شمر کو بددعا دی۔ اسپر شمر اور غصہ میں آیا اور اُسنے اپنے سپاہیوں کو
حکم دیا کہ انپر سب ملکر حملہ کرو اور ان کے آخری شخص کو فنا کر دو۔ اسکے بعد یہ لوگ داہنے
اور بائیں متفرق ہو کر اصحاب حسینؑ پر تیر مارنے لگے جس سے اکثر اصحاب شہید ہوئے۔ اُس
وقت ابو ثمامہ الصیداوی بڑھے اور عرض کی:-

ابو ثمامہ صائدی

اے میرے مولا ہم لوگ لامحالہ قتل ہونگے۔ نماز کا وقت آگیا ہے میری آرزو ہے کہ آخری
نماز آپکے ساتھ پڑھ لوں۔ شاید ہمیں اسطرح لقائے الٰہی حاصل ہو کہ اس موضع عظیم میں ہمنے
فرائض میں سے ایک فرض ادا کر دیا ہو۔ حضرت نے فرمایا اذان دے خدا تجھپر رحم کرے

دبعض کے موافق حضرت نے آسمان کیطرف دیکھکر فرمایا کہ تو نے نماز کا ذکر کیا خدا تجھے
نمازگذاروں میں قرار دے ہاں یہ اول وقت ہے) پس جسوقت اذان سے فراغت
ہوئی حضرت نے آواز دی وے اے عمر سعد کیا تو نے شرایع اسلام کو بھلا دیا کیا تو اسقدر
صبر نہ کریگا کہ نماز پڑھکر جنگ کیجاے۔ اُسنے قبول نہ کیا۔ اور حصین بن نمیر نے آواز دی
کہ اے حسین پڑھو لیکن تمہاری نماز قبول نہ کیجائیگی۔ حبیبؓ نے اُسے جواب دیا۔ واے ہو تجھپر
حسین کی نماز نہ قبول کیجائیگی لیکن تجھسے ابن خمارہ کی نماز مقبول ہوگی۔ ابن نمیر دونوں
لشکروں کے درمیان یہ سنکر غصہ میں آیا۔ میدان میں آیا رجز خوانی کی اور آواز دی کہ اے
حبیبؓ آؤ طعن وضرب کیلیے میدان میں نکل آؤ۔ حبیبؓ نے اُسکا کلام سُنا حضرت کے
قریب گئے اور کہا یا مولا مجھے امید ہے کہ میں نماز پڑھونگا اور آپکے پدر نامدار و جد بزرگوار اور
برادر عالیمقدار کو آپ کا سلام پہونچاؤنگا۔ یہ کہکر نکل آے اور رجز پڑھا۔ حصین نے حملہ
کیا اور حبیبؓ نے جواب میں وار کیا تلوار حصین کے گھوڑے کے سر پر پڑی اور زخم کیوجہ
سے گھوڑے نے حصین کو زمین پر گرادیا پس اُس کے رفقا دوڑے اور اُسے اٹھالیا
حبیب نے ایک تمیمی پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر ڈالا یہانتک کہ بتیس آدمی قتل کیے۔ اب دشمنوں
نے اُنپر غلبہ کیا اور اُنھیں حسینؑ کے سامنے شہید کر ڈالا۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ عباس بن
علی سلام اللہ علیہ اور حبیبؓ بن مظاہر کی شہادت کیوقت حضرت کے چہرہ پر انکسار کے آثار
معلوم ہوے اور فرمایا کہ حبیبؓ مرد فاضل تھے جو ایک رات میں قرآن ختم کرتے تھے۔ پس
زہیر ابن قین کھڑے ہوے اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا ابن رسول اللہ یہ کیسا
انکسار ہے جو میں آپکے چہرہ پر دیکھ رہا ہوں کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ فرمایا واللہ اعلم علم الیقین ہے
ہم اور تم حق اور ہدایت پر ہیں۔ زہیر نے کہا پھر ہمیں کیا پروا ہے ہم جنت اور اُسکے نعمات کی
طرف جا رہے ہیں۔ یا مولا اب ہمیں میدان میں نکلنے کی اجازت دیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا
جاؤ۔ نکلے زہیر اور رجز پڑھا۔

حبیبؓ اور ابن نمیر

زہیر بن قین

انا زهیر وانا ابن القین ۔ وفی یمینی مرهف الحدین ؎ اذب بالسیف عن الحسین ۔ ابن علی الطاهر الجدین
اضربکم ولا اری من شین ؎ عن امام الصادق الیقین ؎ اضربکم ضرب غلام زین ۔ الیوم یعنی الذین اهل الدین

ویتقی من اھل الشین بامیض وصارم المسلمین

پس جنگ کرنے لگے یہاںتک کہ پچاس آدمیوں کو قتل کیا۔ اسکے بعد کہا کہ حسینؑ کیساتھ نماز فوت ہوجائیگی۔ پس لوٹے اور کہا یا مولا مجھے خوف ہو کہ میری نماز آپکے ساتھ فوت ہوجائیگی پس حسینؑ کھڑے ہوئے اور اصحاب کیساتھ نماز ظہر پڑھی"

حبیبؑ

ابن خلدون کے موافق حبیب اسطرح شہید ہوئے کہ حبیب نے حصین بن نمیر کو اسکے ساتھیوں ذ بچا لیا تو حبیب لڑنے لگے "بدیل بن حریم نامی جنگجو کو قتل کیا۔ ایک دوسرے شخص نے پیچھے سے نیزہ چلایا حبیبؑ جوں ہی اُسکی طرف متوجہ ہوئے حصین بن نمیر نے تلوار کا وار کردیا جس سے حبیب ہوکر گر پڑے تمیمی نے اُتر کر سر اُتار لیا امام حسینؑ کو سخت صدمہ ہوا بنفس نفیس جانے پر تیار ہوئے حر و زہیر نے بڑھکر کہا۔ ہم آپ پر سینہ سپر ہوکر فدا ہونیکو موجود ہیں ہمارے ہوتے ہوئے آپ میدان جنگ میں نہ جایئے۔ امام حسینؑ یہ سنکر رُک گئے اور حر و زہیرؑ نے لشکر شام پر حملہ کردیا جب ایک شخص ان میں سے لڑتے لڑتے غرق مخالف میں چھپ جاتا تھا تو دوسرا اس سختی و تیزی سے حملہ کردیتا کہ اُسکو مخالفین کے نرغہ سے نکال لاتا تھا۔ تھوڑی دیر تک لڑائی کا عنوان اسیطرح رہا بہت سے آدمیوں کا دم زدن میں وارا نیارا ہوگیا۔ عمر بن سعد نے للکار اپیادوں نے چاروں طرف سے گھیر کر حرؑ بن یزید کو شہید کیا اور ابو ثمامہ نے اپنے چچازاد بھائی کو جو شامی لشکر میں تھا قتل کر ڈالا۔ بعد اسکے امام حسینؑ مع اپنے ہمراہیوں کے صلوٰۃ الخوف پڑھکر پھر لڑنے لگے مخالفین چاروں طرف سے تیر باری کر رہے تھے اور آپکے ہمراہی اپنی اپنی جانبازی دکھا رہے تھے۔ زہیرؑ بن قین لڑتے بھڑتے بلاخیال پس وپیش لشکر شام میں گھستے چلے گئے کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس آنکھیں بچا کر دفعۃً زہیرؑ پر ٹوٹ پڑے اور انکو شہید کر ڈالا"

حرؑ اور زہیرؑ کی جنگ کا طریقہ

زہیرؑ بن قین کی شہادت

قیاس کیا جاسکتا ہے کہ پچیس تیس آدمیوں نے ایسا بڑا کام کیا تھا کہ کم سے کم پندرہ سو سوار اور پیادے اور تیر اندازوں کے حملہ کو اس حد تک روک لیا تھا کہ کسیطرح نماز پڑھنے کی مہلت ملی۔ لیکن عالم شجاعت کی اس حیرت خیز مثال کے بعد انھیں یہ اُمید نہ تھی کہ ہم دم لے سکیں گے۔ نہیں۔ لڑائی منقطع نہ ہوئی تھی۔ ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر حضرت اصحاب کیطرف

نماز ظہر کے بعد حضرت کا خطبہ

(ابی مخنف)

مخاطب ہوئے اور فرمایا:- اے میرے اصحاب جنت نے اپنے دروازے کھولدیئے ہیں۔ نہریں بہ رہی ہیں جنت کے میوے تیار ہیں اور اُسکے قصور آراستہ ہیں حوریں تمہاری منتظر ہیں اور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ معہ اُن شہداء کے ہیں جو اُنکے اور میرے پدر بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے تمہاری آمد کے منتظر اور مشتاق ہیں اور ایک دوسرے کو بشارت دے رہے ہیں پس دین خدا کی حمایت اور حرم رسولؐ خدا کی حفاظت کرو"

"اسوقت مخدرات نکل آئیں اور اُنہوں نے آواز دی کہ اے معشر المسلمین اور اے عصبۃ المومنین دین خدا کی مدد کرو اور حرم رسول خدا اپنے امام اور اپنے نبی کی بیٹی کے بیٹے سے دشمنوں کو دفع کرو۔ خدا نے ہماری وجہ سے تمہارا امتحان کیا ہے۔ تم ہمارے جد بزرگوار کے ہمسایہ ہو اور ہمارے دوست ہو۔ دور کرو دشمنوں کو خدا تمہیں برکت دیگا"

مخدرات عصمت کا استغاثہ

"جسوقت اصحاب نے اہلبیتؑ کا یہ کلام سُنا چیخ مار کر رو دیئے۔ اور عرض کی ہمارے نفس آپکے نفوس پر ہمارا خون آپکے خون پر اور ہماری روحیں آپکی ارواح پر فدا ہیں۔ قسم خدا کی ہماری حیات تک کسی کی برائی آپ تک نہ پہونچ سکے گی یہانتک کہ ہمارے جسم تلواروں اور طائروں کی خوراک ہو جائیں اسوقت ہم آج کے کسب خیر سے فیضیاب ہوں گے"

اہلبیتؑ کا استغاثہ سُنکر اصحاب کیحالت

ان لاثانی شجاعوں میں کوئی سعید بن عبد اللہ الحنفی کا ایسا فدائے راہ حسینؑ تھا جسنے اپنا فرض یہی قرار دیا تھا کہ اُدھر جائے جدھر حسینؑ جائیں اور اپنے سینہ اور جسم کو اُن تیر اور نیزوں کا نشانہ قرار دے جو حسینؑ کے ارادے سے چلائے گئے ہوں۔ اُنہوں نے دنیا کے حوادث پر اُسوقت تک اپنے عزم و استقلال کی مہر کی جبتک حسینؑ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے۔ ادھر سلام پھیرا اُدھر سعید میں کھڑے ہونیکی طاقت نہ رہی سلام کیا اور عالم راحت کیطرف رخصت ہو گئے۔

سعید بن عبد اللہ حنفی

نافع بن ہلال بجلی کو یہی صاحب روضۃ الشہداء نو داماد کہتا ہے۔ اُنکے ارادہ جنگ پر اُنکی عروس نے دامن پکڑ لیا اور کہا نہ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ مارے جاؤ۔ ہلال نے کہا اے نازنین

نافع بن ہلال بجلی

ب مجھسے دور ہوں میں کیوں دوسروں سے کم رہوں۔ کیا میرا دعویٰ محبت زبانی ہے۔ یہ باتیں حسینؑ تک پہونچیں اور آپ نے فرمایا اے بھائی میں نہیں چاہتا کہ جوانی میں تم لوگ مبتلائے فراق ہو۔ عرض کی آج اگر آپ کو اس بلا میں چھوڑ دوں تو قیامت میں آپ کے جد عالیمقدار کو کیا جواب دونگا۔ اصرار کیا۔ رخصت حاصل کی۔ میدان میں آئے اور رجز پڑھا۔

انا الغلام الیجلی۔ انا علی دین علیؑ

و دینہ دین النبی

نافع مشہور تیر انداز تھے اور ہر تیر پر اپنا نام کندہ کیا تھا۔ روضۃ الصفا کے موافق ایک شخص مقابلہ کیلئے آیا اور اُس نے کہا:۔ انا علی دین عثمان نافع نے کہا:۔ بل ھلے دین اللہ......

جنگ ہوئی اور نافع نے اپنے مقابل کو مار لیا۔ روضۃ الشہدا کے موافق انکے ترکش میں اسّی تیر تھے اور ان میں سے کوئی خالی نہ گیا۔ تیر ختم ہونے پر تلوار لی۔ واد شجاعت دی اور وہ انعام حاصل کیا جسکا تلواروں کے سایہ کے بعد وعدہ کیا گیا ہے۔ ابی مخنف کے موافق انہوں نے ستر آدمیونکو قتل کیا۔ ابن خلدون کہتا ہے "مجروحین کے سوا بارہ آدمیونکو مارا بالآخر لڑتے لڑتے صدمہ زخم سے انکا بازو ٹوٹ گیا گرفتار کر لیے گئے۔ شمر ذی الجوشن پکڑ کر عمر بن سعد کے پاس لیگیا۔ چہرہ سے خون کے فوارے جاری تھے۔ عمر بن سعد دیکھکر مسکرایا۔ نافع بولے میں نے زخمیوں کے علاوہ تم میں سے بارہ آدمیونکو قتل کیا ہے اگر میرے بازو سلامت رہتے تو تم مجھکو ہرگز گرفتار نہ کر سکتے۔ شمر نے قتل کی غرض سے تلوار کھینچی نافع نے کہا۔ خدا کی قسم اگر تو مسلمان ہوتا تو مجھکو یہ شاق ہوتا کہ اللہ تعالےٰ کے روبرو ہمارے خون کیساتھ جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہماری موت بدترین خلائق کے ہاتھ پر لکھی ہے۔ شمر یہ سُنکر جھلا اُٹھا اور ایک وار سے نافع کا کام تمام کر دیا"

عبد اللہ و عبد الرحمن مزنی نے شہادت پائی۔ عبد اللہ و عبد الرحمن پسران عروہ غفاری

عبد اللہ و عبد الرحمن مزنی

عبد اللہ و عبد الرحمن غفاری

(روضۃ الشہدا)
مالک بن انس

آئے اور شجاعت کا حق ادا کیا۔ مالک ابن انس میدان میں گئے اور ابن سعد کوفی کو طلب کرنے کے کہا کہ اگر سعد بن وقاص کو معلوم ہوتا کہ آج تجھسے یہ حرکت سرزد ہوگی تو وہ اپنے ہاتھ سے تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتا۔ اور عالم کو تجھ جیسے ننگ وجود سے پاک کرتا۔ عمر سعد نے شرمندہ ہو کر جلدی سے کسی کو مقابلہ کے لئے بھیجدیا۔ مالک نے بھی عالم شہادت میں حصہ لیا۔ حضرت مطاع الجعفی میدان میں آئے حسینؑ کی مدح میں شعر پڑھتا پچیس آدمیوں کو قتل کرنیکے بعد عالم آخرت کیطرف سفر کیا۔ قیس بن امیہ راہی

اور شہدا

ملک بقا ہوئے۔ ابو مخنف کے موافق یزید بن مظہر اسدی نے جنگ کی اور پچاس دشمنوں کو قتل کیا۔ انکے رجز کا ایک مصرع یہ تھا کہ یارب انی للحسین ناصر۔ دوسرے شعر کا پہلا مصرع یہ تھا ولابن سعد تارک وھاجر۔ علی بن مظاہر نے جنگ کی اور ستر کو عالم الضاف کیطرف رخصت کیا۔

طرماح بن عدی

ابو مخنف طرماح بن عدی کو بھی شہید کراتا ہے حالانکہ کامل کے موافق حسینؑ سے اثنائے سفر کی ملاقات کے بعد وطن واپس گئے۔ انکی شہادت ناممکن نہ ہوگی اگر یہ دوبارہ واپس آئے ہوں۔ صاحب روضۃ الشہدا ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کو بھی لاتا ہے اور مخنف جنگ کراتا ہے۔ میرے نزدیک یہ صفین میں شہید ہوچکے تھے۔

یحیٰی بن کثیر

یحیٰی بن کثیر انصاری میدان میں آئے اور رجز پڑھا۔
اسکے بعد حملہ کیا۔ پچاس کے قریب شامیوں کو قتل کیا اور عالم راحت کیطرف رخصت ہوئے۔

(ابن خلدون)
سیفؑ اور مالکؑ

سیف بن الحرث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع روتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے آپ نے فرمایا تم روتے کیوں ہو مجھے امید ہے کہ عنقریب تم لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی سیفؑ و مالکؑ نے عرض کیا۔ ہم اپنے لئے نہیں بلکہ ہمکو اسپر رونا آتا ہے کہ ہم اپنی جان دیکر بھی آپ کو نہیں بچا سکتے۔ آپ نے دعائیں دیں اور یہ دونوں بھائی رخصت ہوکر شیر غراں کیطرح میدان جنگ میں للکارتے ہوئے جا پہونچے۔ لشکر شام نے ہر چہار طرف سے گھیر کر تھوڑی دیر میں شہید کر ڈالا۔

حنظلہ بن اسعد الشیبانی

بعد اسکے حنظلہ بن اسعد شیبانی میان صف سے نکلکر امام حسینؑ کے روبرو کھڑے ہوئے

اور لشکر شام کو مخاطب کر کے بولے۔ ای لوگو مجھے خوف ہی کہ تم پر یوم احزاب کیطرح عذاب نہ آئے جیسے قوم نوح و عاد و ثمود اور وہ لوگ جو انکے بعد ہوئے۔ اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کیا چاہتا۔ اے لوگو مجھے روز قیامت کا خوف ہے جسدن کہ تم مقابلہ نہ کر سکو گے اسکا۔ تمکو اللہ کے سوا کوئی بچانیوالا نہیں ہے۔ اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں ہے۔ اے لوگو تم حسینؑ کو قتل نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ عذاب سے تمہاری بیخکنی کر دیگا اور جو شخص اللہ پر افترا کریگا وہ خائب ہو گا۔"

"لشکر شام میں سے کسی نے اسکا کچھ جواب نہ دیا امام حسینؑ بولے اللہ تعالےٰ تجھ پر رحم کرے یہ لوگ مستحق عذاب اسیوقت ہو چکے جبکہ مینے انکو حق کیطرف بلایا اور یہ لوگ اُسکی مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اب کیوں یہ کلمہ حق پر عمل کرینگے جبکہ تمہارے نیک بھائیوں کو قتل کر چکے ہیں۔ حنظلہ یہ سُنکر خاموش ہو گئے اور آپ سے رخصت ہو کر درود پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں جا پہونچے دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر کر تیر باری شروع کر دی بالآخر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ختم صاحب لہوف کے موافق "ابھی حنظلہ سید الشہدا کیطرف پھرے عرض کی یا ابن رسول اللہ کیا میں اپنے رب کیطرف نہ جاؤں اور اپنے بھائیوں سے نہ ملوں حضرت نے فرمایا ہاں ہاں بہتر ہے خدا کیطرف چلو جو تمہارے لئے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور اُس ملک کو جاؤ جو فنا نہیں ہو سکتا"

ابو مخنف معلےٰ کو میدان میں لاتا ہے اور کہتا ہے وکان معروفاً بالشجاعۃ اور رجز پڑھا

معلی

انا المعلّی حافظا لا اجلی   دینی علیٰ دین احمد ی دعلی

قریب پچاس دشمنوں کے قتل کئے یہانتک کہ خون کے بکثرت جاری ہونے سے زمین پر گر پڑے۔

جون

انکے بعد جونؑ غلام ابوذر غفاری میدان میں آئے رجز پڑھا

بالسیف صلناعن بن محمد   ارجو بذالک الفوز بالموعد

مع الامام والشفیع احمد

حضرت کا جونؑ سے خطاب اور جونؑ کا جواب

انکے متعلق صاحب لہوف فرماتے ہیں "یہ حبشی تھے اُنسے حضرت نے فرمایا کہ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ کیونکہ تم لوگ اپنے آرام کیلئے میرے ساتھ ہو سے تھے

پس میری رفاقت میں تم اپنے کو مبتلائے بلا نہ کرو۔ جون نے عرض کی یابن رسول اللہ میں آپکے اچھے وقت کا کاسہ لیس تھا اب بُرے وقت میں آپکو میں چھوڑ دوں؟ ہاں بخدا میرے جسم میں بد بو ہے میرا حسب بہت خراب ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے پس مجھے جنت میں بھیجدیجئے کہ میرا بدن خوشبودار ہو جائے میں صاحب حسب شریف ہو جاؤں اور میرا منھ روشن و سفید ہو جائے۔ بخدا میں آپ سے جدا نہ ہونگا یہانتک کہ میرا خون سیاہ آپکے خون پاک میں ملجائے۔ پھر جون نے بہ اجازت حملہ کیا اور لڑنا شروع کیا یہانتک کہ شہید ہوے"

ایک نوجوان

ابو مخنف کہتا ہے "پھر ایک نوجوان میدان میں آیا جو اور جسکی ماں حسینؑ کے ہاتھ پر اسلام لائی تھی۔ جنگ کی چالیس آدمی قتل کیئے اور دار السلام کی طرف راہی ہوا"

جابرؓ بن عروہ غفاری

اپنی صورت کا ایک اور عبرت خیز منظر یہ تھا جسے ابو مخنف کے الفاظ کی سادگی بہتر ادا کرسکتی ہے کہ "ثم برز جابر بن عروۃ الغفاری وکان شیخاً کبیراً وکان قد شھد مع رسول اللہ یوم بدر و واقعات غیرھا وجعل یعصب حاجبیہ عن عینیہ والحسینؑ ینظر الیہ ویقول شکر اللہ سعیک یا شیخ!" پھر جابر بن عروہ غفاری نکلے اور وہ بہت بوڑھے تھے اور اُنہوں نے رسول اللہ کیساتھ بدر اور اُسکے علاوہ واقعات کو دیکھا تھا اُنھوں نے اپنی بھنویں اپنی آنکھ سے اُٹھائی تھیں حسینؑ نے اُنکیطرف دیکھا اور فرمایا خدا تمہاری سعی کو مشکور کرے یا شیخ" جابرؓ نے رجز پڑھا۔

قد علمت حقاً بنو غفار وخندف ثم بنو انزار

بنصرنا لاحمد المختار یا قوم حاموا عن بنی الاطھار

الطیبین السادۃ الاخیار صلے علیھم خالق الابرار

رعشہ دار ہاتھوں سے جنگ کی اور ابو مخنف کہتا ہے کہ اسّی آدمی دشمنوں کے لشکر سے کم کردیے۔

مالکؒ ابن داؤد

مالک ابن داؤد میدان میں گئے اور دشمنوں کے ساتھ مددگاروں کو راہی کر دیا۔

عابسؒ و شوذبؒ

میدان کربلا کے واقعات میں عابسؒ ابن شبیب الشاکری کی شان جنگ اور گفتگو میں

لکھا ہے۔ صاحب روضۃ الصفا کہتے ہیں کہ عابسؓ نے اپنے غلام شوذب سے پوچھا کہ آج میرے ساتھ تیرا کیا مقام ہے غلام نے جواب دیا کہ تیری رکاب میں شمشیر زنی کرونگا یہانتک کہ مارا جاؤں۔ عابسؓ نے کہا کہ تجھسے میرا ایسا ہی گمان تھا۔ اب قدم آگے بڑھا کہ آج وہ دن ہے کہ خدا سے اپنے عمل کی بڑی مزدوری طلب کرینگے اور آج کے بعد پھر ہم کوئی عمل نہ کرینگے۔ یہ کہکر حسینؑ کے پاس گئے اور کہا یا ابا عبد اللہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے زمین پر کوئی شخص آپ سے زیادہ دوست اور عزیز نہیں ہے۔ اگر میں اپنے نفس سے کوئی نفیس تر چیز پاتا تو اُسے آپ کی ذات مقدس اور نفس مکرم پر فدا کرتا۔ یا ابا عبد اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کیطرح سالک راہ مستقیم ہیں۔ ربیع بن تمیم کہتا ہے کہ میں نے لڑائیوں میں عابسؓ کے ہنر دیکھے تھے۔ جب دور سے آتے دیکھا۔ لشکریوں سے کہا کہ تمہاری طرف وہ متوجہ ہوا ہے جو شیر اور ہاتھی پر غالب آتا ہے خبردار کوئی اُسکے پاس نہ جاوے۔ اتنے میں عابسؓ بھونچکے اور مقابل طلب کیا۔ عمر سعد نے فوج کو پتھر اور تیر مارنے کا حکم دیا۔ عابسؓ نے جسم [illegible] اپنا خود اور زرہ اُتار کر پھینکدی اور شام کے لشکر میں ڈوب گئے۔ (ربیع بن تمیم جس سے عابس سے ملاقات ہی کہتا ہے) مینے دیکھا کہ دو سو آدمیوں سے زیادہ کو گرا کر برابر گھوڑا دوڑا رہا تھا یہانتک کہ ہر جانب سے گھر گیا اور شہید ہوا۔ روضۃ الشہدا اسکے موافق غلام انکا محافظ پشت تھا۔ ابن خلدون کے موافق شوذب جانبکے ساتھ ہی شہید ہو گئے۔ اس مورخ ونیز ابن اثیر کے موافق عابسؓ کے مقابلہ پر کسی کو جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ابن خلدون کے موافق "لشکر شام میں سے کسی کی ہمت مقابلہ پر جانے کی نہ پڑی ایک دوسرے کا موںہ تکنے لگا۔ عمر بن سعد نے کہا اے پست ہمتو اگر اسکے مقابلہ پر نہیں جا سکتے ہو تو اسکو چاروں طرف سے تیر و پتھر سے مارو۔ عابسؓ نے لڑائی کا یہ نرالا رنگ دیکھکر تلوار کھینچ لی اور کمال تیزی سے برق کیطرح آن واحد میں مخالفین پر جا پڑے اور انکو مار کر پسپا کر دیا پھر مخالفین نے چاروں طرف سے یورش کر کے گھیر لیا اور تیر و نیزہ سے انہیں شہید کر ڈالا"

اس مورخ کے موافق سب کے پہلے (م) آپکے ہمراہیوں میں سے جو لڑے اور شہید کئے گئے

عابسؓ کے لڑنیکی شان

ابو الشعثاء یزید بن زیاد کندی

وہ ابو الشعثا یعنی یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ یہ عمر بن سعد کے ہمراہیوں میں سے تھے جب ان لوگوں نے امام حسینؑ کی درخواست صلح نامنظور کی تو یہ اُنسے علٰحدہ ہو کر آپ سے آملے تھے اور اجازت حاصل کرکے جان نثار کی انہوں نے دشمنوں کو ایک سو تیر مارے جن میں سے پانچ نے بھی خطا نہ کی ہر بار امام حسینؑ فرماتے جاتے تھے۔ اے اللہ اسکے بازوؤں میں قوت عطا فرما اور اسکے ثواب میں جنت عطا کر۔"

(روضۃ الشہدا)

حجاج بن مسروق الجعفی اور ایک ترک

حجاج بن مسروق الجعفی حضرت کے لشکر کے مؤذن لڑے اور شہید ہوئے۔ اسکے بعد ایک ترکی غلام جو قاری اور حافظ تھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اجازت جنگ طلب کی حضرتؑ نے فرمایا کہ میں نے تجھے اپنے فرزند زین العابدین کیلئے خریدا تھا اور انھیں بخشدیا تو اُنسے اجازت طلب کر۔ ترک گیا اور اجازت چاہی۔ حضرت علی ابن الحسینؑ نے فرمایا کہ میں نے تجھے آزاد کردیا اسکے بعد تجھے اختیار ہے۔ ترک اب تمام خیموں کے گرد بہ اعفو تقصیر کرائی اور پھر فرزند رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعات بیان کئے اور اب اجازت لیکر میدان کی طرف گیا۔ حضرت امام زین العابدینؑ بیمار تھے مگر یہ سنکر کہ ترک میدان میں گیا ہے خیمہ کے پردے اُٹھوا دیئے دیکھا کہ "ترک با عذارے چوں گل شگفتہ و رخسارے چوں ماہ دو ہفتہ درمیان ہر دو صف بہ ایستاد... گاہے بہ عربی رجز میخواند و گاہے بہ لفظ ترکی کلامے بر زبان میراند و ترجمہ بعضے رجز ہاے او بنظم ابو المفاخر ایں است:۔

اے حسینؑ اے گہر ردعائی — نسخہ مکرمت سبحانی
منم آں ترک کہ سلطاں ہاشم — گر تو ام ہندوی حضرت خوانی
چہ شود گر تو بروی خوش خویش — سرخ روے ابدم گردانی

یادگار جنگ کے بعد پیاس کے غلبہ سے خیمہ کیطرف واپس آیا۔ "امام زادہ بر و آفرین گفت... ترک صادق دل وست و پاے امام زین العابدین را بوسہ داد دیگر بارہ از مخدرات حجرات عصمت بحلی طلبید و از سوز مفارقت خدمت ایشاں بہ ہاے ہاے گریست،... در اکثر کتب مذکور است کہ آں ترک زخم گراں یافتہ از پاے در آمد و امام حسینؑ بسر وے رسیدہ او را بہ خیمہ امام زین العابدین رسانید و از مرکب فرود آمد و سرش در کنار گرفت و روے بر

بروے دے بہاد و امام زین العابدینؑ با وجود مرض بر سر بالین وے ایستاد غلام دیدہ باز کرد سر خود در کنار شاہ شہیداں دید امام زین العابدینؑ را بر سر بالین خود مشاہدہ فرمودہ تبسّم کناں بہ پدر و پسر سلام کرد و بجہان دار السلام آورد۔"

سعیدؓ بن عبد اللہ الحنفی

سعدؓ بن عبد اللہ الجعفی جو اقربائے مادر محمد حنفیہ سے تھے لڑے اور شہید ہوئے۔ جنادہؓ حارث

جنادہ اور عبد اللہ بن جنادہ

الضاری اور عبدؓ اللہ بن جنادہ نے شہدا کی فہرست میں اپنا نام لکھوایا۔ پھر ال انصاری مرہؓ بن ابی مرہ غفاری گئے اور کامیاب ہوئے۔

ابراہیم

ابو مخنف ابراہیم بن الحسینؑ (الحصین) سے جنگ کراتا ہے۔ یہ پچاس کے قریب دشمنوں کو قتل کرکے شہید ہوتے ہیں۔

اصحاب حسینؑ عالم راحت کیطرف رخصت ہو چکے۔ اب ان جاں نثاروں میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ اب صرف بنی ہاشم باقی رہ گئے۔ کامل بن اثیر اور اسکی نقل سے ابن خلدون حضرت علیؑ اکبر کو پہلا شہید آل ابیطالبؑ میں قرار دیتا ہے۔ اگرچہ مجھے شہداء کی ترتیب میں بہت اصرار نہیں ہے لیکن دیگر مورخین نے حضرت علیؑ اکبر کو آخر شہداء میں لاتا ہے اور میں اسی کو قبول کرتا ہوں۔"

عبد اللہ بن مسلم

عام مورخین نے یہ سلسلہ اختیار کیا ہے کہ وہ بنی ہاشم میں سے پہلے عبدؓ اللہ بن مسلمؓ بن عقیلؑ کو میدان میں لاتے ہیں۔ ابو مخنف کے نزدیک یہ حسینؑ کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں یا مولا مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اے فرزند اپنے اور اپنے اہل کو قتل سے بچاؤ۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ اے چچا میں کس مونھ سے آپ کو چھوڑ دوں اور کسطرح اپنے جد محمد مصطفےٰؐ سے ملاقات کرونگا۔ واللہ اے میرے سردار یہ ہرگز نہ ہوگا بلکہ میں شہید ہو کر ان سے ملاقات کرونگا۔ میدان میں نکلے۔ اور رجز پڑھا

نحن بنو ھاشم الکرام ۔ نحن بنات سید الھمام

سبط رسول الملک العلام ۔ نسل علیؑ فارس الضرغام

اسکے بعد حملہ کیا یہانتک کہ نوے دشمنوں کو ڈھیر کر دیا۔ اسوقت ایک تیر لگا اور وا ابتاہ کی آواز دی۔ اب گھوڑے پر نہ سنبھل سکے حسینؑ نے انکی طرف دیکھا اور فرمایا خدایا آل عقیلؑ کے

قاتل کو قتل کر۔ اسکے بعد انا للہ و انا الیہ راجعون فرمایا۔ اور قاتل پر حملہ کرنے کا حکم فرمایا۔ دعا دی
اور فرمایا کہ جنت کیطرف چلو اس سرائے رنج سے دار السلام بہتر ہے"
صاحب روضۃ الشہدا لکھتی ہوئی بات کہتا ہے کہ جب عبد اللہ بن مسلم نے رخصت مانگی
اور حضرت نے انھیں اپنے کو محفوظ کرنے کی صلاح دی تو عبد اللہ نے جواب دیا کہ اس
معبود کی ذات پاک کیلئے جس نے آپ کے جد کو مبعوث برحق کیا مجھے میدان میں جانے دیجئے
اور دشمنوں سے باز نہ رکھئے تاکہ میں آپ کی خدمت میں اپنے باپ کے درجہ پر پہنچوں
جسطرح کہ اقربا میں سے پہلے میرے باپ نے آپکی ہواداری میں اپنی جان فدا کی میں بھی
اقربا میں سے اسوقت سب کے پہلے آپ پر اپنا سر فدا کردوں۔ حضرت نے انکا سر سینہ سے
لگایا اور فرمایا کہ اے میرے پسر عم کے یادگار تجھسے میری آنکھیں روشن اور دل خوش تھا۔ اب
یہ بھی حرام ہوا اور دنیا میں مصاحبت تمام ہوئی۔ اجازت ملی۔ اور ابن سعد نے قدامہ بن
اسد فرازی کو مقابلہ کیلئے بھیجا۔ عبد اللہ نے قدامہ پر نیزہ سے حملہ کیا۔ قدامہ نے اپنا
گھوڑا ہٹا لیا۔ عبد اللہ جیسے جیسے آگے بڑھتے قدامہ اپنا گھوڑا بھگاتا تھا اور عبد اللہ کا گھوڑا بوجہ
بھوک اور پیاس کے تعاقب کا دم نہ دیسکتا تھا۔ تھک کر عبد اللہ نے نیزہ پھینکدیا اور
تلوار نیام سے نکال لی۔ قدامہ نے یہ دیکھکر خوشی خوشی نیزہ سے حملہ کیا۔ عبد اللہ بچے اور
تلوار سے قدامہ کے سر پر کاری زخم لگایا اور اسکا کمر بند تھام کر گھوڑے سے گرا دیا۔ خود اسکے
گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنا گھوڑا خادم کے حوالہ کر دیا۔ عبد اللہ کچھ دیر ٹھہرے رہے جب
کوئی مقابل نہ آیا تو پیاس سے مضطرب ہو کر میمنہ لشکر پر حملہ کیا اور حمیر حمیری کو جو خوارج
نہروان میں سے تھا قتل کیا اور اسکے لڑکے کاہل بن حمیر کو بھی اسکے باپ کے پاس بھیجدیا
اب قلب لشکر پر حملہ کیا اور صالح بن یعقوب کے علاوہ بیس آدمیوں کو قتل کیا۔ اب میسرہ کیطرف
رخ کیا اور قدامہ حبشی کو جو عمر سعد کے لشکر کا پہلوان تھا نیزہ سے قتل کیا۔ اسوقت عداس
دمشقی نے پشت کیطرف آکر عبد اللہ کا گھوڑا پے کر دیا۔ عبد اللہ کود پڑے۔ اتنے میں نوفل
بن مزاحم حمیری نے نیزہ سے گرا دیا اور بعض کے موافق عمر بن صبیح صیداوی کے تیر سے شہید
ہوئے۔

(اعثم کوفی)

"پھر جعفرؓ بن عقیلؓ بن ابیطالبؑ نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور رجز خواں ہو کر اس کافر گروہ سے مقابلہ کیا اور انکا قتل و قمع کرتے ہوئے درجہ شہادت حاصل کیا۔ اسکے بعد بھائی عبداللہ نے بھی رجز خواں ہو کر حملہ کیا اور اس کافر گروہ سے خوب مردانہ جنگ کی انجام کار شہادت پائی" ابو مخنف موسیٰؓ ابن عقیلؓ کی شہادت بھی لکھتا ہے اور ابن خلدون عبدالرحمن بن عقیلؓ کو شہداء کی فہرست میں داخل کرتا ہے۔

جعفرؓ اور عبداللہؓ بن عقیلؓ

موسیٰؓ اور عبدالرحمن بن عقیلؓ

اسکے بعد محمدؓ بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ میدان میں گئے اور جام شہادت نوش کیا۔ اور صاحب روضۃ الشہدا کہتا ہے کہ "و زینبؑ خواہر امام حسینؑ در فراق فرزند دلبند خود بنالید امام حسینؑ اور اتسلی داد و خاموش گردانید" انکے بعد عونؓ بن عبداللہ بن جعفرؓ فدیہ راہ خدا ہوئے اور ابو مخنف کے نزدیک اسیؔ دشمنوں کو قتل کیا۔

عونؓ بن عبداللہ بن جعفرؓ

اسی ضمن میں یہ روایت ہے کہ جسوقت واقعہ کربلا کی خبر مدینہ میں پہونچی اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو اپنے فرزندوں کی شہادت کی خبر ہوئی تو انکے غلام نے از روئے تملق کہا کہ حسینؑ کی رفاقت میں یہ نتیجہ حاصل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی پاپوش اٹھا کر غلام کے موٹھ پر ماری اور کہا کہ اگر میں ہوتا تو میں بھی شہید ہوتا میری ندامت میرے فرزندوں کی شہادت سے کم ہوگئی۔ یہ روایت کامل ابن اثیر میں بھی ہے۔

اعثم کوفی کہتا ہے "عبداللہ بن حسنؑ بن علیؑ ہتھیار سج کر میدان میں آیا نہایت ہی صاحب جمال حسین اور طاعت حسن میں بے نظیر تھا۔ اپنا نام بتا کر اور رجز پڑھکر حملہ کیا اور کچھ دیر تک خوب لڑتا رہا آخر کار اس ناخدا ترس اور ظالم گروہ نے ایسے جوان کو بھی درجہ شہادت کو پہونچا دیا اس پر اللہ کی رحمت ہو۔ امام حسینؑ کو اسکی شہادت سے سخت رنج ہوا اور بہت روئے اور افسوس کرتے تھے اور آواز دیکر کہا اے عزیزو اور اے میرے اہلبیت اس حادثہ پر جو مجھے پیش آیا ہے اور اس مصیبت و بلا پر جو لاحق حال ہے صبر کرو اور خوش ہو کہ اس تکلیف کے بعد راحت ہی راحت ہے اور اس ذلت کے بعد عزت ہی عزت میسر ہوگی"

عبداللہ بن حسنؑ

اور مورخین سے اگر یہ شکایت ہے کہ وہ واقعہ کو ایک سطر کا طول بھی نہیں دیتے بلکہ نتیجہ کا کوئی ٹکڑہ پیش کرتے ہیں تو روضۃ الشہدا کی وسعت بیان سے یہ گلہ ہے کہ وہ زیادہ تر

کتاب اور راوی کا پتہ نہیں دیتا جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ اُسے بجائے اسکے کہ ہر
پہلو سے واقعات کی درستی پر غور کرے روضہ خواں کی سی چاشنی زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے
عبد اللہ بن حسنؑ کی جنگ بھی اُسکے پاس ایک نئی سی ہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عمر سعد تک پہونچتے
پہونچتے عبد اللہ نے بائیس دشمنوں کو مار لیا اور ذرا دم لیکر مقابل طلب کیا۔ ابن سعد
زور ہو گیا اور بختری بن عمر شتی نے اُسے جگہ چھوڑنے کا طعنہ دیا۔ ابن سعد نے اُسے بھڑکا کر
بھیجا اور وہ اپنے پانچسو ماتحت سواروں سے بڑھا۔ حضرت نے یہ دیکھکر محمد بن النفس۔ اسد بن
ابی وجانہ۔ فیروزدان غلام امیر المومنین کو مدد کیلئے بھیجا۔ انلوگوں نے فیروزدان اور اُسکے
رفقا کو ہزیمت دی شیث بن ربعی نے بختری کو ملامت کرکے واپس کیا اور اپنے پانچسو
سواروں سے حملہ کیا۔ اثنائے جنگ میں فیروزدان کا گھوڑا مارا گیا۔ اسد نے چاہا کہ فیروزدان
کو سوار کرے لیکن ممکن نہ ہوا۔ اس دار وگیر میں ان لوگوں نے بختری کو مار لیا۔ اسد نرغہ میں
گھر کر شہید ہوئے۔ فیروزدان کے بازو بیکار ہو چکے۔ عبد اللہ بن حسنؑ نے یہ دیکھکر فیروزدان
کو اپنے گھوڑے پر چڑھانا چاہا لیکن اُسکا زخم اسد رجہ زخمی و کمزور تھا کہ وہ دو آدمیوں کو نہ اُٹھا
سکتا تھا۔ عبد اللہ پیادہ ہوگئے ہپر فیروزدان کو سوار لئے چلے۔ عونؑ بن علیؑ نے یہ
دیکھکر گھوڑا پہنچایا۔ اسوقت فیروزدان تمام ہوکر گھوڑے سے گر گیا۔ عبد اللہ اور عونؑ اپنے
گھر کے وفادار پر رو دیئے۔ پھر جنگ شروع کی۔ ابن سعد کے اغوا سے جنگ پر یوسف بن
الاحجار نے کہا کہ یا ابن سعد منشور رے تو نے لیا ہے تو خود کیوں نہیں جاتا۔ ابن سعد نے
کہا کہ ابن زیاد نے مجھے جنگ کرنے کو نہیں کہا ہے بلکہ لشکر کو میرے ماتحت کیا ہے تجھے
حکم ماننا چاہیئے۔ جا اور اس لڑکے سے جنگ کر ورنہ ابن زیاد سے تیری شکایت کرونگا۔ یوسف
ڈرا اور گیا لیکن حسنؑ کے فرزند نے نیزہ مار کر اسے تمام کر دیا۔ طارق بن یوسف آیا اور مارا
گیا۔ اُسکا چچا مدرک بن سہیل آیا اور مارا گیا اور عبد اللہ اسکے گھوڑے پر سوار ہوگئے۔
میمنہ پر حملہ کرکے بارہ آدمیوں کو قتل کیا۔ اب پیاس کی شکایت کرتے ہوئے چچا کے
پاس آئے یہاں شہادت کی بشارت ملی۔ گئے جنگ کی۔ آخر دست و بازو نے کام کرنے
سے انکار کیا چاہا ایک طرف نکل جائیں انبوہ سے ممکن نہ ہوا۔ حضرت عباسؑ نے دیکھا

جنگ کرتے ہوئے گئے اور خیمہ کیطرف لا رہے تھے کہ فیہان بن ظہیر نے پشت پر تلوار ماری جس سے گر گئے۔ عباسؑ نے دیکھا اور گھوڑا دوڑا کر ایک ضرب میں فیہان کا کام تمام کر دیا۔ حمزہ ابن فیرہان نے عباسؑ کو نیزہ مارنا چاہا لیکن عونؑ بن علیؑ نے اسکا کام تمام کر دیا۔ عبدؑ اللہ بن حسنؑ خیمہ تک نہ آئے لیکن لاش آئی۔

اس جگہ یہ کہدینا بھی ضروری ہے کہ صاحب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابیطالب اور ناسخ التواریخ اور صاحب جنات الخلود کی ایک روایت کے موافق حسن مثنیٰ (فرزند حضرت امام حسنؑ) نے میدان کربلا میں جنگ کی اور سخت زخمی پڑے تھے کہ اسماء بن خارجہ بن عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری اسوقت انکے قریب پہونچا جبکہ لشکر عمر سعد شہداء کے سر علیحدہ کر رہا تھا اسماء نے انھیں مانگ لیا۔ علاج ہوا اور یہ اچھے ہوگئے۔ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی صاحبزادی فاطمہؑ بنت الحسینؑ انکے عقد میں تھیں۔

لیکن عموماً مورخین نے حسنؑ بن الحسنؑ (حسنؑ مثنیٰ) کی جنگ کا تذکرہ نہیں کیا ہے اگر کیا ہے تو قاسم الحسنؑ کا اور کسی نے عبدؑ اللہ بن حسنؑ کا۔ ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ مورخین نے عبدؑ اللہ بن حسنؑ کو حسن مثنیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن انسابین نے اولاد حضرت امام حسنؑ میں صاف صاف عبدؑ اللہ اور حسنؑ لکھا ہے یعنی یہ علیحدہ علیحدہ دو فرزند تھے۔ ایک اور مشکل یہ ہے کہ جسوقت حضرت امام حسینؑ علیہ السلام سخت زخمی ہو چکے تھے ایک بچہ جسکا نام عبدؑ اللہ بن حسنؑ تھا حضرت کیطرف دوڑا جسوقت کوئی بے رحم نامرد حضرت کے فرق مطہر پر وار کیا چاہتا تھا کہ اس بچے نے اپنی چھوٹی چھوٹی کلائیاں آگے کر دیں اور وہ ضرب شمشیر سے کٹ گئیں۔

ابو مخنف ایک اور ہی بات کہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرتؑ کے پاس تین چار اقربا کے علاوہ کوئی نہ رہا اور حضرت فرما رہے تھے کہ کون ہماری مدد کرتا ہے کون حرم رسولؐ سے دشمنوں کے شر کو دفع کرتا ہے اسوقت وخرج الیہ من الخیمۃ غلامان کانھما قمران احدھما اسمہ احمدؑ والاخر اسمہ القاسم بن الحسنؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ وھما یقولان لبیک لبیک یا سیدنا ہا نحن بین یدیک مرنا بامرک صلوات اللہ علیک فقال لھما احلافی ماعن حرام حبل کسما

احمدؑ و قاسمؑ

مانبقی اللہ هم غیرکما بارک اللہ فیکما۔ فبرز القاسم وله من العمر اربعة عشر سنته وحمل علی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل سبعین ملعونا فارسا وکمن له ملعون فضربه علی ام راسه ففرق هامته فانصرع یخور فی دمه فانکب علی وجهه وهو ینادی یا عماه ادرکنی فوثب الیه الحسین ففرقهم عنه ووقف علیه وهو یضرب الارض برجلیه حتی قضی نحبه ونزل الیه وحمله علی ظهر جواده..... ثم نظر الی القاسم وبکی علیه وقال یعز واللہ علی عمک ان تدعوه فلا یجیبک..... وبرز من بعده اخوه احمد وله من العمر ستة عشر سنة" اس سے ظاہر ہے کہ احمد بن حسن بھی میدان میں تشریف لیگئے اور اس قابل تھے کہ اسّی دشمنوں کو قتل کرسکتے تاریخ خمیس میں حضرت امام حسنؑ کے فرزندوں میں احمد بن حسنؑ کا نام ہے۔

۱۴ برس

۱۶ برس

اور ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ اگر یہ صحیح ہیں تو حضرت امام حسنؑ علیہ السلام کے چار فرزندوں نے میدان جنگ میں کارنمایاں کیئے۔ اور ایک بچہ بغیر جنگ شہید ہوا۔ لیکن پھر عموماً مورخین حضرت امام حسن علیہ السلام کی اسقدر اولاد کو شہید نہیں کرایا ہے جہاں انہوں نے تذکرہ اولاد میرہ مقتولین کا نام لیا ہے۔ اگر قیاس کی کوئی گنجائش ہو تو میں تصفیہ کرونگا کہ احمد بن حسنؑ کو عبد اللہ بن حسنؑ سمجھا گیا ہے۔ اور عبد اللہ بن حسنؑ اُسی بچہ کا نام ہے جو اپنے چچا کو زخموں سے چور زمین پر دیکھکر باوجودیکہ صدیقہ وقت حضرت زینبؑ روک رہی تھیں لا واللہ لا افارق عمی کہتا ہوا دوڑا تھا۔ لیکن یہ بھی کہدوں کہ حضرت امام حسنؑ کا کوئی فرزند میدان کربلا میں گیارہ برس کی عمر سے کم کا نہیں ہوسکتا تھا اسلئے کہ حضرت سبط اکبر نے ۴۹ھ میں شہادت پائی اور آج ۶۱ھ میں دس دن گذر گئے تھے۔

احمد بن حسنؑ کو عبد اللہ بن حسنؑ سمجھے جانیکی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ جس وضع کی جنگ عبد اللہ بن حسنؑ کی لکھی گئی ہے اُسے احمد بن حسن سے زیادہ نسبت ہے اسلیئے کہ چونکہ وہ سن میں حضرت قاسمؑ سے دو برس بڑے تھے لازماً انمیں جسمانی نشو کی حیثیت سے بھی بہ نسبت قاسمؑ کے میدان جنگ کی زیادہ صلاحیت تھی و نیز روضۃ الشہدا کا عبد اللہ بن حسنؑ کے متعلق یہ بیان کہ وہ حضرت کے پاس پیاس کی شکایت کرتے ہوئے

آئے۔ ابو مخنف میں بھی احمد بن حسنؑ کے متعلق ہے کہ انسٹھ دشمنوں کو مار کر پیاس کے مارے انکی آنکھیں دھنس گئی تھیں۔ اور آواز دیتے رہے تھے کہ اے چچا کیا پانی کا کوئی گھونٹ ہے جس سے اپنے کلیجہ کو ٹھنڈا کر دوں اور مجھ میں اتنی قوت آسکے کہ خدا و رسولؐ کے دشمنوں سے جنگ کر سکوں۔ یہ سنکر امامؑ نے فرمایا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے ذرا صبر کر کہ تو اپنے جد رسول اللہؐ کے پاس پہونچ جائے۔ وہ تجھے ایسا پانی پلائینگے کہ تو اسکے بعد پیاسا نہ ہوگا۔ یہ سنکر فرزند حسنؑ میدان میں گیا اور رجز پڑھکر حملہ کیا یہانتک کہ ساٹھ دشمنوں کو اور قتل کر دیا۔ اسکے بعد شہید ہوئے۔

حضرت قاسمؑ کی آمد اور جنگ کے متعلق میں ابو مخنف کی مذکورہ عبارت پر کوئی اضافہ نہیں کیا چاہتا بجز اسکے کہ صاحب بحار کے موافق حضرت قاسمؑ کا جنگلی لباس یہ تھا کہ کرتا۔ پائجامہ اور نعلین پہنکر میدان میں گئے تھے۔ اور انھیں کو ان جواب کا فخر حاصل تھا جسوقت حضرتؑ نے ان سے دریافت کیا کہ اے فرزند موت تجھے کیسی معلوم ہوتی ہے تو فرمایا کہ "شہد سے زیادہ شیریں" اُن تمام تاریخوں میں جو [illegible] میرے سامنے ہیں ازرق شامی اور اسکے بیٹوں کی جنگ کو میں بجز روضۃ الشہداء کے اور کسی میں نہیں پاتا اور اسلئے اسکی تفصیل سے باز رہتا ہوں۔ ابن خلدونؒ کے موافق حضرت قاسمؑ کی لاش اپنی پیٹھ پر لائے۔

(مقتل ابن نما علیہ الرحمہ)

حضرت عباسؑ اور اُنکے بھائی

اسکے بعد حضرت عباسؑ نے جب دیکھا کہ اکثر رفقا اور اعزا شہید ہو چکے تو آپنے اپنے بھائیوں سے کہا کہ بہادروں کیطرح ابن سعد کے لشکر کیطرف بڑھو اور لشکریوں کے چہرے اور سینوں کو زخموں سے بھر دو۔ اُنلوگوں نے ایسا ہی کیا۔

ابن خلدون کہتا ہے " عباسؑ بن [illegible] نے اپنے بھائیوں عبد اللہؑ و جعفرؑ و عثمانؑ کو للکارا کہ میدان لو۔ مخالفین خدا اور رسولؐ ہمارے [illegible] قتل پر تُل گئے ہیں۔ چنانچہ ان بزرگواروں نے لبیک لبیک کہکر میدان جنگ کا راستہ لیا۔ داد مردانگی دی۔ جی کھول کر لڑنے لگے ہانی بن ثبیت حضرمی نے عبد اللہ بن علیؑ پر بعد ازاں جعفر بن علیؑ پر حملہ کر کے شہید کر ڈالا۔ اور خولی بن یزید اصبحی نے عثمان بن علیؑ پر وار کیا۔ آپ وار خالی دیکر یوں ہی اُسپر حملہ کیا چاہتے تھے کہ بنی ابان بن دارم سے ایک شخص نے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ عثمانؑ

بن علیؑ زمین پر گر پڑے اُسنے سینہ پر چڑھکر سر اُتار لیا۔ پھر اُس قبیلہ کے دوسرے شخص نے محمدؒ بن علیؑ بن ابیطالب پر حملہ کر کے شہید کر ڈالا اور سر اُتار لیا" ابن خلدون یہ بھی لکھتا ہے کہ" عبداللہ بن عقبہ غنوی نے ابوبکر بن حسینؑ بن علیؑ پر تیر چلایا آپ شہید ہو گئے" دیگر مورخین ابوبکرؒ بن حسینؑ نہیں بلکہ ابوبکرؒ بن علیؑ کہتے ہیں۔ اعثم کوفی کہتا ہے "امام حسینؑ کے بھائیوں میں سے جو شخص سب سے پہلے معرکہ آرا ہوا ابوبکرؒ بن علیؑ نام تھا اور عبداللہ بھی کہتے تھے۔ اُسکی ماں لیلیٰ بنت مسعود بن خالد تھی۔ میدان میں نکلکر رجز خواں ہوا اور اُس ملعون گروہ پر حملہ کر کے کچھ دیر تک خوب جنگ کی کئی شخصونکو دوزخ کے حوالہ کیا اس گیر و دار میں عمر کے طرفداروں میں سے زجر بن بدر نخعی نے حملہ کیا ابوبکرؒ کچھ عرصہ تک حملہ کرتا رہا انجام کار اُسی ملعون کے ہاتھ سے شہید ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اُسکا دوسرا بھائی عمرؒ جنگ کی تیاری کر کے نکلا۔ زجر کو جسنے اُسکے بھائی کو قتل کیا تھا جنگ کیلئے طلب کیا۔ زجر حملہ آور ہوا اور عمرؒ بن علیؑ نے ذرا مہلت نہ دیکر تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر پڑا رہا پھر رجز خوانی کرتے ہوئے گھوڑے کو میدان جنگ میں کاوے دیتا اور مرد مقابل کو طلب کرتا تھا اور جو شخص مقابلہ پر نکلا اُسی کو مار گراتا تھا انجام کار کئی بہادروں کو داخل جہنم کر کے شہید ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ پھر تیسرا بھائی عثمانؒ بن علیؑ جسکی ماں ام البنین دختر حزام بن خالد عامری تھی نکلکر حملہ آور ہوا اور لشکر کفار کی قطع و برید کرتا ہوا داخل جنت ہوا پھر اُسکا بھائی جعفرؒ بن علیؑ جو بطنی بھائی تھا نکلا اور خوب لڑا کئی شخصونکو قتل کر کے شہید ہو گیا۔ پھر اُسکا ایک اور بھائی عبداللہؒ بن علیؑ حملہ آور ہو کر اُس ظالم گروہ سے مردانہ وار لڑا اور شہید ہو گیا"

اگرچہ اکثر مورخین نے عمرؒ بن علیؑ کو میدان میں شہید کرایا ہے۔ لیکن اکثر مورخین اسکے قائل ہیں کہ میدان کربلا میں موجود نہ تھے۔ اور غالباً یہی صحیح ہے۔

صاحب بحار عبداللہؒ بن علیؑ کی عمر ۲۵ برس۔ عثمان ابن علیؑ کی اکیس برس اور جعفرؒ بن علیؑ کی عمر ۱۹ برس بتاتے ہیں۔ میں قیاس کرتا ہوں کہ علامہ مجلسی نے یا تو حضرت جعفر بن علیؑ کی عمر میں مہینوں کا شمار نہیں کیا ہے یا ایسا ہوا کہ جعفرؒ بن علیؑ جناب امیر کی شہادت کے چند ماہ بعد

پیدا ہوئے۔ بہ لحاظ اسکے کہ جناب امیر علیہ السلام رمضان سنہ ۴۰ھ میں شہید ہوئے حضرت کے کسی فرزند کا سن اُنیس برس ۳ ماہ سے کم نہیں ہوسکتا تھا۔ باستثنا اس صورت کے کہ وضع حمل جناب امیر کی شہادت کے چند ماہ بعد ہوا ہو۔

حضرت عباسؑ

اب میدان جنگ میں جانے کے قابل ہمارے سلسلہ بیان کے موافق صرف حضرت عباسؑ اور حضرت علیؑ اکبر رہ گئے اور انہیں پر حسینؑ کے لشکر کا اختتام ہوتا ہے۔ اعثم کوفی کہتا ہے "اب عباسؑ بن علیؑ نے معرکہ آرائی پر کمر کسی اہل بغاوت پر حملہ کیا اور ہر طرح سے معرکہ آرائی اور شجاعت کی داد دیکر اور لشکر عمر کے کئی نامور بہادر ونکو مار کر داخل جنت ہوگئے۔ امام حسینؑ عباسؑ کی شہادت سے بہت غمناک ہوے۔ زار زار روتے اور فرماتے تھے الان انکسر ظہری وقلت حیلتی۔ یعنی اب میری کمر ٹوٹ گئی اور میری طاقت گھٹ گئی"۔

صاحب لہوف فرماتے ہیں "راوی کہتا ہے کہ جب سید الشہدا کو نہایت کی پیاس معلوم ہوئی تب آپ گھوڑے پر سوار ہوئے دریاے فرات کیطرف چلے اور آپکے بھائی عباسؑ بن علیؑ آپکے آگے آگے جاتے تھے اُسوقت ایک گروہ سواران ابن سعد سید الشہدا اور حضرت عباسؑ کے بیچ میں حائل ہوگیا۔۔ لوفوج یزید نے آپکو چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر ڈالا۔ سید الشہدا آپ کے قتل پر بہت ہی روے حسینؑ کے بارہ میں شاعر کہتا ہے۔

احق الناس ان یبکی علیہ فتی ابکی الحسین بکربلا

اخوہ وابن والدہ علی ابو الفضل المضرج بالدماء

ومن واساہ لا یثنیہ شیئ وجاد لہ علی عطش بماء

(لوگوں میں سے زیادہ روے جانیکا مستحق وہ نوجوان ہے جسپر حسینؑ کربلا میں روے۔ وہ اُن کا بھائی اور اُنکے پدر گرامی علیؑ کا فرزند ابو الفضل جو خون میں لتھڑا ہوا ہے۔ اُسنے تعریف سے بالا غمخواری کی۔ اور وہ پیاس میں پانی کے لیئے خوب لڑا)

ابو اسحٰق اسفرائنی کہتے ہیں "اب امام حسینؑ رضی اللہ عنہ اور اُنکے ساتھیوں کو سخت پیاس لگی اُنھوں نے اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا اے بھائی فرات پر جاؤ شاید تم کچھ پانی لا سکو اُنھوں نے کہا بسر و چشم اور دریاے فرات پر آپہونچے۔ مخالفین نے انکو

للکارا اور حملہ آور ہوئے انھوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور ایک فوج کثیر قتل کر ڈالی
باقیماندہ جمعیت منتشر ہوگئی۔ تب وہ گھاٹ پر آئے۔ خود پانی پیا گھوڑے کو پلایا اور ایک مشک
بھی بھر لینی چاہی جو ساتھ لائے تھے۔ تو لوگوں نے انپر حملہ کیا وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر
اُنکے مقابلہ پر جم گئے۔ ان لوگوں نے انکا راستہ روک لیا نہ انکو امام حسینؑ رضی اللہ عنہ
کیطرف جانے دیتے تھے نہ اُنکے پاس پہونچنے دیتے تھے اب عباس رضی اللہ عنہ
نے نہایت جوش کے ساتھ انپر حملہ کر دیا۔ یہ اشعار زبان پر لائے۔ ساتھ ہی یہ الفاظ بھی
انکے ورد زبان تھے۔ صلوا علی طٰہٰ الرسول (ترجمہ رجز۔ ہم ہاشمی عورتوں کی نسل سے
بڑے لوگ ہیں۔ ہم تلواروں کے ساتھ خونریزیاں کرتے ہیں۔ اے آل لئام اور عوام
کے بچو! اے ہمارے جد کاش آپ ان مصیبتوں کو ملاحظہ فرماتے۔ تلوار کی دھار کے نیچے
جانا ہمارے لئے کرامت ہے اور جبکہ اسکے بعد جنت میں سکونت ہو۔ راوی کہتا ہے کہ عباس
رضی اللہ عنہ پر لوگوں نے ہر طرف سے حملہ کر دیا۔ اور انھوں نے بھی نہایت تندی اور
تہور سے انکو بڑھنے سے روکا انھوں نے لیا اور جماعتوں کی جماعتیں ہلاک کر ڈالیں۔ جب مارد بن
صدیف نے عباسؑ اور اُن کی اس شجاعت کا حال دیکھا تو کپڑے پھاڑ کر منہ نوچ کر
چلانا شروع کیا۔ ارے نالائقو اگر تم ایک ایک مشت خاک لیکر اسکو مارتے تو اسکا نشان
نہ چھوڑتے۔ پھر شمر ابن ذی الجوشن سے کہکر جنگ موقوف کرائی اور خود عباس رضی اللہ
کیطرف آیا۔ جب قریب پہونچا تو پکار کر کہنے لگا اے لڑکے تلوار ڈال دے اور لوگوں کے
سامنے اپنی امن پسندی کا اظہار کر۔ میں ایک سنگدل اور کینہ توز آدمی ہوں۔ بڑے
بڑے لوگوں کو میں نے ذلیل کر کے چھوڑا ہے لیکن تمہاری جوانی اور خوبصورتی پر مجھے رحم
آگیا جا چلا جا۔ خواہ مخواہ موت مول نہ لے اتنا کہ اشارہ ہی کافی ہے میں نے تمہارے سوا اور
کسی کو اس طرح جان بچانے کا موقع کبھی نہیں دیا اور ساتھ ہی اسنے ذیل کے اشعار پڑھے
... جب عباس رضی اللہ عنہ نے مارد کا یہ کلام سنا تو کہا اے خدا کے دشمن تو بات تو اچھی کہتا ہے
لیکن تیری محبت زمین شور میں بویا ہوا بیج ہے جو پھوٹ نہیں سکتا یہ محال ہے کہ تو حیلہ
کے ساتھ سورج کو قابو میں لائے یا دریا کو اُسکی راہ سے پھیر دے۔ مجھسے یہ توقع رکھنا محال

ہے کہ میں اظہار امن پسندی کروں یا اپنے آپ کو تمہارے حوالہ کر دوں۔ میری خوبصورتی اور جوانی کا جو تو نے ذکر کیا ہے تو یہ میرے لئے کچھ نقصان رساں نہیں ہے کیونکہ میں اپنی شرافت عقلمندی۔ دینداری نفس کشی۔ دشمن شناسی۔ شجاعت۔ معرکہ آرائی۔ تیغ زنی۔ جفاکشی اور شکر و توکل میں مشہور ہوں۔ جس شخص میں یہ اوصاف ہوں اُسے کوئی خوف نہیں ہے۔ بخلاف اسکے تو خدا اور رسولؐ کے دشمن تمام فضائل و آداب سے خالی ہے۔ اے دشمن خدا تو جانتا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم سے تعلق ہے اور میں اُس درخت کی ایک شاخ ہوں۔ جو اُس درخت کی شاخ ہو اُسکو اللہ پر بھروسہ ہے پس اُسکو کسی اور کی پناہ میں آنیکی ضرورت نہیں اور نہ اُسکو تلوار کے خوف سے امن کی درخواست کرنی چاہیئے۔ میں علیؑ بن ابیطالبؑ کا بیٹا ہوں میں جنگ میں پیٹھ پھیر کر نہ بھاگونگا اور نہ قبائل کی کثرت سے ڈرونگا اگر تجھے توقع ہے کہ میں ہتھیار ڈال دوں تو تم ناکام رہو گے۔ ہم لوگ وہ نہیں جو مرنے سے ذریعہ کریں میں جانتا ہوں کہ بہشت دنیا کی زندگی سے افضل ہے!!

"جب مارد نے عباس رضی اللہ عنہ کا کلام سنا تو نیزہ تان کر خونخوار عقاب کی طرح اُنپر لپکا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے سامنے آتے ہی اُسکا نیزہ پکڑ لیا اور اس زور سے پکڑا کہ اُسکو نہایت شرمندگی اور ندامت کے ساتھ خود اپنے ہاتھ سے نیزہ چھوڑ دینا پڑا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے پھر اُس نیزہ کو تان کر کہا اے دشمن خدا اور رسولؐ تیرے ہی نیزہ کے ساتھ میں تجھکو قتل کرونگا۔ مارد بھاگنے لگا۔ مگر عباس رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اُسکے گھوڑے کی کمر میں نیزہ بھونک دیا۔ گھوڑے نے یہ زخم کھاتے ہی مارد کو زمین پر پٹک دیا اور خود کودنے لگا۔ اب مارد کو اپنے بھاری بھرکم جسم کیوجہ سے بیادہ پا ہو کر عباس رضی اللہ عنہ سے لڑنے کی طاقت نہ تھی۔ فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور شمر نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا ارے لوگو تمہاری عقل کہاں گئی مارد کو جلدی کوئی گھوڑا دو ورنہ وہ مارا جائیگا۔ اتنے میں ایک حبشی غلام صیار فد نام ایک بادپا گھوڑی مارد کیواسطے لیکر بڑھا اس گھوڑی کا نام طاویہ تھا۔ جب مارد نے اسکو آتے دیکھا تو بلبلا کر کہنے لگا ارے غلام جلدی آ ورنہ میں

مار ا جاؤنگا۔ غلام جلدی جلدی اُسکی طرف جانے لگا۔ مگر عباس رضی اللہ عنہ اُس پر شیر کیطرح لپکے اور حبشی کو تو مار گرایا گھوڑے پر خود چڑھ بیٹھے اور اپنا گھوڑا چھوڑ دیا اور صفوں کو چیرتے امام حسین رضی اللہ عنہ کیطرف روانہ ہوئے۔ مارد نے جب دیکھا کہ عباسؑ میرے گھوڑے پر سوار ہو گئے تو اُسکے حواس غائب ہو گئے اور چلا چلا کر کہتا تھا۔ ارے اہل عضب کا چالاک کہ میرا گھوڑا اپنے قابو میں کر لیا اور میرا نیزہ چھین لیا۔ جب سب نے اُسکا کلام سنا تو اُسکی طرف رُخ کیا اور ساتھ ہی سنانؔ بن انس نخعی اور خولیؔ بن یزید اصبحی اور جمیل بن مالک محاربی گئے اور تمام فوج ادھر پلٹ پڑی اور سب نے ملکر عباسؑ پر حملہ کر دیا۔ سامنے سے امام یہ نظارہ دیکھ رہے تھے وہ بولے بھائی کیا سوچ رہے ہو کم بخت دشمن سر پر پہونچ گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے پھر کر دیکھا تو سوار دوڑے آ رہے ہیں۔ ادھر سے وہ بھی مقابلہ کے لئے بڑھے اور خود پیش قدمی کر کے اپنے دشمن کیطرف بڑھے اور پکار کر کہا تو اب میں تمہیں موت کے گھاٹ اُتار کر چھوڑونگا یہ کہکر تلوار چلائی اور اُسکا ایک ہاتھ اُڑ گیا۔ وہ گر گڑایا کہ اے عباس معاف کیجئے میں آپکا خادم ہوں۔ اُنھوں نے کچھ نہ سُنا اور اُسکے کان پر نیزہ کا ہاتھ ایسے زور سے لگایا کہ نوک دوسرے کان سے جا نکلی۔ اور وہ گر گیا پھر عباس رضی اللہ عنہ نے دوسرے لوگوں پر حملہ کیا اور کاٹتے چھانٹتے وسط لشکر میں پہنچ گئے.... آخر دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا بھائی تم ادھر جاؤ میں انکا تعاقب کرتا ہوں عباسؑ نے کہا وہ قضا سے کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ آخر اُنہوں نے بہت سے لوگوں کو ہلاک کیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کیطرف آنے لگے تو شمر نے کہا اے ابن علیؑ تم نے وہ گھوڑی مارد سے چھین لی ہے جس سے تیرے بھائی حسنؑ نے سباط المدائن کے روز کوچ کیا تھا۔ جب عباسؑ اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچے تو شمر کی بات کا اُنسے ذکر کیا اُنھوں نے کہا ہاں یہ طاویہ گھوڑی وہ ہے جو شاہ رے کے پاس تھی جب تمہارے والد نے شاہ مذکور کو قتل کیا تو یہ گھوڑی تمہارے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو عطا کی امام حسین رضی اللہ عنہ طاویہ کے سر کو کپڑے کے ساتھ اسطرح پونچھ رہے تھے گویا کہ وہ ان سے کبھی جدا نہیں ہوئی۔ پھر عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنے حرم میں جاؤ اور

اہل وعیال کو اسطرح وداع کرو کہ گویا پھر اُن سے نہ ملوگے۔ عباس رضی اللہ عنہ اندر گئے اپنی بیوی بچوں سے ملے۔ اُنھوں نے شکایت کی ہم پیاسے ہیں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ذرا صبر کرو اتنے میں اُنھوں نے سُنا کہ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ پکار رہے ہیں کہ اے بھائی جلد آو۔ عباس رضی اللہ عنہ باہر نکلے دیکھا تو امام حسینؑ رضی اللہ عنہ لوگوں سے لڑ رہے ہیں اور اُن لوگوں نے چاروں طرف سے اُنکو گھیر رکھا ہے اور وہ انکا مقابلہ کر رہے ہیں... عباس رضی اللہ عنہ نے تندہی سے اُنپر حملہ کیا اور دشمنونکو امام حسینؑ رضی اللہ عنہ سے الگ ہٹا دیا اور کہا اے دشمنان خدا و رسول اگر ہمارے ساتھ تمسے آدمی فوج بھی ہوتی تو ہم تمہارا ستیاناس کر ڈالتے۔ عباس رضی اللہ عنہ ابھی جنگ میں مشغول تھے کہ ایک شخص نے جسکا نام زرارہ بن محارب تھا گھات میں بیٹھکر عباس رضی اللہ عنہ کے تلوار ماری اور اُنکا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا... اب بھی اُنھوں نے میدان کارزار سے بھاگنا شایان مردی نہ سمجھا بلکہ بائیں ہاتھ میں تلوار لیکر شعر پڑھتے ہوئے امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کیطرف متوجہ ہوئے۔

واللہ لو قطعتم یمینی۔ لاحمینّ جاھداً عن دینی۔ وعن امام صادق الیقین۔ سبط النبی الطاہر الامین

(واللہ اگرچہ تمنے میرا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر بھی میں اپنے دین کی شدت سے حمایت کرونگا۔ اور اپنے امام صادق الیقین کی جو نبی پاک اور امین کا نواسہ ہے)

راوی کہتا ہے کہ پھر عباس رضی اللہ عنہ نے اس صورت سے مخالفوں پر حملہ کیا اور بائیں ہاتھ سے پچاس سپاہی قتل کیے۔ اتنے میں عبد اللہ بن شہاب کلبی نے پاس آکر اُنکے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری اور اُسے کاٹ ڈالا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے بازو کو سینہ سے ملا کر تلوار کو تھامے رکھا اور اشعار پڑھے۔

یا نفس لا تخشی من الکفار۔ وابشری برحمۃ الغفار۔ مع النبی سید الاطہار۔ قد قطعوا ببغیہم یساری وقد طغی فیہم وکالاشرار۔ فاصلہم یا رب حر النار (اے نفس کفار سے خوف نہ کر۔ اور تجھے غفار کی رحمت کی بشارت ہو۔ ساتھ نبی کے جو پاک لوگونکے سردار ہیں۔ دشمنوں نے بغاوت سے میرا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اور ظالموں نے شورش برپا کردی۔ اے خدا اُنکو دوزخ میں ڈال)

عباس رضی اللہ عنہ اسیطرح حملہ پر حملہ کیے جاتے تھے اور اُنکے بازوؤں سے خون ٹپکتا جاتا تھا۔

آخر اُنکی طاقت سلب ہوگئی... اتنے میں لوگوں نے اُنپر مجموعی حملہ کیا اور ایک شخص نے اُنکے سر پر لوہے کی میخ ماری جس سے اُنکا سر پھٹ گیا اور وہ زمین پر آرہے۔ اُسوقت اُنکے مونھ سے یہ الفاظ نکلے بھائی حسینؑ تمکو میری طرف سے سلام۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر شدت سے حملہ کیا پھر عباس رضی اللہ عنہ کی لاش کیطرف گئے اور اُسکو اُٹھا کر اپنے مقتولوں کے ڈھیر میں رکھدیا۔ اور نہایت درد کے ساتھ رونے لگے۔ عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور سب نے رونا شروع کیا۔ یہانتک کہ اُنکا شور دشیون سنکر آسمان کے فرشتے بھی رونے لگے۔ امام حسینؑ نے عورتوں کو خیمہ میں داخل کیا۔ اب رات آگئی تھی امام حسینؑ رضی اللہ عنہ اور اُنکے ساتھیوں نے تسبیح پڑھتے پڑھتے اور اپنی مصیبتوں پر شکر کرتے کرتے رات گذاری ؎

ابومخنف حضرت عباسؑ کے شہادت کی کوئی تاریخ نہیں لکھتا لیکن اُسی ضمن میں لکھتا ہے جبکہ زہیر بن قین نے دشمنوں کو نصیحت کی اور حضرت نے اُنھیں واپس بلالیا ابومخنف کے نزدیک مخصوص واقعات یہ ہیں کہ جب حضرت اور متعلقین پر پیاس نے غلبہ کیا تو حضرت نے عباسؑ کو بلایا اور فرمایا کہ اے بھائی کنواں کھودو۔ کنواں کھودا گیا لیکن اُسمیں سے پانی نہ نکلا جس سے پیاس بجھائی جاتی۔ اب حضرت نے فرمایا کہ فرات کیطرف جاؤ اور پانی لاؤ عباسؑ نے سمعًا وطاعتًا فرمایا۔ روانہ ہوئے۔ کچھ لوگ اور بھی ساتھ تھے رجز پڑھا اور حملہ کیا اور دشمنوں کو داہنے بائیں متفرق کردیا اور اکثر بہادروں کو قتل کیا یہانتک کہ قریب فرات پہونچے۔ جب اصحاب ابن زیاد نے دیکھا تو پوچھا تملوگ کون ہو۔ کہا ہملوگ حسینؑ کے اصحاب ہیں اُنپر ہماری روحیں فدا ہوں۔ پوچھا کیوں آئے ہو۔ کہا پیاس بجھانے آئے ہیں اور ہملوگوں پر حسینؑ کی پیاس سب سے زیادہ دشوار ہے۔ پس اُنلوگوں نے جب حضرت عباسؑ کا کلام سُنا تو حملہ کردیا اور بڑی لڑائی ہوئی۔ عباسؑ نے رجز پڑھکر حملہ کیا یہانتک کہ راستہ کھولدیا اور مشکیں بھر لیں۔ اسکے بعد پانی پینے کا ارادہ کیا پس حسینؑ کی پیاس یاد آگئی اور فرمایا واللہ لا ذقت الماء وسیدی الحسین عطشان ثم رمی الماء من یدہ وخرج والقربۃ علی ظہرہ زاد السدیں پانی

نہ پیونگا میرے سید حسینؑ پیاسے ہیں۔ یہ کہکر پانی اپنے ہاتھ سے پھینکدیا اور نکل آئے دریا کی مشک انکی پشت پر تھی) گھاٹ سے نکلے۔ ادہر ہر طرف سے تیر پڑنے لگے یہانتک کہ انکی زرہ کی کڑیاں ساہی کے کانٹے کیطرح ہو گئیں۔ عباسؑ لڑرہے تھے کہ اوس بن شیبان نے حملہ کیا اور داہنا ہاتھ معہ تلوار کے گرا دیا پس عباسؑ نے بائیں ہاتھ میں تلوار لی اور حملہ کیا۔ اور دشمنوں کے کثیر التعداد بہادروں کو قتل کیا اب بھی مشک آپکے پشت پر تھی یہ دیکھکر ابن سعد پکارا کہ تمپر وائے ہو مشک کو تیروں سے چھید ڈالو کیونکہ اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو پھر تم انکو قتل نہ کرسکوگے وہ شجاع بن شجاع علیؑ ابن ابیطالب کے فرزند ہیں۔ پس ان سب نے عباسؑ پر بڑا سخت حملہ کیا اور عباسؑ نے ایک سو اسی سپاہیوں کو قتل کیا۔

پس عبد اللہ بن یزید شیبانی نے انکے بائیں ہاتھ پر حملہ کیا اور اسے معہ تلوار کے گرا دیا۔ پس آپ نے ہاتھ کے کٹے ہوئے حصہ سے تلوار تھامی اور قلب پر حملہ کر دیا اسوقت کسی نے عمود آہنی سے حملہ کیا اور آپ نے خون میں نہا کر آواز دی کہ اے ابا عبد اللہ آپ پر میرا سلام ہو۔ پس جسوقت حسینؑ نے یہ سنا۔ اے بھائی عباسؑ اے پارہ جگر کی آواز دی۔ اور دشمنوں پر حملہ کرکے انھیں ہٹا دیا۔ عباسؑ کے پاس اترے اور گھوڑے کی پیٹھ پر اٹھا کر خیمہ کیطرف لائے اور شدت سے روئے یہانتک کہ حاضرین رو دیے اور فرمایا تمپر صلوٰۃ ہو اور خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ واللہ تمنے راہ خدا میں حق جہاد کو ادا کیا"

حضرت عباسؑ کے ایسے بزرگ کیلئے امید کیجا سکتی تھی کہ زمانہ انکے ابتدائی زمانہ کے واقعات کی یادداشت رکھے گا لیکن افسوس کہ انکے حالات بھی ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ اگر ہے تو صرف اسقدر کہ حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے چچا عباسؑ بن علیؑ نہایت ہی صاحب بصیرت اور قوی الایمان تھے جو حضرت ابی عبد اللہ کی رفاقت میں لڑے اور سخت امتحان دیا۔ حضرت عباسؑ کی مادر گرامی حضرت ام البنینؑ ہیں جنکا سلسلہ عبد الشمس بن عبد مناف تک پہونچتا ہے۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابیطالبؑ میں یہ بھی روایت ہے کہ جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیلؓ سے فرمایا جو انساب عرب اور انکے حالات سے واقف تھے کہ مجھے ایک شجاع خاندان کی عورت کا پتہ دو

جس سے میں عقد کروں جس سے ایک بہادر لڑکا پیدا ہو پس انہوں نے کہا کہ ام البنین رضی کلابیہ سے عقد فرمائیے جنکے آباؤ اجداد سے زیادہ شجاع عرب میں کوئی نہیں ہے۔ پس حضرت نے انسے عقد کیا حضرت عباسؑ کی نسل اُنکے فرزند عبید اللہ سے چلی اور نسل کے آخری فرزند حضرت یحییٰ سے تھے حضرت عباسؑ کی کنیت ابو الفضل تھی۔ لقب سقا تھا۔ اسلئے کہ آپ پانی لائے اور مرقد منورہ لب فرات پر ہے جہاں آپ شہید ہوئے تھے۔ صاحب کشف الغمہ فرماتے ہیں کہ وہ اور اجنان چہرۂ دل آرا و طلعتے زیبا بود کہ عرب قمر بنی ہاشمش می گفت وچنداں رشید و بلند بالا بود کہ چوں بر پشت اسپ بر می نشست و پائے از رکاب بیروں میکرد قدمہائے مبارکش از دو جانب بر زمین می کشید!!

حضرت علیؑ اکبر

اب کون تھا جو میدان میں جاتا بجز حضرت علیؑ اکبر کے بقول ابن خلدون "حضرت علیؑ اکبر بن الحسینؑ اپنے بزرگ باپ سے اجازت لیکر میدان جنگ کیطرف آئے اور سب سے پہلے آل علیؑ بن ابیطالب سے اس معرکہ میں یہی شہید کیئے گئے انکی ماں کا نام لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفیہ تھا۔ انھوں نے شیروں کی طرح کمال مردانگی سے دو چار حملے پیہم کیئے مخالفین کو اپنے پر زور حملوں سے مکرر سہ کرر منتشر کر دیا لیکن اکیلے ایک نفس سے بمقابلہ ٹڈی دل کے کیا ہو سکتا ہے آخر الامر مرہ بن منقذ عبدی نے پیچھے سے نیزہ مارا جیکر کھا کے گر پڑے لوگوں نے دوڑ کر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ امام حسینؑ معہ اپنے لڑکوں کے تشریف لیگئے اور علیؑ اکبر کی لاش کو اُٹھا لا کر اُس خیمہ کے آگے رکھا جسکے سامنے لڑائی ہو رہی تھی!!

کامل ابن اثیر کے موافق حضرت علیؑ اکبر کے رجز کا ایک مصرعہ تھا کہ "فرزند زنا کار اُن پر (حضرت پر) ظلم نہیں کر سکتا!!

ابی مخنف کے نزدیک حضرت علیؑ اکبر نے ایک سو اسی دشمنوں کو قتل کیا اور جس وقت زخمی ہو کر گر پڑے فرما رہے تھے کہ یہ میرے باپ علیؑ امیر المومنین علیہ السلام ہیں یہ میری جدہ فاطمہ زہرا ہیں۔ یہ خدیجہ کبریٰ ہیں اور فرما رہی ہیں کہ اے فرزند آنے میں جلدی کر ہم تیری مشتاق ہیں.... حضرت نے دشمنوں پر حملہ کیا اور انھیں متفرق کر کے حضرت علیؑ اکبر

کی لاش پر پہونچے اُنکے چہرہ اور دانتوں سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے اے فرزند خدا اُسپر لعنت کرے جس نے تجھے قتل کیا...... عمارہ بن سلمان حمید بن مسلم سے روایت کرتا ہے کہ مینے ایک بی بی کو دیکھا جو حسینؑ کے خیمہ سے نکلیں اور اُنکا چہرہ چاند کی طرح تھا اور وہ آواز دے رہی تھیں کہ اے فرزند۔ اے قتیل۔ کس درجہ مددگاروں کی قلت رہی ہے۔ اور ہم کیسی غریب ہیں کاش ہم آج کے دن سے پہلے گذر گئے ہوتے۔ حضرت انہیں دیکھکر پلٹے اور انھیں خیمہ میں پہونچادیا اور دریافت پر معلوم ہوا کہ وہ بی بی حضرت امیر المومنین کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت اُنکے رونے سے رودیے اور اناللہ وانا الیہ راجعون فرمایا۔ اپنے فرزند کی لاش کو ایک حجرہ میں لیگئے اور فرمایا اے فرزند تو دنیا کی مصیبتوں سے مقام راحت کو پہونچا تیری پھوپھی رو رہی ہے اور تیرا باپ باقی ہے جو جلد تیری طرف آرہا ہے۔

صاحب روضۃ الشہداء یہ روایت لکھتا ہے کہ جب اہل مدینہ کو جناب رسالتماب کی زیارت کا شوق ہوتا تھا یا جب اُن حضرت کے لہجہ مبارک کے مشتاق ہوتے تھے تو حضرت علی اکبر کو دیکھتے تھے اور اُنکی باتیں سُنتے تھے۔ یہی مورخ ابو المؤید سے لکھتا ہے کہ حضرت علی اکبر جب میدان میں تشریف لائے تو آپکے دو گیسو چہرہ کے آگے اور دو پشت کیطرف رہتے تھے (شرفائے عرب خصوصاً بنی ہاشم میں یہ رسم تھی)

کشف الغمہ کے موافق حضرت نے جناب علی اکبر کو خود مسلح فرمایا اور "شعشعہ طلعتش از جمال پیغمبر خبر میداد و قوت بازوش چوں حیدر صفدر اثر می نمود"

روضۃ الشہداء کے موافق عمر بن سعد نے طارق بن شیث کو موصل کی لالچ دیکر حضرت علی اکبر سے جنگ کیلئے بھیجنا چاہا اور اُسنے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ فرزند رسول کو قتل کردوں اور تو اپنا وعدہ وفا نہ کرے۔ عمر سعد نے قسمیں کھائیں لیکن حکومت موصل کی آرزو پوری نہ ہوئی اور وہ معہ اپنے دیگر اقرباء کے مارا گیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ جسوقت حضرت علی اکبر لشکر میں ڈوب گئے۔ حضرت تلاش میں چلے اور پکارتے جاتے تھے کہ یا ابنا ہ اور کسی کی آواز نہ سُنی۔ اُسوقت حالت یہ تھی کہ حضرت

علی اکبرؑ سخت زخمی ہو چکے تھے اور سخت ہمت سے اپنے گھوڑے پر سنبھالے ہوئے تھے عنان چھوڑ دی تھی اور عیال اسپ تھام لی تھی۔ گھوڑا خیمہ کی طرف چلا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہ حضرت علی اکبرؑ پشت فرس سے گر گئے اور گھوڑا میدان کی طرف چلا۔ حضرت عقاب کو خالی دیکھکر علی اکبرؑ کو تلاش کرنے لگے اور اسکے ساتھ چلے یہانتک کہ وہ لاش کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ حسینؑ نے علی اکبرؑ کو تڑپتے دیکھا۔

صاحب لہوف فرماتے ہیں "پس جب اصحاب سید الشہداء سے کوئی باقی نہ رہا صرف اب اقربا باقی رہ گئے تو تو جناب علیؑ بن الحسینؑ صف سے نکلے وہ بہت گورے تھے اُنسے بہتر اس زمانہ میں کوئی حسین نہ تھا اُنہوں نے حضرت سے اجازت جہاد چاہی سید الشہداء نے اجازت تو دی مگر پھر حسرت و یاس سے اُنکی طرف دیکھنے لگے پھر حضرت نے آنکھ نیچی کر لی اور رو دیئے" بعد شہادت سید الشہداء وہاں پہونچے اور کھڑے ہوئے پھر جھک کر علی اکبرؑ کے مونھ پر اپنا مونھ رکھا اور کہا کہ خدا منتقم اس قوم کو قتل کرے جسنے تجھکو قتل کیا خدا اور رسولؐ کی توہین پر انکو بڑی جرأت ہو گئی ہے۔ اے بیٹا تمہارے بعد دنیا پر تف ہے"

سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ میں ہے کہ "دیگر سواراں از چہار جانب او جراحت کردند توانائی یکبارہ از علی اکبر برفت دست در گردن اسپ در آورد و عنان رہا کرد و اسپ در میان سواران ازین سو بدان سو می تاخت و بر ہر سواری عبور می داد زخمے بر علی اکبر می زد بدن مبارکش را با تیغ پارہ پارہ کردند..... چو بر سر فرزند رسید از اسپ پیادہ شد فرزند را بر سینہ خود چسپانید و چہرہ مبارک را بر چہرہ او نہاد۔ علی اکبر چشم باز کرد و بروے پدر نگریست و بروضہ جناں خرامید"

اعثم کوفی کہتا ہے "عباسؑ بن علیؑ کے بعد علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ نے لشکر کفار کی طرف رُخ کیا۔ اٹھارہ برس کا نوجوان شخص تھا حسینؑ بن علیؑ اپنے دلبند علی اکبر کو اُن ملعونوں سے جنگ کرتے ہوئے دیکھکر مضطرب ہوئے آنکھوں میں اشک بھر لائے ہاتھ اٹھا کر کہا اللھم اشھد علی ھؤلاء القوم۔ یعنی اے خدا تو اس قوم پر گواہ رہنا ایک بچہ اس ظالم گروہ سے جنگ کر رہا ہے وہ صورت شکل گفتگو اور عادت میں تیرے رسولؐ سے بہت ملتا ہے اے خدا تو اس فاسق قوم سے آسمان کی بارش اور زمین کی برکتوں کو علیحدہ کر انھیں [illegible]

پر پریشان اور بیوی بچوں سے بے لعانت کر۔ پھر عمر سعد کو آواز دیکر بلایا اور کہا اللہ تعالیٰ تیرا رحم قطع کرے اور ایسے شخص کو تجھ پر مسلط کرے جو سوتے ہوئے کو گرفتار کر کے مار ڈالے پھر بلند آواز سے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰہَ اصطفٰی آدم و نوحًا و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض و اللّٰہ سمیع علیم۔ علیؑ اکبر دشمنوں سے لڑتے رہے حملہ پر حملہ کرتے تھے ایک سو بیس [۱۲۰] آدمی قتل کیے۔ تمام لشکر فریاد کرنے لگا۔ اب علیؑ اکبر کے جسم پر کئی سخت زخم آئے اور پیاس نے غلبہ کیا۔ باپ کے پاس واپس آکر کہا یا ابتاہ العطش العطش تشنگی مجھے ہلاک کیے دیتی ہے اگر ذرا سا پانی بھی ملجائے تو پھر ان فاسقوں کا کام تمام کر دوں۔ امام حسینؑ نے رو کر کہا اے باپ کی جان تجھ سے کوئی امر پوشیدہ نہیں؟ صبر کر ابھی اپنے دادا کے ہاتھ سے سیراب ہوگا (بعض کے نزدیک حضرت نے جناب رسالتمآب کی انگشتری علیؑ اکبر کے موہنہ میں دی اور بعض کے موافق اپنی زبان دی) علیؑ بن الحسینؑ واپس جا کر تشنہ دہان اُن ظالموں سے مصروف جنگ ہوئے اور کشت و خون کرتے ہوئے شہید ہو گئے رحمۃ اللہ علیہ"

اسی مورخ کے موافق "اب حسینؑ بن علیؑ تنہا رہ گئے۔ کوئی ایک شخص بھی پاس نہ رہا صرف سات برس کا بھتیجا عمر نام اور بھائی کا ایک شیرخوارہ پوتہ باقی تھا۔ آپ گھوڑے پر سوار عورتوں کے خیمہ کے دروازہ پر تشریف لائے اور کہا۔ میرے بھتیجے کو میرے پاس لاؤ کہ اُسے دیکھکر رخصت کر دوں۔ عورتوں نے اُس شیرخوار کو آپکے دست مبارک پر رکھدیا آپ اُسے پیار کر رہے تھے کہ ناگاہ ایک تیر اُس بچہ کے سینہ پر لگا اُسیوقت جان بحق تسلیم ہو گیا۔ آپ نے کہا میرے نانا محمد مصطفےٰ کی دشمنی کی وجہ سے اس قوم کی حالت پر سخت افسوس ہے۔ پھر گھوڑے سے اُتر کر تلوار سے گڑھا کھودا اور اُس بچہ کی نعش دفن کر دی اور اُسکے بعد اپنے شیرخوار بچہ علیؑ اصغر کو جو پیاس کی شدت سے نہایت مضطرب تھا اپنے آگے زمین پر رکھکر صفوں کے سامنے لیگئے اور آواز دی اے ظالم قوم اگر تمہارے خیال میں میں گنہگار ہوں تو اس بچہ نے تو کوئی خطا نہیں کی ہے۔ اسے ایک گھونٹ پانی پلا دو۔ حسینؑ بن علیؑ کی آواز سُنکر اُنمیں سے ایک شقی نے حضرت کیطرف تیر مارا

ایک شیرخوار بچہ کی شہادت

علیؑ اصغر

جو شیر خوار کے گلے کو چھیدتا ہوا حضرت کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ تیر کے نکلتے ہی بچہ کی روح پرواز کر گئی۔ امیر المومنین لاش لیکر واپس آئے اور اسکی ماں کو دیکھکر کہا۔ لے تیرا بچہ حوض کوثر سے سیراب ہو گیا" (صاحب غم حسینؑ کے موافق فرمایا "خداوندا آپ ہی صابر ہے اور تیری مرضی پر راضی" ابن خلدون کے موافق فرمایا۔ اے رب۔ اگر تو نے ہمسے مدد روک لیا ہو تو جو مناسب ہو وہ کر اور ان ظالمین سے انتقام لے۔ روضۃ الصفا کے موافق فرمایا "خداوندا مجھے اس مصیبت پر صبر عطا فرما" صاحب لہوف کے موافق "حضرت زینبؑ سے آپنے فرمایا کہ اسکو لے لو۔ یہ کہکر سید الشہداء نے خون اسکا چلو میں لیا اور جب چلو خون سے بھر گیا تو آپنے اسکو آسمان کیطرف اچھال دیا اور فرمایا کہ یہ سب آفت جو میرے اوپر نازل ہو رہی ہے آسان ہے کیونکہ خدا اسکو دیکھ رہا ہے۔

ابو اسحٰق اسفرائنی کہتے ہیں "اسکے بعد آپ خیمہ میں داخل ہوئے اور فرمایا اے زینب۔ اے پیاری بہن میرے چھوٹے بچہ کو ادھر لاؤ کہ میں اُسے وداع کر دوں۔ زینب نے کہا کہ اس بچہ نے تین دن سے پانی نہیں پیا۔ آپ اگر اسکے لیے پانی مانگیں تو شاید لوگ اس بچہ پر ترس کھا کر اسکو پانی دیدیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بچہ کو گود میں لیکر جو مارا مردہ پیاس کا مارا انکے ہاتھوں میں تڑپ رہا تھا۔ پھر آپ اس بچہ کو لیکر مخالفین کے سامنے گئے اور کہا۔ تمنے میرے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ اب اس بچہ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ اُس نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ یہ پیاس سے بیتاب ہے۔ ہمکو نہیں تو اسکو پانی پینے کو دو آپ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ کسی بدکار ناہنجار۔ باغی نے ایک زہر بلا تیر مارا جو اس بچہ کے گلے میں آ کر لگا اور یہ معصوم بچہ وہیں دم توڑ کر رہ گیا۔ دردمند باپ اسکا خون پونچھتا جاتا تھا اور یہ الفاظ مونھ سے نکل رہے تھے اللّٰھم اشھد علیٰ ھولاء القوم۔ الٰہی تو ان لوگوں کے سلوک کا گواہ ہے۔ پھر آپ واپس آئے اور بچہ کی لاش ام کلثوم کو دے دی۔ جسکو انہوں نے سینہ سے لگایا اور رونے لگیں اور انکے ساتھ سب کے سب حتیٰ کہ ملائکہ نے بھی رونا شروع کیا۔ ام کلثوم روتے روتے یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔

(میرا دل اُس پیاسے خورد سال بچہ پر افسوس کر رہا ہے جسے دودھ چھوٹنے کے قبل کہ

دشمنوں کے تیر نے شہید کردیا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ اُسے خون کی کلی کرادی۔ میرا دل ہمیشہ افسوس کرتا رہیگا۔ ان ظالموں نے اسکے ماں باپ کا دل اُسکے غم میں جلادیا اور انتقام لینے کیلئے اُسے تیر مارا)

ابو مخنف کے نزدیک حضرت علی اصغر کی عمر چھ مہینہ کی تھی۔ آپ یہ چھوٹی سی لاش لئے آرہے تھے اور خون حسین کے سینہ پر بہ رہا تھا۔ اور فرمارہے تھے۔

(اے میرے پروردگار مجھے تنہا نہ چھوڑ۔ اُن لوگوں کے درمیان جو انصاف کے دشمن ہیں جنہوں نے ہمکو درماندہ بنادیا ہے اور جو اپنے افعال سے یزید کو خوش کررہے ہیں۔ تمام رفقا شہید ہوگئے ہیں اور عالت بیکسی میں خون میں لتھڑے پڑے ہیں)

استغاثہ اور حضرت سید سجادؑ

اُن دقتوں میں جبکہ حضرت نے استغاثہ فرمایا تھا۔ اُنمیں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ ھل من موحد یخاف اللہ فینا" (آیا کوئی موحد ہے کہ ہمارے بارے میں خدا سے ڈرے)

صاحب روضۃ الشہداء کے موافق سید سجادؑ نے حضرت کا استغاثہ سنکر نیزہ اُٹھایا اور بابا کی طرف دوڑے لیکن حالت یہ ہے کہ ضعف سے پاؤں کانپ رہے ہیں اور نقاہت سے جسم لرز رہا ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے دیکھا اور فرمایا "اے فرزند واپس ہو کر تیری نسل سے نسل منقطع نہ ہوگی" اور "من تراوصی خود ساختہ عورات بتو میگذارم و امانتے کہ از جد و پدر بمن رسیدہ است بتومی سپارم۔ اول قرآن ..... دوم مصحف فاطمہؑ و جفر ابیض و جامع و جفر احمر وعلم قیامت و مذبور و باقی علوم کہ غیر از ائمۃ اہلبیت کسے را ازآں اطلاع نیست" ایسا ہی صاحب کشف الغمہ نے بھی لکھا ہے۔ صاحب "غم حسینؑ" بھی اس روایت کو نوٹ کرتے ہیں۔

حضرت اہلبیتؑ کو سلام کرتے ہیں

ابی مخنف کے موافق حضرت نے آواز دی کہ اے ام کلثوم اے زینبؑ اے سکینہ۔ اے رقیہ اے عاتکہ۔ اور اے صفیہ تم لوگوں پر میرا سلام ہو کہ یہ آخری اجتماع ہے۔ حضرت ام کلثوم چیخ اٹھیں اور فرمایا اے بھائی کیا آپ اپنے کو موت کے حوالہ کرچکے۔ فرمایا کیسے تسلیم کروں کہ اب کوئی مددگار نہیں ہے۔ حضرت ام کلثوم نے فرمایا کہ اے بھائی اپنے نانا کے حرم کیطرف لوٹ چلو۔ فرمایا۔ افسوس افسوس۔ اگر قطا کو چھوڑ دیتے تو وہ آرام سے سوتا۔ اسوقت حضرت سکینہ رونے لگیں۔ حضرت نے انھیں سینہ سے لگایا۔ پیار کیا اور اپنی آستین سے آنسو پونچھکر فرمایا

حضرت سکینہ کے متعلق حضرت کے اشعار

سیطول بعدی یا سکینۃ فاعلمی ۔ منک البکاء اذ الحمام دھانی

لا تحرقی قلبی بدمعک حسرۃ ۔ مادام منی الروح فی الجسمانی

فاذا قتلت فانت اولیٰ بالذی ۔ تاتینہ یا خیرۃ النسوانی

فابکی وقولی یا قتیلا قد مضی ۔ عجلا علی شط الفرات دعانی

فابکی وقولی ھذہ الکبری بعدما ۔ کانت تزعزع منہ بالارکانی

قد کنت امل ان اعیش بظلہ ۔ ابدا من الایام مایرعانی

ادنی الینا یا سکینۃ عاجلا ۔ حتی اودع کلی وداع الفانی

اوصیک بالولد الصغیر وبعدہ ۔ بالال والایتام والجیرانی

فاذا قتلت فلا تشقی مئزرا ۔ ایضا ولا تدعی بثور ھوان

لکن صبرا یا سکینۃ فی القضا ۔ ھانحن اہل الصبر والاحسان

لی اسوۃ بابی وجدی واخوتی ۔ اخذ وحقوقھم بنو الطغیان

(از مقتل ابو مخنف اعرابی)

۱ اے سکینہ میرے بعد تیری گریہ وزاری بہت بڑھ جائیگی ۲ جب تک میرے جسم میں روح ہے آنسوؤں کی حسرت سے میرے قلب کو نہ جلا۔ ۳ جب میں شہید ہو چکوں تو اے بہترین زنان! تو مجھ پر رونا اور یہ کہنا کہ اے شہید جو تیزی سے ساحل فرات پر گیا تھا ۵ رونا اور کہنا کہ تیرے قتل ہونے سے میرا آسرا ٹوٹ گیا ۶ میں امید کرتی تھی کہ اُسکے سایہ میں عمر بسر کرونگی ہمیشہ جب تک وہ حفاظت کرینگے ۷ اے سکینہ جلدی سے ہماری طرف آکہ میں تجھے مر نیوالے کیطرح وداع کروں ۸ میں تجھے چھوٹے بچے۔ اور۔ آل۔ یتیموں اور پڑسیوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں ۹ جب میں مارا جاؤں تو چادر کو چاک نہ کرنا اور مصیبت میں بین نہ کرنا ۱۰ بلکہ اے سکینہ حکم الہیٰ پر صبر کرنا۔ یاد رکھ کہ ہم لوگ اہل صبر واحسان ہیں ۱۱ میں اپنے باپ دادا اور بھائی کے نقش قدم پر چلنے والا ہوں جن کے حقوق سرکش لوگوں نے چھین لیئے ہیں)

صاحب "غم حسین" فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں جانیکے لیئے امام ہمام ہر کسی کو خیمہ سے باہر تک پہونچا آیا کرتے تھے مگر آہ جسوقت امام خود تشریف لیجانے لگے ہیں اُسوقت

حضرت زینبؑ رخصت کرتی ہیں

مردوں دبجز امام زین العابدین کے کہ انھیں طاقت نہ تھی اور بستر بیماری پر پڑے تھے ہیں سے کوئی بھی باقی نہ رہا تھا جو آپ کو رخصت کرتا۔ آہ اسوقت آپکی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کو رخصت کرنیکے لیے در خیمہ تک آئیں اور رو رو کر وداع کیا۔

دشمنوں سے حضرت کا خطاب اور جواب

اسکے بعد آپ میدان میں تشریف لائے اور فرمایا وائے ہو تم پر۔ مجھ سے کیوں لڑ رہے ہو۔ کیا میں نے کسی فریضہ کو ترک کیا ہے۔ یا سنت بدل دی ہو شریعت میں تغیر کیا ہے اُن لوگوں نے کہا بلکہ ہم اسلیئے لڑ رہے ہیں کہ ہمیں تمہارے ساتھ تمہارے والد کا بغض ہے اُسکے لیے جو کچھ انھوں نے ہمارے بزرگوں سے بدر و حنین میں کیا تھا اسکے بعد حضرت نے داہنے اور بائیں نظر ڈالی مگر کسی کو اپنے رفقاء میں سے بجز خاک و خون آلودہ کے نہ دیکھا۔ آپ نے ایک ایک کا نام لیکر فرمایا کہ اے شجاعان صاحبِ طینت اور اے بہادران ہنر تمہیں کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں پکارتا ہوں لیکن تم جواب نہیں دیتے تمہیں بلاتا ہوں لیکن تم نہیں سنتے۔ دیکھو کہ تمہارا امام کس حالت میں ہے اور یہ اہلبیت رسول ہیں جن کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اپنی نیند سے چونکو اور دشمنوں کو دفع کرو۔ لیکن تم جن حالتوں میں ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو تم مدد میں تقصیر نہ کرتے۔ ہم تمہارے اوپر گریاں ہیں اور تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

اسکے بعد ابو مخنف کے نزدیک حضرت نے ایک سخت حملہ کیا اور قتل منھم فی حملۃ الف وخمس مائۃ فارس (اور اُن میں سے ایک ہزار پانچسو سواروں کو قتل کیا) اسکے بعد خیمہ کیطرف پھرے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:۔

خیرۃ اللہ من الخلق ابی	بعد جدّی و انا ابن الخیرتین
والدی شمس و امّی قمر	و انا الکوکب و ابن النیّرین
من لہ جدّ کجدّی مصطفٰے	او کامّی فی جمیع الثقلین
فاطمۃ الزہرا امّی۔ و ابی	فارس الخیل و رامی القبلتین
ھادم الابطال فی ھیجائہ	یوم بدر ثم احد و حنین
ابن عم المصطفٰے من ھاشم	و شجاع حامل للرایتین

ترک الاصنام لم یسجد لها	من قریش مذ نشاطرفة عین
عبد اللہ غلاماً ناشئاً	وقریش یعبدون الصنمین
یعبدون اللات والعزی معاً	وعلی قائم بالرکعتین
جدی المرسل مصباح الدجیٰ	وابی المعروف یوم الوقعتین
عم والدین علی ذو العلی	ساقی الحوض امام الخافقین
اظهر الاسلام رغماً للعدا	بحسام قاطع ذی شفرتین
مع رسول اللہ یسعی جاهداً	قاتل الابطال والموفی لدین
ترک الاسلام حفضاً نازلاً	رفع الدین فریق النیرین
انا ابن العین والاذن اللتی	اذعن الخلق لها فی الخافقین
وبنا جبرئیل اضحیٰ فاخراً	وقضا عنا ابونا کل دین
فجزاه اللہ عنا صالحاً	خالق العالم مولی المشرقین

۱ میرے نانا کے بعد میرا باپ تمام لوگوں میں خدا کا برگزیدہ ہے اور میں دو برگزیدوں کا فرزند ہوں۔

۲ میرے پدر بزرگوار آفتاب اور میری مادر گرامی چاند اور میں ستارہ ہوں اور شمس و قمر کا فرزند ہوں

۳ میرے نانا مصطفےٰ کا ایسا نانا یا میری ماں کیطرح زمانہ میں کسکی ماں ہے۔

۴ فاطمہؑ زہرا میری ماں ہیں اور میرے پدر گرامی شجاعوں کے سردار اور تیر انداز ہیں۔

۵ بدر۔ اُحد اور حنین کی لڑائیوں میں وہ بہادروں کو شکست دینے والے ہیں۔

۶ مصطفےٰ کے ابن عم اور ہاشمی ہیں۔ ایسے شجاع جو دو جھنڈے کے حامل ہیں۔

۷ اُنھوں نے چشم زدن میں بتوں کی یہ حالت کردی کہ اب قریش اُنھیں سجدہ نہیں کرتے

۸ وہ بچپن سے اللہ کی عبادت کرتے آئے جبکہ قریش بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔

۹ وہ لوگ لات و عزی دونوں کی پرستش کرتے ہیں اور علیؑ کھڑے ہوئے دو رکعتیں پڑھ رہے ہیں۔

۱۰ میرے نانا اندھیری رات کے چراغ ہیں اور میرے باپ جنگ کے دونوں حادثوں (؟) کے دلئے مشہور ہیں۔ (ابو مخنف کے دوسرے مصرعہ کا ترجمہ۔ اور میرے پدر بزرگوار نے اُن کے ساتھ

دونوں بیتوں میں وفا کی (مؤلف ہ کے نزدیک یہی دوسرا مصرعہ صحیح ہے جسمیں مصرعہ اول سے ربط ہے اور مفہوم صاف ہے)

۱۱ علیؑ دین کا سہارا اور صاحب عظمت ہیں۔ اور اہل مشرق و مغرب کیسا منے ساقی حوض کوثر ہیں
۱۲ انھوں نے دشمنوں کی مخالفت کے باوجود اسلام کی اشاعت کی اپنی دودھاری تلوار سے۔
۱۳ جنھوں نے رسولؐ کے ساتھ جہاد میں سعی کی۔ بہادروں کو قتل کیا اور قرض ادا کر دیا ہے۔
۱۴ جنھوں نے بتوں کو پست اور سرنگوں بنا دیا اور دین کو شمس و قمر سے بھی بلند کر دیا۔
۱۵ میں ایسی آنکھ اور کان کا فرزند ہوں جسے مشرق و مغرب کے لوگوں نے مانا ہے۔
۱۶ جبرئیلؑ کو ہماری وجہ سے فخر حاصل ہوا اور ہمارے باپ نے ہماری طرف سے تمام دین ادا کر دیے (مؤلف کے نزدیک دین یعنی قرض کا مفہوم فرض سے ادا ہوتا ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ اشاعت اسلام اور وہ بڑے بڑے کام جو امیر المومنینؑ نے کئے اُن کے بعد ہمارے لیئے کوئی اُس درجہ کا فرض باقی نہیں ہے۔ اس سے جناب امیرؑ کے کاموں کی وقعت قائم کی ہے بمقابلہ اُن خدمات دین کے جو اُنکے بعد کیجائیں)۔
۱۷ پس اللہ اُن کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔ جو خالق عالم اور مولائے دوجہان ہے۔
مقتل ابی مخنف میں کچھ اشعار زیادہ ہیں جنکے مخصوص یہ ہیں۔

۱ امی الزہرا حقا و ابی	وارث للعلم و مولی الثقلین
خصّہ اللہ بفضل و تقی	فانا الزاہر وابن الازہرین
مع رسول اللہ سبعا کاملا	ما علی الارض مصلی غیرہ دینا
ترک الاصنام مستد خصتہ	ورقانا بمحمدؐ فوق المنبرین
فلہ الحمد علینا واجبا	ماجری بالفلک احد النیرین
نحن اصحاب العبا خمستنا	قد ملکنا شرقہا والمغربین
ثمّ جبریل لنا سادسا	ولنا البیت کذا والمشعرین
وکذ المجد بنا مفتخرا	شامخا یعلو بہ فی الحسنین

فجزا اللہ عنّا صالحا خالق الخلق و مولی المشعرین

عروۃ الدّین علئ المرتضی صاحب الحوض مغر الحرامین

یفساق الصمّان من ھیبتہ ولذا افعالہ فی الخافقین

والذی صدق بالخاتم منہ حین ساوی ظھرہ فی الرکعتین

شیعۃ المختار طیبوا انفسا فغدا تسقوا من حوض اللحیین

فعلیہ اللہ صلّے ساثنا حیا تحفہ بالحسنین

کامل بن اثیر کہتا ہے جب تین چار آدمی حضرت کے لشکر میں باقی تھے اُسوقت حضرت نے ایک ایسا پائجامہ پہنا جسے کوئی نہ لوٹے۔ کسی نے کہا کہ ایک جانگھیا پہن لیجے فرمایا کہ یہ لباسِ ذلت ہے اسے نہ پہنونگا۔

حضرت آخری لباس پہنتے ہیں۔

صاحب لہوف فرماتے ہیں " سید الشہدؑا نے فرمایا کہ میرے لئے ایسا لباس لاؤ کہ جسے کوئی پسند نہ کرے میں اُسے اپنے کپڑے کے نیچے پہن لوں تاکہ بعد قتل برہنہ نہ کیا جاؤں تب حضرت کی خدمت میں ایک لنگوٹا یا جانگھیا لائے تو حضرت نے فرمایا کہ نہیں یہ پوشاک ذلیلوں کی ہے پھر حضرت نے ایک پرانا لباس لیا اور اُسکو جابجا سے پھاڑ کر پہن لیا۔ مگر جب حضرت شہید ہو گئے تو اُن ملعونوں نے وہ کپڑا بھی حضرت کے جسم سے اُتار لیا اسکے سوا سید الشہدا نے ایک پائجامہ حبرہ کا منگوایا اور اُسکو بھی چاک کر کے پہن لیا۔ اسلئے اُسکو پھاڑا تھا کہ اُسکو کوئی نہ اُتارے۔ مگر جب حضرت شہید ہو گئے تو اُسکو بحیر بن کعب شقی لعین نے اُتار لیا "۔

لباس چاک کیا

صاحب روضۃ الشہدا کے موافق حضرت نے اسلحہ جنگ حضرت شہر بانو سے طلب کیا۔ لیکن ناسخ التواریخ کے موافق حضرت شہر بانو کی رحلت حضرت علیؑ بن الحسینؑ کی ولادت کے بعد ہوئی۔

حضرت شہر بانو سے اسلحہ طلب فرمایا

صاحب بحار علامہ شہر آشوب علیہ الرحمہ سے نقل فرماتے ہیں کہ " اشقیا اہلبیت کو قید کرلائے بجز حضرت شہر بانو کے جنہوں نے اپنے کو فرات میں گرا دیا " شاہ عبد العزیز صاحب سر الشہادتین کی ضمیمہ میں فرماتے ہیں کہ " حضرت امام حسین علیہ السلام کی ازواج شریفہ میں سے اُسوقت

حضرت شہربانو رضی اللہ عنہا اور مادر بچہ سوم شیرخوارہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے ہمراہ تھیں" حضرت جسوقت خود جہاد کے لئے تشریف لائے۔ اُسوقت کی حالت شاعر کے ان اشعار سے خوب ادا ہوئی ہے کہ

حضرت کی تنہائی

ورائے پردہ نشیناں وکودک بیمار — نماند ہیچکس دیگر از تبار حسینؑ

حسینؑ گریہ کناں در فراق فرزنداں — ستادہ لشکر یزید در انتظار حسینؑ

وقت جنگ کے الفاظ

حضرت جنگ کر رہے تھے اور فرماتے تھے القتل اولیٰ من رکوب العار والعار اولیٰ من دخول النار (مارا جانا ارتکاب عار سے اور عار مستوجب نار ہونے سے بہتر ہے) اگرچہ میں یہ جانتا ہوں کہ اکثر مضمون نگار اور واقعہ نویس حضرات نے مسٹر جیمس کارکرن مولف تاریخ چین کے وہ فقرات جو اُنہوں نے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے متعلق لکھے ہیں۔ نوٹ کئے ہیں۔ لیکن چونکہ ایک غیر قوم مورخ کے حسن پسندی کا اعتراف نہ کرنا میرے نزدیک مستحسن نہیں ہے اور کتاب بھی میرے پاس موجود ہے۔ میں بھی اس موقع کو ضایع نہیں کرتا کہ اس قابل مورخ کے پُرغور فقرات کو ناظرین کے دلچسپ غور کے حوالہ کردوں۔

مسٹر جیمس کارکرن

قابل مورخ نے زبان اردو میں جو مہارت اور قوت اظہار حاصل کی ہے اُسنے مجھے نہ صرف ترجمہ کی زحمت سے بچایا بلکہ اُس سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی شخص ان الفاظ کو دیکھکر یہ نہ کہے گا کہ ترجمہ میں مناسب لفظوں کے استعمال سے اثر کے درجہ میں زیادتی کیگئی ہے۔ بلکہ یہ الفاظ خود مورخ کا آئینۂ خیال ہے۔ قابل مورخ واقعہ کربلا کو "سر دفتر تاریخ" کہتا ہے اور لکھتا ہے :-

" دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گذرے ہیں کہ اُنکے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے۔ چنانچہ اوّل درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اُسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے۔ کسکے قلم کو قدرت ہے کہ حسینؑ کا حال لکھے۔ کسکی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ اُن بہتر بزرگوں کی ثابت قدمی اور تہور و شجاعت اور بیس ہزار سوار خونخوار شامی کی جواب دہی اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانیکے باب میں مدح جیسا کہ چاہیئے کہہ سکے۔ کسکی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ

اُن لوگوں کے دلوں کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا اُن پر گذرا۔ اُسوقت سے جب عمر سعد نے دس ہزار سوار سے انھیں گھیر لیا۔ اُسوقت تک جبکہ شمر ملعون نے سر کاٹ لیا۔ کیونکہ ایک کی دو اور دو مثل مشہور ہے۔ اور مبالغہ کی حد یہی ہے۔ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چار طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسینؑ اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے جنگ کیا تھا اور اُسپر بھی قدم نہ ہٹا۔ چنانچہ چار طرف سے تو دس ہزار فوج یزید کی تھی جنکے تیروں اور نیزوں کی بوچھار مثل آندھی کے آئی تھی اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ تھی جسکی مثال کسی شئے میں زیر فلک نہیں ملتی۔ اور یہی کہنا ہوتا ہے کہ عرب کی دھوپ کے مانند عرب ہی کی دھوپ ہے۔ اور چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں شعلہ زن اور تنور خاکستر سے زیادہ پرسوز تھا۔ بلکہ اُسکو دریائے قہر کہنا چاہئیے جسکے بلبلے بنی فاطمہ کے پاؤں کے آبلے تھے۔ اور دو دشمن سب سے ظالم بھوک اور پیاس مثل دغاباز ہمراہی کے جسکے برابر عدو نہیں۔ ساتھ تھے۔ اور تشنگی سے جب زبان پھول کے پھٹ جاتی تھی۔ تب ہی اِن دو کی خواہش مٹتی تھی۔ پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزار ہا کافروں کا مقابلہ کیا ہو اُنپر خاتمہ بہادری کا ہو چکا۔ الغرض سر دفتر تاریخ اس رزم کو جاکر......" مسٹر گبن کہتے ہیں " دشمن کا بہادر سے بہادر سپاہی اس مرنے ہوئے بہادر کے حملہ سے ہر طرف بھاگنے لگا۔ اور بے رحم شمر جس سے مسلمانونکو نفرت تھی سپاہیونکو ملامت کرنے لگا"

حُرؑ کی لاش لانیکے وقت حضرتؑ کی جنگ

ابو اسحٰق اسفرائنی حضرت کی ایک جنگ کے متعلق لکھتے ہیں۔ جب حضرت حر کی لاش لینے گئے تھے کہ " امام حسینؑ رضی اللہ عنہ شیرانہ جوش میں قلب لشکر کیطرف حملہ آور ہوئے اور دائیں بائیں ہر طرف تیغ چلانی شروع کی۔ اسوقت آپکی تیغ زنی آپکے والد شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نبرد آزمائی کا سماں باندھ رہی تھی۔ ایک سوار کو گردن سے پکڑ کر دوسرے سوار کے ساتھ اسطرح ٹکراتے تھے کہ دونوں مرجاتے اور دو سواروں کو پکڑ کر دو سوار کے ساتھ اس زور سے ٹکراتے کہ چاروں کی جان ہوا ہو جاتی تھی۔ آپ کا دیوزاد گھوڑا بھی برابر کام میں مشغول تھا کسی سوار کو دانتوں سے پکڑتا اور جھنجھوڑ کر ہلاک کرتا کسیکو دولتی رسید کرتا اور پچھاڑ دیتا۔ کسی کو دم اس زور سے مارتا کہ وہ اسکی جان کے لیے

خدائی تازہ یاد بجائی۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ حتی کہ دشمن کی فوج کا یہ حال ہو گیا کہ کوئی زخمی پڑا ہے کوئی خاک و خون میں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کوئی بھاگ جانیکی کوشش کر رہا ہے۔ آخر اللہ تعالے نے اپنے مخالفوں کے دل پر رعب ڈالدیا۔ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ یہ اشعار پڑھتے اپنے خیمہ کو واپس آئے۔

اناؑ بن علیؑ الطھر من آل ہاشم	کفانی بہ ھذا مفخر حین افخر
؂ وجدی رسولؐ اللہ اکرم خلقہ	ونحن سراج اللہ فی الخلق ظاہر
؃ وفاطمۃ امی سلالۃ احمد	وعمی یدعی ذوالجناحین جعفر
؄ وفینا کتاب اللہ انزل صادقا	وفینا الھدی والوحی والخیر یذکر
؅ ونحن امان اللہ للخلق کلھم	نقول بھذا الانام ونخبر
؆ وشیعتنا واللہ اکرم شیعتہ	ومبغضنا یوم القیمۃ یخسر

(۱) میں بنی ہاشمؑ میں سے علیؑ طاہر کا فرزند ہوں۔ اگر میں فخر کروں تو یہی فخر میرے لیے کافی ہے ؂ اور میرے جد رسولؐ ہیں جو خلق خدا میں سب سے مکرم ہیں۔ اور ہم خلق میں روشن چراغ ہیں ؃ اور فاطمہؑ حضرت محمدؐ مصطفےٰ کی دختر نیک اختر میری مادر گرامی ہیں اور میرے چچا جعفرؑ ہیں جنکا لقب ذو الجناحین ہے ؄ اللہ کی سچی کتاب ہمپر نازل ہوئی اور ہم میں ہدایت وحی اور خیر ہے ؅ ہم تمام خلق کے لیئے خدا کی امان ہیں۔ اور ہم اسے تمام خلق سے پکار پکار کر کہتے ہیں ؆ اور ہمارے شیعہ تمام لوگوں کے رفقا میں زیادہ مکرّم ہیں اور ہمارے دشمن روز جزا نقصان اٹھانیوالے ہیں)

صاحب روضۃ الشہدا اور کشف الغمہ کہتے ہیں کہ حضرت جب میدان جنگ میں آئے تو آپ نے ایک شرط یہ پیش کی کہ مجھے مدینہ جانے دو۔ جب اسے دشمنوں نے منظور نہ کیا تو فرمایا کہ مجھے تھوڑا سا پانی دو۔ جب اسے بھی قبول نہ کیا تو فرمایا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ مجھ سے ایک ایک کر کے جنگ کرو۔ ابن سعد نے اسے مان لیا۔ حضرت نے رجز پڑھا اور مقابل طلب کیا۔ اول کس تمیم بن قحطبہ کہ از ابطال شام بود چوں پلنگ خون آشام آہنگ جنگ بساخت سید الشہداؑ چوں برق خاطف برا و تاخت و سرش را با تیغ بپرانید۔ ہمچناں ابطال رجال

دست بدست جنگ

از دنبال مردے بآں حضرت روے درروے بشدند و آنت بکوشیدند و از ضربت نخستین شهید شدید عدد مقتولین از شمار آمد۔ ابن سعد دانست که دریں دشت آفرینش هیچکس را آن توانش و توان نیست که با سید الشهدا کاوش و کوشش آغازد۔ دگر کار بدینگونه رود تمام لشکر را باتیغ بپردازد۔ سپاهیاں را بانگ زد و گفت وائے بر شما باد آیا میدانید که با کدام کس قتال می دہید۔ ایں پسر انزع البطین غالب کل غالب علی بن ابیطالب است ایں پسر کسی است که شجاعان عرب و دلیران اقوام را یک تن بجاے نگذاشت۔ حکم داد که لشکر یک مرتبہ حمله برند۔

لشکر کا مجموعی حملہ

پس لشکر بیکبارہ بجنبش آمد و سید الشهدا چوں شیر ژیاں دست از جان شستہ و دل بر خدا بسته بر میمنه و میسره لشکر حمله افگند۔ و لشکر پیش روے آں حضرت چوں گوسپند از شیر و گله از گرگ می رمیدند۔ و دریں وقت هر لگاه می پراگندند تا ایں وقت هزار و نهصد و پنجاه کس از کفار را باتیغ در گذرانید۔

میدان خالی ہو گیا

اطراف آں حضرت از دشمن تهی گشت پس اندکے از قلب حرب گاه کنار گرفت و ایستاد۔ دیگر باره سرهنگان سپاه بانگ بر لشکر کوفه زدند و پراگندگان لشکر را جمع

افسران فوج نے پھر سپاہیوں کو جمع کیا

و همگان را بسرزنش بیازردند و بمقاتلت تحریص دادند۔ مرتبہ دیگر سی هزار تن هم دست و هم داستان آهنگ آں یک تن کردند۔ سید الشهدا باآں زخمهاے تیغ و تیر و زحمت تشنگی چوں برق جهنده خود را در میان آن لشکر بیکراں افگند۔ کس ندانست که آں دست و بازو چه صنعت می کند۔ چهار هزار کمان خدنگها به زه برنهادند و کمین برگشادند۔ سواران حملها متواتر ساختند و پیادگاں به رمی احجار پرداختند و آں حضرت را دائره کردار درمیان آوردند۔ و صف از پس صف زده بستند۔ دفعةً واحدةً راکب و راجل بر آنحضرت حمله کردند۔ سید الشهدا چوں شیر مغضب حمله بر ایشاں آورد و آں گروه را بزخم تیغ و طعن نیزه بخاک می افگند هیچکس بروے نگذشت که حلقه شمشیر او نگشت و هیچ طرف روے نگرد که لشکریاں پشت ندادند از شدت عطش جانب فرات روے نمود۔

گھاٹ کی طرف رخ کیا

همگاں بر طریق شریعه آمدند۔ و صف از پس صف راست کردند و طریق شریعه را بستند۔ ابو الاعور اسلمی و عمرو بن حجاج که با چهار هزار مرد کماندار نگهبان شریعه بودند بانگ بر سپاه زدند که سید الشهدا از راه بر شریعه نه نهید۔ آں حضرت بر ایشاں حمله افگندند۔

صفوف را بشگافت و طریقِ شریعہ را از دشمن بپرداخت و اسپ بآب فرات راند۔ و دست فرا برد کفے آب برگرفت کہ بنوشد۔ ناگاہ حصین بن نمیر تیرے بجانب آنحضرت گشاد داد و آن تیر بر دہانِ مبارکش آمد و خون جاری شد۔ درایں وقت سوارے فریاد برداشت کہ اے حسین تو آب می نوشی و لشکر سراپردہ تو در می رود۔ حضرت سید الشہداء چون ایں سخن را شنید۔ آب از کف بریخت و از شریعہ بیرون تاخت و با تیغ سیاہ گونہ راہ برا گند۔ و بسراپردہ خویش آمد۔ مکشوف شد کہ گویندہ ایں خبر مکرے کردہ و عذرے اندیشیدہ۔ دیگر بارہ اہلبیتؑ را وداع نمودہ بصبر و سکون وصیت فرمود و فرمان داد تا جامہ کہ درخور اسیری باشد در پوشید۔ پس از آں عنان بگردانید و آہنگِ قتال نمود"

دہن مبارک پر تیر لگا

دشمن کا عاجزانہ فریب

اہلبیت کو اسیری کے لائق لباس کی ہدایت

گھوڑے سے خطاب

جسوقت حضرت فرات کے کنارہ پہونچے آپنے گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر دی اور بحار و ناسخ التواریخ کے موافق گھوڑے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "میں پیاسا ہوں اور تو بھی پیاسا ہے بخدا میں نہ پیونگا جب تک تو نہ پی لے"

ابو مخنف کے موافق جب حضرت فرات کے کنارہ پہونچے۔ گھوڑا پیاسا تھا گھوڑے نے جب پانی کی ٹھنڈک محسوس کی تو اُسنے اپنی گردن بڑھائی اور حضرت کو کراہت ہوئی کہ اُسپر غصہ کریں آپنے صبر کیا یہانتک کہ گھوڑے نے پانی پی لیا اور اپنی پیشانی پانی پر رگڑنے لگا۔ اب حضرت پانی پیا چاہتے تھے کہ لوگوں نے آواز دی کہ اے حسینؑ خیمہ کیطرف دوڑو کہ اسمیں دشمن داخل ہو گئے ہیں۔ حضرت نے پانی ہاتھ سے پھینکدیا۔ اور خیمہ کے قریب پہونچے تو اُسے سالم پایا اور اسے دشمن کا مکر خیال کیا۔ پھر حضرت فرات کیطرف چلے اور پھر دشمن حائل ہوئے اسوقت حضرت نے یہ اشعار فرمائے

اشعار

فان تکن الدنیا تعد نفیسۃ　　فان ثواب اللہ اعلیٰ و اجزل

و ان تکن الارزاق قسما مقدرا　　فقلتہ سعی المرء فی الرزق اجمل

و ان تکن الاموال للترک جمعھا　　فما بال متروک بہ المرء یبخل

و ان تکن الابدان للموت انشئت　　فقتل الفتی بالسیف فی اللہ اجمل

عليك سلام الله يا آل احمد فانی اُری انی عنکم الیوم ارحل

اری کل ملعون کفور منافق یروم فنانا جهله ثم یامل

لقد غرهم حلم الاله لانه کریم حلیم لم یکن قط یعجل

۱۔ اگر دنیا ایک نفیس چیز سمجھی جاتی ہے تو اللہ کا ثواب اُس سے اعلیٰ اور زیادہ عمدہ ہے۔ ۲۔ اور اگر روزی تقسیم کی ہوئی اور مقدر ہے تو رزق میں آدمی کی تھوڑی سی کوشش زیادہ اچھی ہے ۳۔ اور اگر مال کا جمع کرنا چھوڑ جانیکے لئے ہے تو اُس متروکہ کا کیا حال ہوگا جس سے انسان نے بخل کیا تھا ۴۔ اور اگر جسم موت کیلئے بنائے گئے ہیں۔ تو بہادر کا تلوار سے راہ خدا میں مارا جانا زیادہ پسندیدہ ہے ۵۔ اے آل احمد تم پر سلام ہو کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں آج تم سے رخصت ہونگا ۶۔ دیکھیں تمام ملعون جنہوں نے ناشکری کی ہے اور منافق ہیں کہ اپنے جہل سے مجھے فنا کرکے کیا پائینگے۔ اللہ کے علم نے اُنھیں مغرور کر دیا ہے اللہ جو کریم و حلیم ہے اور کبھی جلدی نہیں کرتا۔

ایک حسین کی جسم کیلئے حربوں کی قسمیں۔ تین ساعت تک غش سے بد

آپ نے پھر حملہ کیا اور خلق کثیر کو قتل کیا تھا کہ شمر عمر ابن سعد کے پاس گیا اور کہا اے امیر یہ شخص ہمارے آخری آدمی کو فنا کر دے گا۔ ابن سعد نے کہا کہ پھر کیا کرنا چاہیئے۔ شمر نے کہا کہ تین دستوں کو ان پر پھیلا دو جو تیروں۔ نیزوں۔ تلواروں۔ آگ اور پتھر سے حملہ کریں یہانتک کہ زخموں سے مجبور کر دیں ...... (جب حضرت زخموں سے چور ہو گئے) چاہا کہ جنگ کریں لیکن اب قوت باقی نہ تھی ...... حضرت دن کی تین ساعت باقی رہنے تک حالت غشی میں پڑے تھے اور لوگ اس حیرت میں تھے کہ مبادا زندہ ہوں۔ حضرت تین ساعت تک اپنے خون میں پڑے رہے آپ کا چہرہ آسمان کیطرف تھا اور فرما رہے تھے صبرا علی قضائک یا رب لا الہ سواک یا غیاث المستغیثین۔

حضرت کے الفاظ

دشمن بلور کے پیالوں میں پانی چھلکاتے تھے

صاحب "غم حسین" مولانا حسن میاں صاحب پھلواروی فرماتے ہیں کہ "ظالموں نے یہانتک شقاوت و سنگدلی کو راہ دیا کہ بلور کے پیالہ میں پانی بھر بھر کر (دور سے) امام حسین علیہ السلام کو دکھاتے تھے اور حضرت امام مظلوم اُن سے اپنے جد امجد حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر وہ پانی مانگتے۔ لیکن کسی کو رحم نہ آتا اور وہ اشقیا سامنے سے

وہ بھرا ہوا بلوری پیالہ ہٹا لیتے تھے۔ اس لئے بزرگان دین اور محبین اہلبیت نے جام بلور
میں پانی پینا مکروہ و خلاف ادب جانا ہے۔ چنانچہ حضرت امام عبد الوہاب شعرانی
قدس اللہ نفسہ وطیب رمسہ نے کتاب العہود والمواثیق میں جہاں اداب منقولہ
اہلبیت و بزرگان دین نقل فرمائے ہیں اور اس دل سوز واقعہ کا یوں ذکر فرمایا ہے کہ
...... یعنی اور بلور کے کوزہ میں پانی نہ پینا (جو بزرگوں سے منقول ہی) تو یہ اسلئے کہ بیہقی نے
نقل کیا ہے کہ جب امام حسینؑ علیہ السلام پیاسے ہوئے۔ اُن دنوں میں جبکہ دشمنوں میں
آپ گھرے ہوئے تھے تو وہ لوگ بلور کے کوزہ میں پانی بھر کر آپ کو دکھاتے تھے اور
امام مظلوم اُن سے فرماتے تھے کہ (اپنے برگزیدہ رسول) میرے نانا (ساقی کوثر) کے واسطے
ہمیں ایک گھونٹ پانی پلا دو پس وہ لوگ کوزہ لوٹا لیتے۔ اور امام حسینؑ علیہ السلام کو پانی
نہ پلاتے تھے پس بزرگوں کے بلوری پیالہ میں پانی پینے کو برا جاننے کی یہی وجہ ہے اور)
ایسے اعمال نیتوں پر موقوف ہیں الاعمال بالنیات۔"

ابن اثیر یہ لکھتے ہوئے کہ لشکر نے داہنے اور بائیں سے حملہ کیا۔ حضرت نے داہنی
طرف حملہ کیا اور وہ لوگ متفرق ہو گئے۔ بائیں طرف حملہ کیا وہ بھی متفرق ہو گئے۔ روایت

حضرت کے حملہ کیوقت دشمنوں کی حالت

کرتا ہے کہ (ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا گیا جسکے بھائی اور بیٹے مارے گئے ہوں اور وہ
ایسا جری ہو۔ دشمن اسطرح پھٹ جاتے تھے جسطرح بھیڑیئے کے حملہ سے بکریاں پھٹ
جاتی ہیں) یہی مورخ کہتا ہے کہ حضرت ریشمی کپڑا پہنے تھے۔ عمامہ باندھے تھے اور
وسمہ کا خضاب لگائے تھے۔ پیدل اسطرح لڑے کہ سوار نہیں لڑسکتا۔ تیروں کو بچاتے
تھے۔ اور لشکر پر سختی کرتے تھے۔ یہی مورخ کہتا ہے کہ جب فرات کے کنارہ تیر لگا تو

بد دعا

خدا کا شکر کیا اور بد دعا کی کہ خداوندا دشمنوں کو قتل اور متفرق کر کہ ان میں کا کوئی
باقی نہ رہے۔ اور جب شمر مع اپنے آدمیوں کے حضرت اور خیمہ کے بیچ میں حائل ہو گیا
تو آپنے فرمایا کہ (اگر تمہیں دین و معاد کا خوف نہیں ہے تو تم لوگ صاحب احساب ہو
میرے خیموں کو اپنے جاہلوں اور سرکشوں سے روکو۔ یہ سنکر دشمنوں نے کہا کہ یہ درست ہے
اے ابن فاطمہ۔ حضرت پر سنان بن انس۔ خولی بن یزید اور شمر نے حملہ کرتے تھے

تو یہ لوگ بھاگ جاتے تھے۔

صاحب ناسخ التواریخ کہتے ہیں کہ زخموں کے علاوہ حضرت نے انیس سو پچاس دشمنوں کو قتل کیا اور لشکر کی ایک سمت خالی ہو گئی اور جب دشمن بھاگتے تھے تو حضرت قلب لشکر سے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ فرماتے ہوئے کنارہ چلے آتے تھے۔ اس مورخ کے موافق جب حضرت وداع آخری کیلئے خیمہ میں تشریف لیگئے تو آپ نے اہلبیتؑ سے وصیت کی کہ اب نزول بلا کیلئے مستعد ہو جاؤ۔ اور جانو کہ خدا تمہاری محافظت کریگا تمہیں دشمن کے شر سے نجات ملیگی اور تمہاری عاقبت بخیر ہو گی۔ تمہارے دشمن عذاب وبلا میں گرفتار ہونگے۔ شکوہ نہ کرنا اور کوئی بات ایسی نہ کہنا جو تمہاری منزلت میں نقصان پیدا کرے۔

ابن خلدون کہتا ہے " پھر شمرؔ ذی الجوشن تقریباً دس آدمیوں کو لیکر امام حسینؑ کے خیمہ کیطرف بڑھا آپ نے فرات کیطرف سے مڑ کر انکو روکا اور یہ فرمایا۔ تف ہو تجھپر اگر تم میں دینداری نہیں ہے اور نہ آخرت سے ڈرتے ہو تو شرافت کیوں چھوڑے دیتے ہو اپنے لشکریوں کو روکو اور ہمارے اہل وعیال کو اُن کی بیہودگیوں سے بچاؤ۔ جب کسی نے اسکا کچھ جواب نہ دیا تو آپ ادھر سے تلوار کھینچکر جھپٹے۔ دوسری طرف سے شمرؔ نے اپنے پیادوں کو جنمیں عبدالرحمن جعفی۔ قثمؔ بن نذیر جعفی۔ صالحؔ بن وہب یزنی۔ سنانؔ بن انس نخعی۔ خولیؔ بن یزید اصبحی وغیرہم تھے۔ للکارا سبھوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن آپ جسطرف رُخ کرتے تھے۔ جی چھوڑ کر لوگ ایک دوسرے کے پر منھ کے بل گرتے پڑتے بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور پھر جھرمٹ باندھکر ہر طرف سے گھیر کر دائیں بائیں آگے پیچھے سے مجموعی قوت سے حملہ آور ہوتے تھے۔ اس اثنا میں جنگ کا زور شور سنکر خیمہ سے زینبؑ (انکی بہن)، کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا کہتی ہوئی نکل آئیں۔ اتفاق سے عمرؔ بن سعد کا سامنا ہو گیا۔ فرمایا کیوں ابن سعد ابو عبد اللہ حسینؑ اس بیکسی سے مارے جائیں اور تم دیکھتے رہو۔ عمر سعد کا دل اس فقرہ سے بھر آیا آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ اشک نہ رک سکے داڑھی پر چند قطرے گر پڑے مجبور ہو کر زینبؑ کی طرف سے چہرہ پھیر لیا۔ امام حسینؑ کمال سرگرمی سے لڑ رہے تھے شیروں کی طرح سواروں پر جھپٹتے تھے اور پیادوں کی صفوف کو اپنی پر زور

حملوں نے اُلٹ پلٹ دیتے تھے اور بار بار یہ فرماتے تھے۔ کیا تم لوگ میرے ہی قتل کیلئے مجتمع ہوئے ہو۔ خدا کی قسم میرے قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوگا مجھ پوری امید ہے کہ میرے قتل سے تمکو سرخروئی حاصل نہ ہوگی اور بیشک اللہ تعالیٰ تم سے میرے خون کا ایسا بدلہ لیگا کہ تم کو اسکی خبر تک نہ ہوگی۔ خدا کی قسم اگر تم لوگ مجھے قتل کرڈالوگے تو تم میں خونریزی کا دروازہ کھل جائیگا اور پھر اللہ تعالیٰ اپنا عذاب نازل کریگا۔ تم لوگ ناحق اپنے ہاتھوں کو میرے خون سے نہ رنگو۔ دیکھو میں بیگناہ ہوں میرا قتل کرنا تمکو روا نہیں۔ کوئی شخص اسکا جواب نہ دیتا تھا اور آپ اُنکے حملہ سے اپنے کو بچاتے ہوئے میدان جنگ میں داد مردانگی دے رہے تھے۔ اور تقریبًا کل لشکری آپ کے قتل کرنے سے جی چراتے تھے۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ دوسرا شخص آپکو شہید کرے

دشمن اپنے سپاہیوں کو نام و خاندان کا واسطہ دیتے تھے

شمر لشکر کا یہ رنگ دیکھکر چلا کر بولا۔ تمہاری مائیں مرجائیں۔ تم لوگ ایک پیادے کو نہیں مار سکتے ہو۔ تف ہے تمہاری مردانگی پر۔ اگر تم لوگ ایک ایک کنکری پھینکو تو حسین دبکر مرجائیں۔ یہ دیکھو۔ نہ حرکت کررہے ہیں ان میں کچھ دم باقی نہیں ہے۔ بڑھو اپنے نام و خاندان کو رسوا نہ کرو۔ لشکر یوں کے دل میں اس پرجوش تقریر سے ناحق کوشی کا ایک ناجائز جوش بھر گیا۔ شمشیر بکف ہوکر پیادوں نے ہر طرف سے حملہ کردیا اور سواروں نے تیر برسانے شروع کیے " اسی طرح جنگ ہورہی تھی اب بقول اعثم کوفی " ابو الحتوف نے ایک تیر آپکی پیشانی پر مارا آپ نے وہ تیر نکالکر پھینکدیا۔ خون سے تمام چہرہ اور ریش مبارک تر ہوگئی ...... بھگوڑوں نے تیر برسانے شروع کیے۔ آپ اُنکے تیر اپنے سینہ پر کھاتے اور فرماتے تھے کہ اے بدبخت امت تونے اپنے پیغمبر کا ذرا پاس نہ کیا اور اُسکی اولاد کو قتل کرنے میں بڑی بے باکی سے کام لیا۔ خدا کی قسم اس ذلت کے عوض مجھے درگاہ الٰہی سے بہت بڑی عزت کی امید ہے اور یہ یقین جانتا ہوں کہ تم ذلیل و خوار ہوگے اور خدا تم سے میرا بدلہ لیگا۔ حصین بن نمیر اسکونی نے پکار کر کہا اے پسر فاطمہ کس طرح سے اللہ تیرا بدلہ ہم سے لیگا؟ آپ نے فرمایا کہ تم میں دشمنی اور عداوت ڈالیگا اور تم آپس میں ایک دوسرے کو مار مار کر مرجاؤگے اسکے بعد وہ پھر اپنا عذاب نازل فرمائیگا۔ شمر ذی الجوشن نے کہا تم کیوں دیر

انتقام کا سوال اور جواب

زخمونکی بوچھار

لگا رہے ہو یہ شخص زخمونکی کثرت سے بہت ناتوان ہو گیا ہے۔ اور ایک آدمی سے زیادہ بھی نہیں۔ سب ملکر اسپر حملہ کرو سب چار طرف سے ٹوٹ پڑے اور گھیر کر نیزے اور تلواریں مارتے تھے۔ ایک ملعون ارغدؔ بن شریک نے آپکے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری اور ایک اور بدبخت عمرؔ بن خلیفہ نے پشت کیجانب ہو کر دوش مبارک پر تلوار لگائی اور ایک تیسرے لعین سے جسے سنانؔ بن انس نخعی کہتے تھے سینہ پر تیر مارا۔ چوتھے بدکار فیلحؔ بن وہب مزنی نے پہلو پہ نیزہ رہا کیا۔ امیر المومنین گھوڑے سے گر پڑے اور زمین پر بیٹھکر سینہ سے تیر نکالا۔ خون بہ نکلا۔ دونوں ہاتھ ملاکر زخم کے نیچے رکھتے تھے

حضرت اپنا خون چہرۂ مبارک پر ملتے ہیں۔

اور جب لپ بھر جاتی تھی تو اپنے منھ اور ریش مقدس پر ملتے تھے اور فرماتے تھے میں اسیطرح چہرہ پر خون لگائے اور ڈاڑھی کو خون سے رنگین کئے ہوئے اپنے نانا کے پاس جاؤنگا۔ عمرؔ سعد نے آپکا یہ حال دیکھکر گھوڑا اڑھایا اور سر مبارک کے قریب پہونچکر اپنی سپاہ سے کہا۔ گھوڑوں سے اترکر اسکا کام تمام کردو اور سر تن سے اتار لو۔ نصر بن خرشۂ ضبابی گھوڑے سے اتر کر آگے بڑھا۔ وہ برص کی بیماری میں مبتلا تھا حضرت کے قریب پہنچکر ریش مبارک پکڑ لی اور چاہا کہ سر تن سے جدا کرے امام حسینؑ نے کہا تو وہی ابرص ہے کتا ہے جسے مینے خواب میں دیکھا تھا۔ نصر نے کہا تو میری نسبت ایسا کہتا ہے۔ تلوار نکالکر گلوے مبارک پر رگڑنے لگا اور کہنے لگا ؎

اشعار ابی مخنف سے

اقتلک الیوم ونفسی تعلم ۔۔۔ علماً یقیناً لیس فیہ مزاحم

ان اباک خیر من تکلم ۔۔۔ بعد النبی المصطفیٰ المعظم

اقتلک الیوم وسوف الام ۔۔۔ وان مثوی عذاب جہنم

افیض دمک بالتراب بعینہ ۔۔۔ ولا لاولاد النبی ارحم

(آج میں تمہیں قتل کر رہا ہوں۔ اور میرا نفس بغیر کسی شبہ کے بہ یقین جانتا ہے کہ تمہارا باپ کل بولنے والوں سے ممتاز ہے نبی مصطفےٰ معظم کے بعد۔ آج میں تمہیں قتل کر رہا ہوں اور عنقریب مجھے ندامت ہو گی اور اسکے بعد عذاب جہنم بھگتنا پڑیگا۔ تمہارا خون زمین پر گرا رہا ہوں اور اولاد نبی پر رحم نہیں کرتا)

ہر چند تلوار کو خوب زور سے رگڑتا تھا مگر وہ کاٹ نہ کرتی تھی۔ عمرؔ سعد نے غصہ ہو کر ایک شخص

خولی بن یزید اصبحی ملعون کو جو جانب راست کھڑا تھا کہا تو جا حسینؑ کا کام تمام کر خولی نے گھوڑے سے اتر کر فرزند رسولؐ خدا قرۃ العین علی مرتضیٰ اور راحت جان فاطمہ زہرا کا سر مبارک بدن سے علیحدہ کر دیا۔"

اٹھنے کی کوشش

مختلف زخم کھا کر جب حضرت میں گھوڑے پر بیٹھنے کی طاقت نہ رہی اور حضرتؑ زمین پر تشریف لائے اسوقت جبکہ ہر طرف سے دشمن زخم لگا رہے تھے کامل بن اثیر کے موافق حضرتؑ کبھی کھڑے ہونے کی کوشش کرتے تھے اور کبھی گھٹنے کے بل کھڑے ہو جاتے تھے یہ بھی عموماً مورخین نے لکھا ہے کہ اسوقت حضرت گھوڑے سے گر پڑے اسوقت ایک کم عمر خوبصورت بچہ

ایک بچہ

حضرتؑ کی طرف دوڑا۔ اگرچہ بیبیوں نے روکنا چاہا مگر نہ رکا۔ اسوقت کوئی بے رحم نامرد حضرتؑ پر تلوار سے حملہ کیا چاہتا تھا کہ یہ بچہ چلایا کہ او جہنم نصیب ابن خبیثہ کیا میرے چچا کو قتل کریگا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ حسینؑ پر پھیلا دیئے۔ تلوار چلی اور دونوں چھوٹی چھوٹی کلائیاں کٹکر حسینؑ پر گریں اور اس بے گناہ کا خون اصول خیر پر چھڑایا گیا۔ ابھی چچا نے گود میں اچھی طرح نہ لیا تھا کہ ایک تیر لگا اور بچہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ بچہ نے زخم کھا کر وا عماہ کی صدا بلند کی تھی اور حضرت فرما رہے تھے کہ اے فرزند صبر کر اس مصیبت پر جو تجھ پر نازل ہوئی ہے۔ بائیں پہلوئے مبارک نیزہ کا زخم لگا تھا جس سے آپ داہنی ران کیطرف گر رہے تھے کہ ساتھ ہی خیمہ سے وا اخاہ وا سیداہ وا اہلبیتاہ کی صدا بلند ہوئی۔ یہ حضرت زینبؑ خاتون کی صدا تھی جو خیمہ سے اپنے محترم بھائی کی حالت ملاحظہ فرما رہی تھیں۔"

آخری وقت

اکثر مورخین یہی کہتے ہیں کہ خولی بن یزید ارادہ قتل سے قریب گیا لیکن ہیبت طاری ہوئی اور ہٹ گیا صاحب کشف الغمہ فرماتے ہیں کہ چالیس آدمی حضرت کو گھیرے تھے۔ درعہ بن شریک شمر حصین بن نمیر۔ ابو ایوب غنوی۔ نصر بن خرشہ۔ صالح بن وہب۔ شیث بن ربعی۔ سنان بن انس وغیرہم تھے۔ "اول کس شیث بن ربعی با شمشیر کشیدہ پیش تاخت سید الشہدا بجانب او نظری افگند شیث بلرزید و شمشیر از کفش بیفتاد و بگریخت۔ سنان بن انس کہ مردے مبروص و کوسج بود از شماتت روئے بشیث کرد و گفت چرا از قتل حسینؑ دست باز داشتی بہ گفت چوں چشم بگشود مرا انتظار بمکرد چشم ہائے رسول خدا را معائنہ کردم

انداّم بلرزید۔ گفت شمشیر بمن دہ کہ برائے قتل او من شائستہ تر از توام۔ تیغ بگرفت و قصد سید الشہدا کرد چوں نزدیک شد رعبے عظیم اورا گرفت و ترسید چنانکہ شمشیر از دست او بیفتاد و بگریخت۔ شمر او را سرزنش کرد و گفت چہ ترسندہ مردم کہ شما بودہ اید ہیچکس سزاوار تر از من نیست در قتل او۔ و شمشیر بگرفت و بر سینہ سید الشہدا بنشست۔ آں حضرت چشم بگشود و بر او نظر افگند۔ شمر گفت من از آں مردم نیستم کہ از قتل تو باز گردم سید الشہدا فرمود تو کیستی گفت من شمر بن ذی الجوشن۔ گفت مرا می شناسی گفت نیکو می شناسم تو حسین پسر علی و مادرت فاطمہ و جدت محمد ست۔ آں حضرت فرمود وائے بر تو باایں شناس کہ ترا ہست چگونہ مرا می کشی۔ گفت تا یزید مرا بعطا و جائزہ گرامی بدارد۔ پس حضرت را در روئے درانداخت و بادوازدہ ضرب سر مبارک آں حضرت را از قفا برید!!

اس مورخ نے ابو مخنف کا خلاصہ ترجمہ کیا ہے۔ اسمیں و نیز ابو اسحٰق اسفرائینی میں اسقدر زیادہ ہے کہ حضرت نے کہا کہ تجھے میرے نانا کی شفاعت زیادہ محبوب ہے یا یزید کا انعام اور اس نے کہا کہ مجھے تمہارے باپ اور نانا کی شفاعت سے یزید کی ایک دمڑی زیادہ پسند ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر تو مجھے قتل ہی کریگا تو مجھے تھوڑا سا پانی دے۔ اسنے کہا کہ پانی تو نہ پیوگے لیکن موت ایک ایک گھونٹ پیوگے۔ اے ابن ابی تراب کیا تمہارا گمان نہیں ہے کہ تمہارے باپ حوض کوثر سے اپنے دوستوں کو سیراب کرینگے۔ اتنا صبر کرو کہ تمہارے باپ تمہیں پانی پلائیں۔ آپ نے فرمایا ذرا اپنے مونھ سے دہان بند ہٹا دے کہ میں تیری صورت دیکھوں۔ پس اسنے ہٹا دیا اور وہ کوڑھی (مبروص) تھا۔ بھینگا تھا۔ اسکا دہانا کتے کی طرح تھا اور سور کے ایسے بال تھے۔ دیکھا تو فرمایا کہ میرے نانا رسول نے سچ فرمایا تھا۔ شمر نے کہا کہ تمہارے نانا رسول اللہ نے کیا کہا تھا۔ فرمایا میرے باپ علیؑ سے کہا تھا کہ اے علیؑ تمہارے فرزند کو وہ قتل کرے گا جو مبروص اور بھینگا ہوگا۔ اسکا مونھ کتے کا ایسا اور بال سور کے مانند ہونگے۔ شمر نے کہا کہ تمہارے نانا نے مجھے کتے سے تشبیہ دی ہے میں اسکے عوض میں تمہیں پس پشت سے قتل کرونگا!!

صاحب روضۃ الشہدا لکھتا ہے کہ امام اسمٰعیل بخاری نے لکھا ہے کہ جسوقت حضرت

زمین پر تشریف رکھتے تھے کوئی شخص آیا اور اُسے قتل کا ارادہ کیا حضرت نے اُسکی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تو میرا قاتل نہیں ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ تو مبتلائے عذاب ہو۔ وہ شخص روتا ہوا اور یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ یا ابن رسول اللہ اس حال میں بھی آپکو ہمارا غم ہے۔ اب یہ اسی تلوار کو جو اُسنے قتل حسینؑ کیلئے کھینچی تھی گھماتا ہوا عمر سعد کیطرف دوڑا عمر سعد نے پوچھا کہ کیا تو نے حسینؑ کا کام تمام کر دیا۔ کہا نہیں اسلئے آرہا ہوں کہ تیرا کام تمام کر دوں۔ یہ کہکر حملہ کیا۔ لوگ بیچ میں آگئے۔ اور اُسے زخمی کرنے لگے۔ اُسنے آواز دی کہ یا ابن رسول اللہ مجھے آپکی دوستی میں قتل کر رہے ہیں بروز قیامت مجھے اپنے شہدا میں شمار کیجئے گا۔ حضرت نے جواب دیا اور تسکین دلائی۔

(روضۃ الشہدا) آخری سجدہ

بعض کے نزدیک جب قاتل حضرت کے قریب پہنچا اور حضرت نے آنکھیں کھولیں دریافت فرمایا کہ کونسا وقت ہے اور جب معلوم ہوا کہ نماز کا وقت ہے تو حضرت نے اسقدر صبر کرنے کو کہا کہ نماز پڑھ لیں۔ لیکن ابھی سجدہ ختم نہیں ہوا تھا کہ نماز سکھانے والے کے فرزند کا وہ گلا کٹ گیا جس سے ابھی نماز کے الفاظ تمام نہ ہوئے تھے۔

باب یازدھم

بعد شہادت (اہلبیتؑ کوفہ میں)

لشکر نے تکبیر کہی

حضرت کا سر مبارک جسم اقدس سے علحدہ کرنیکے بعد ایک طویل نیزہ پر بلند کیا گیا اور بقول ابی مخنف فکبّر العسکر ثلث تکبیرات (اور لشکر نے تین مرتبہ تکبیر کہی)

تکبیر اور اشعار

ان تکبیروں کو سنکر کسی نے کہا ہے

ویکبّرون اذ قتلت وانّما قتلوبک التکبیر والتہلیل

(انکو قتل کرکے تکبیر کہہ رہے ہیں حقیقۃً آپکو قتل کر کے اُنھوں نے تکبیر اور تہلیل کو قتل کر ڈالا)
(یہ شعر دیک الجن شاعر سے منسوب ہے)

مورخین وقتی تغیر فطرت کا ذکر کرتے ہیں

عموماً مورخین مثل علامہ جلال الدین سیوطی (تاریخ الخلفا) ابو اسحق اسفرائنی (نور العین فی مشہد الحسین)

کامل بن اثیر
اعثم کوفی

ابی مخنف۔ روضتہ الصفا۔ وغیرہ وغیرہ اسکا تذکرہ کرتے ہیں کہ شہادت حسینؑ کے بعد ایک سخت طوفان آیا جو سرخی مائل تھا اور ہر طرف تاریکی سی چھا گئی۔ اور اکثر لوگوں نے یہ گمان کیا کہ خدا نے اپنا غضب نازل کیا۔ یہ طوفان تھوڑی دیر تک قائم رہا۔ بعض نے اس سے زیادہ تغیرات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

عمر سعد کو مبارکباد اور مقتول کا بیان

ابو اسحٰق اسفرائنی کہتے ہیں کہ ہلال بن نافع کہتا ہے کہ میں عمر بن سعد کے پاس کھڑا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے پکار کر کہا " اے امیر مبارک ہو حسینؑ قتل ہو گیا " بخدا میں نے کوئی مقتول اسقدر خون آلودہ نہیں دیکھا۔ پھر بھی اسکے چہرہ کا نور۔ اُسکا جمال اور اسکی ہیبت مجھے اس کے حادثہ قتل پر غور نہیں کرنے دیتی تھی۔ پھر انکے زخموں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ تلوار، دو۔ نیزہ ۳۳ اور تیر و نکے اکیس ۱۲۰ بیس زخم کھائے تھے۔

قتل حسینؑ کا شور اور سوید بن مطاع کی دوبارہ شہادت (کامل بن اثیر)

لشکر فتح کی خوشیوں میں شور کر رہا تھا کہ سوید بن مطاع نے جو رفقائے حضرت میں سے تھے جنگ کر کے لوگوں کی دانست میں شہید ہو چکے تھے مگر حقیقۃً حالت غش میں تھے اور زخموں سے چور تھے۔ قتل الحسینؑ کی آواز سُنی۔ یہ اُچھل پڑے۔ انکے پاس ایک چھری تھی اسے لیکر کھڑے ہو گئے ایک ساعت تک جنگ کی اور دوبارہ شہید ہوئے۔

(ابی مخنف۔ اعثم کوفی۔ نور العین) حسینؑ کا گھوڑا

جب گرد و غبار فرو ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ امام حسینؑ رضی اللہ عنہا کا گھوڑا ہنہناتا اور مقتولین کی لاشوں کو روندتا ایک ایک مقتول کو دیکھتا پھرتا تھا۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کے جسم کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ تو دیکھا کہ سر نہیں ہے۔ وہ اس جسم کے گرد چکر لگانے لگا اور اُسکے خون میں اپنی پیشانی ملنے لگا۔ جب عمر سعد نے یہ حال دیکھا تو لوگوں کو کہا اُسے ادھر لاؤ۔ لوگوں نے اُسے پکڑنا چاہا۔ یہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم کے گھوڑوں میں سے تھا اور صحیح یہ ہے کہ اسکا نام میمون تھا۔ جب میمون نے لوگوں کو اپنے پیچھے دیکھا تو اُسنے دولتیاں جھاڑنا اور مُنہ سے کاٹنا شروع کیا۔ یہانتک کہ چھبیس سوار مار گرائے اور دو گھوڑے ہلاک کر دیئے۔ عمر بن سعد نے پکار کر کہا اسکو جانے دو۔ چھوڑ دو دیکھیں کیا کرتا ہے۔ لوگ پیچھے ہٹ گئے تو میمون پھر جسم کے پاس آیا اور اپنا ماتھا زمین پر ملنے اور لاش کو چومنے لگا۔ اور اس زور سے ہنہناتا تھا کہ تمام جنگل گونج اٹھا۔ پھر حرم کے خیمہ کیطرف گیا

جب مستورات نے اسکی آواز سنی تو زینبؑ نے سکینہؑ سے کہا پانی آگیا چلو بیبیں مستورات باہر نکلیں تو زین خالی پایا۔ اور گھوڑے کے بار بار دردناک آواز کیساتھ ہنہنانے سے معلوم ہوگیا کہ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ تو پھر سب نے رونا چلانا شروع کیا۔ سکینہ نے میمون سے مخاطب ہوکر یہ اشعار پڑھے:۔

حضرت سکینہؑ کی اشعار

فویلك یا میمون فارجع بسرعة — واخبر عن السبط الشریف هدی العلا

وائے ہو تجھ پر اے میمون۔ جلدی جا اور سبط شریف اور بلند مرتبہ ہادی کی خبر لا۔

واین ترکت السبط میمون قل لنا — واین الذی قد کان للحطب حاملا

اے میمون ہمیں بتا کہ تو نے سبط رسولؐ کو کہاں چھوڑا ہو وہ کہاں ہے جو مصیبت پر داشت کر رہا تھا

امیمون تغدر بالحسین ومالنا — کفیل للحمل الثقیل تحملا

اے میمون تو نے حسینؑ سے بیوفائی کی — اب ہمارا کفیل کون ہوگا در انحالیکہ ہم میں بھاری بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں

امیمون ضیعت الحسین وجئتنا — تحمحم فی خیامنا ثم تصهلا

اے میمون تو نے حسینؑ کو کھو دیا اور اب ہنہناتا اور چیخیا ہوا ہمارے خیمہ کی طرف آیا ہے۔

امیمون القیت الحسین حمامه — وبین الاعادی فی دماء تجندلا

اے میمون تو نے حسینؑ کو موت کا پیالا پلا دیا — اور وہ دشمنوں میں خون میں لتھڑے پڑے ہیں۔

امیمون فارجع لا تطیل خطابنا — فما عدت ترجو ودنا و توسلا

اے میمون واپس جا اور کلام کو طول نہ دے — اور اب ہم سے محبت کی امید نہ رکھنا

اخی من تری من بعد فقدك یا اخی — یدافع عنا من یصول من الملا

اے بھائی تیرے کھو جانیکے بعد اب کون ہے — جو حملہ کرنے والے دشمنوں کو ہم سے دور کرے

اخی من نراه حامیا وناصرا — لقد هد هذا الیوم عزمی وعطلا

اے بھائی اب ہم کسے اپنا حامی و مددگار پائینگے — آج کے دن میرا عزم ٹوٹ گیا اور بیکار ہوگیا

حضرت فاطمہ بنت الحسین کے اشعار

اسکے بعد اس مورخ کے موافق فاطمہ بنت الحسین اور ابو مخنف کے موافق سکینہ بنت الحسین نے یہ مرثیہ کہا:۔

مات الفخار ومات الجود والکرم — واغبر الارض والآفاق والحرم

آج نجدہ۔ جود اور کرم مرگیا ÷ ÷ ÷ اور زمین۔ دنیا اور حرم پر غبار چھا گیا

غاب الحسین فوالھفی لغیبتہ وصار یعلو علینا بعدہ الظلم

حسینؑ غائب ہوگئے افسوس ہے اُنکی غیبت پر اور اُنکے بعد ظلم نے ہمپر غلبہ پالیا۔

یا قوم ھل من فداء یا قوم ھل عوض نفدیہ واللّٰہ ھذا الناس والھمم

اے قوم کیا فدیہ اور عوض ممکن ہے ÷ تو بخدا یہ قومیں اور لوگ اُن پر فدا ہوں

دختر امامؑ کے بعد حضرت ام کلثومؑ نے فرمایا۔

حضرت ام کلثومؑ کے اشعار

مصیبتی فوق ان ادے باشعاری وان یحیط بھا علمی وافکاری

میری مصیبتیں اس سے بلند ہیں کہ میرے اشعار اُنھیں ادا کرسکیں۔ یا میرا علم اور فکر اُسکا احاطہ کرے

حضرت زینبؑ خاتون نے فرمایا

حضرت زینبؑ کے اشعار

لقد حطّ فینا من زمان نوائبہ وفرقنا انیابہ ومخالبہ

ایک زمانہ سے ہمیں زمانہ کی مصیبتوں نے گھیر لیا ہے اور اُسکی کچلیوں اور ناخونوں نے ہمکو متفرق کردیا ہے

وجار علینا الدھر فی ارض غربتہ ودبت علینا بالرزایا عقاربہ

پردیس میں ہمپر زمانہ نے ظلم کیا ÷ ÷ ÷ اور اُسکے بچھو ہمپر مصیبتیں لیئے چلے آتے ہیں

ارادوا اخی بالقتل عمدا وخیبتہ وما خلفوہ ذالاسی ونوائبہ

اُنہوں نے دیدہ و دانستہ میرے بھائی کے قتل کا ارادہ کیا۔ اور اُسکے بعد جو کچھ چھوڑا وہ بھی غم و مصائب ہیں

حسینؑ لقد امسی قتیلا مجدلا واظلم من دین الالٰہ مذاھبہ

آج حسینؑ مقتول ہوکر زمین پر گرا پڑا ہے اور اللہ کے دین کی راہیں تاریک ہوگئیں

فلم یبق لی ساکن الوذ بظلہ ومن ذا یعانی الدھر من ذا یغالبہ

اب میرے لیئے کوئی سہارا نہیں ہے جسکے سایہ میں پناہ لوں۔ کون ہے جو زمانہ کا مقابلہ کرے اور اُسپر غالب آئے

داسفرائینی کے نزدیک کوفہ جانیکے وقت لاش حسینؑ پر یہ مرثیہ کہا ہے

اہلبیت کی حالت (ابو مخنف)

اہلبیتؑ نے جسوقت یہ تمام اشعار سُنے اور گھوڑے کا زین خالی پایا اپنے رخساروں پر طمانچے مارے اور وامحمداہ ۔ واعلیاہ ۔ واحسناہ۔ اور واحسیناہ کی آوازیں بلند کیں اور کہا الیوم مات علی المرتضےٰ الیوم مات فاطمۃ الزھرا لا آج علی مرتضیٰ نے رحلت کی

خیمہ سے واپس ہونیکے بعد گھوڑے کے حرکات

اور آج فاطمہؑ زہرا نے انتقال فرمایا) عبد اللہ بن قیس کہتا ہے کہ میںنے دیکھا گھوڑا حرم کے پاس سے واپس گیا اور مخالفین پر حملہ آور ہوا یہانتک کہ جسم شریف کے پاس پہنچا تو اسکے قدموں پر اپنا ماتھا ملنے لگا اور ساتھ ہی ہنہناتا جاتا تھا پھر دریائے فرات پر گیا اور غوطہ لگایا" (یہی راوی کہتا ہے کہ صفین میں حسینؑ نے ابو الاعور سلمی سے گھاٹ چھین لیا تھا اور امیر المومنین علیؑ بن ابیطالبؑ علیہ السلام نے فرمایا ور والذی ھذا یقتل بکربلا عطشانا (میرا یہ بیٹا کربلا میں پیاسا مارا جائیگا) یہ بھی روایت ہے کہ گھوڑے نے اپنی تھوتھنی اور پیشانی اسقدر زمین پر ماری کہ وہیں مرگیا۔

لاش کی لوٹ

قیاس کیا جاسکتا تھا کہ حسینؑ اور اُنکے کریم النفس رفقا کے تمام ہوجانیکے بعد جسقدر عداوتیں کہ اُنکے ساتھ ہوں تمام ہوجائینگی لیکن اگر ایسا ہی ہوتا تو خاندان رسالت کیساتھ دشمنی کے ذخیرہ کا پورا اندازہ نہ ہوسکتا۔ ابھی حسینؑ کی لاش اقدس سرد بھی نہ ہوئی تھی کہ عمامہ مبارک۔ زرہ۔ پائجامہ۔ جوتا۔ چادر۔ کپڑے۔ تلوار زرہ لوٹ لیگئی۔ اور خبریں تو یہانتک ہیں کہ ایک ذلیل شخص انگوٹھی اُتار رہا تھا اور جب اُتارنے میں تردد ہوا تو اُسنے تلوار کے ایک ٹکڑے سے اُنگلی کاٹ ڈالی۔ اور بہی بقول ابن خلدون

خیمہ کی لوٹ اور آتشزدگی

"آپ کے شہید ہونیکے بعد دشمنوں کا لشکر مال و اسباب لوٹنے کیطرف متوجہ ہوا۔ اونٹ اسباب۔ فرش یہانتک کہ عورتوں کی چادریں لوٹ لیں" بقول اعثم کوفی "وابن عمر مستورات کے خیمونکے پاس آکر کھڑا ہوا اور فوج کو حکم دیا کہ گھوڑوں سے اُترکر خیموں میں گھس جاؤ۔ جو شئے کم یا زیادہ پاؤ سب لوٹ لو۔ لشکر والے خیموں میں گھس گئے اور جو چیز دیکھی اُٹھالی۔ شمر نے علیؑ بن الحسینؑ کے خیمہ میں جاکر دیکھا کہ وہ بستر بیماری پر پڑے

علی بن الحسینؑ کا بستر بیماری اور شمر

ہیں تلوار کھینچکر چاہا کہ انھیں بھی قتل کردے حمید بن مسلم نے کہا سبحان اللہ اس بیمار کے قتل سے تو باز آ یہ تو بیمار ہے۔ شمر نے کہا عبید اللہ بن زیاد کا یہی حکم ہے۔ مسلم نے کہا تجھپر افسوس ہے محمد مصطفےٰ کو کیا جواب دیگا۔ آخر تو کیا یہ نہیں جانتا کہ یہ پیغمبر کے اہلبیتؑ ہیں شمر ان باتوں سے شرمندہ ہوکر پلٹ گیا۔ علیؑ بن الحسینؑ کے قتل سے باز آیا۔ پھر حکم دیا کہ رسول خدا کے اہلبیتؑ کے خیمونکو آگ لگادو۔ لوگوں نے آگ لگاکر خاندان نبوتؑ کو برباد کردیا

ابو مخنف کہتا ہے کہ جسوقت عورتیں رو رہی تھیں ابن سعد آیا اور بلند آواز سے پکارا کہ وائے تم پر ان خیموں میں جاؤ۔ جو چیزیں ہوں لے لو۔ اور ان خیمونکو اور جو کچھ اسمیں ہو آگ لگا دو۔ اُنہیں سے کسی نے کہا ذلیل ہو تجھپر اے ابن سعد کیا تیرے لئے حسینؑ اُنکے اہلبیتؑ اور اصحاب کا قتل کافی نہیں ہوا کہ اُنکے بچوں اور عورتوں کو بھی جلا دینے کا حکم دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ دنیا سے اُنکا نام مٹ جائے۔ اسکے بعد لشکر لوٹ کیلئے داخل ہوا۔ حضرت زینبؑ فرماتی ہیں کہ اُسوقت ایک ازرق چشم خیمہ میں داخل ہوا اور خیمہ کی چیزیں لوٹنے لگا۔ اُسنے علی بن الحسینؑ کیطرف دیکھا جو کھال پر بیماری کی حالت میں پڑے تھے اُسنے وہ کھال کھینچ لی اور علی بن الحسینؑ زمین پر آگئے۔ اب وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔ میری چادر چھین لی۔ پھر میرے کانوں میں اُسنے گوشوارہ دیکھا اور دانتوں سے کاٹ کر نکال لیا جس سے میرا کان کٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ پھر اُسنے فاطمہؑ کے پاؤں میں کڑے دیکھے تو انکو نکالنے لگا اور توڑ کر نکال لیا۔ فاطمہؑ بولی تو ہماری چیزیں چھین رہا ہے اور روتا بھی ہے (ابی مخنف) اُسنے کہا کہ اے اہلبیتؑ میں تمہاری مصیبت دیکھکر روتا ہوں۔"

حضرت زینبؑ سے ایک روایت

"حمید بن مسلم کہتا ہے کہ مینے قبیلہ بکر بن وائل کی قوم سے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے شوہر کے ساتھ لشکر عمر بن سعد میں تھی جب اُسنے دیکھا کہ فوج لوٹ پڑی ہے اور حسینؑ کے خیموں اور عورتوں کو لوٹ رہی ہے تو اُسنے ایک تلوار لی۔ پھر حضرت کے خیمہ کا رُخ کیا۔ اور پکاری کہ اے آل بکر بن وائل کیا تم رسولخداؐ کی لڑکیوں کے کپڑے لوٹتے ہو خدا سے ڈرو۔ اُسوقت اُسکے شوہر نے اُسکو پکڑ لیا اور لوٹا لیگیا۔"

قبیلہ بکر بن وائل کی ایک عورت

ابن خلدون کہتا ہے "بعد اسکے عمر بن سعد کے حکم سے دس سواروں نے آپکے لاشہ کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا۔"

لاشونکی پامالی

ابی مخنف اور کامل کے موافق ابن سعد نے پکارا کہ کون حسینؑ کی لاش روندتا ہے اسپر دس سوار آگے بڑھے اور اُنہوں نے لاشونکو پامال کیا یہانتک کہ پشت اور سینہ چور چور ہوگیا۔ ابن زیاد کے دربار میں ان ملعون سواروں نے اسی مضمون کا رجز پڑھا اور کوئی

پامالی کے بعد لاشونکی حالت

بہ فخر کہتا تھا کہ ہم نے لاش حسینؑ پر گھوڑے دوڑا اس طرح جیسے چکی گیہوں کو پیستی ہے
صاحب لہوف کے موافق ابن زیاد نے انلوگونکو تھوڑا سا انعام دلوایا"

سنان بن انس کے اشعار اور انکا صلہ

کامل ابن اثیر کے موافق سنان بن انس نے عمر بن سعد کے خیمہ کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا

املأ رکابی فضۃ و ذھبا انا قتلت الملک المحجبا
میری رکاب کو سونے اور چاندی سے بھر دے کہ میں نے ایک غیور بادشاہ کو قتل کیا ہے
و من صلّی القبلتین فی الصبیٰ قتلت خیر الناس اماً و ابا
وخیرھم اذ ینسبون النسبا
جسنے لڑکپن میں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور اپنے ماں اور باپ کی طرف سے خیر الناس ہے
اور وہ اپنے نسب میں سب سے بہتر ہے

ابن سعد نے کہا وہ مجنون ہے اُسے میرے پاس لاؤ۔ جب وہ آیا تو اُسے لکڑیاں ماریں اور کہا اے پاگل تو جن الفاظ میں کلام کرتا ہے اگر ابن زیاد سن لیگا تو تیری گردن ماریگا"
بعض کے نزدیک بکیر بن مالک نے یہ اشعار ابن زیاد کے سامنے پڑھے اور ابن زیاد نے غصہ ہو کر اُسکے قتل کرنیکا حکم دیا۔

قتل کرنے پر فخر کرنیوالے

بقول ابی مخنف وجاء خولی و الشمر و السنان الی ابن سعد و معھم راس الحسینؑ یفتخرون بقتلہ (خولی شمر اور سنان ابن سعد کے پاس آئے اور یہ سب قتل حسینؑ پر فخر کر رہے تھے)
دشمن کی بے غیرتی ناخدا ترسی اور خلاف انسانیت حرکتوں کے لحاظ سے اس روایت کے قبول کرنے میں ہمیں کوئی تردد نہیں ہے کہ درشاخ نیزہ اور تازیانوں سے اہلبیتؑ رسالتؐ کا تمام جسم سیاہ ہو رہا تھا"

مردوں میں جو بچ رہے تھے

ابن خلدون کہتا ہے کہ "اس واقعہ میں صرف دو شخص عقبہ بن سمعان آپکی بیوی رباب بنت امرء القیس کلبیہ کے آزاد غلام اور مرقع بن ثمامہ ازدی جانبر ہوئے" علی بن الحسینؑ عمران بن حسینؑ اور حسنؑ مثنیٰ اہلبیتؑ میں باقی رہے۔
اعثم کوفی کہتا ہے "امیر المومنین حسینؑ کو شہید کر کے اور سر مبارک عبید اللہ کے

پاس روانہ کرنیکے بعد وہ ملعون اُس شب کو کربلا میں رہے دوسرے دن کوفہ کیطرف پلٹے اہلبیتؑ رسولخدا کو ہمراہ لیا"

شہدائے کربلا کی لاشیں

ابن خلدون کہتا ہے "عمر بن سعد نے اپنے ہمراہیونکو جمع کرکے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کرکے راہی کوفہ ہوا۔ دوسرے دن بنو اسد غاضریہ سے آئے اور انہوں نے امام حسینؑ اور اُنکے ہمراہیوں کو دفن کیا" امام حسینؑ کا سر مبارک معہ آپکے ہمراہیوں کے خولی بن یزید و حمید بن مسلم ازدی کے ہمراہ ابن زیاد کے پاس روانہ کیا گیا۔ رات ہو گئی تھی۔ قصر امارت کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ مجبور ہو کر خولی سر مبارک لئے ہوئے واپس آیا (بقول کامل سر چھپلے میں رکھدیا اور بی بی سے کہا کہ ایسی چیز لایا ہوں کہ عمر بھر کے لیئے بے پرواہ ہو جاؤ گی اُسکی بی بی نے کہا کہ لوگ سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تو حسینؑ کا سر لایا ہے۔ بخدا اب میں اور تو ایک جگہ جمع نہ ہونگے) صبح ہوتے ہی ابن زیاد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعضونکا یہ خیال ہے کہ شمر و قیس بن الاشعث و عمر بن الحجاج و عروہ بن قیس سر لیکر گئے تھے"

کشف الغمہ میں ہے "بعد از روانگی عمر سعد اہل قریہ غاضریہ اجساد شہدا را دفن کردند"

اہلبیت کی روانگی

یہی مورخ اسکے قبل کہتا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ابن سعد نے سر مبارک کو پہلے ابن زیاد کے پاس بھیجدیا۔ دیگر شہدا کے سر کو قوم پر تقسیم کیا کہ وہ ابن زیاد سے جائزہ طلب کریں اور تقرب حاصل کریں۔ قبیلہ کندہ (قیس بن اشعث کندی) ہوازن (شمر) بنی تمیم۔ بنی اسد۔ بنی مذحج اور کچھ دیگر قبائل پر تقسیم کیئے گئے۔ عاشورہ کے بقیہ دن اور گیارھویں کی دوپہر تک اپنے کشتے دفن کیئے۔ نماز پڑھی۔ اور جسد ہائے شہدا کو یوہیں ترک کر دیا۔ خیمہ میں آگ لگادی۔ کہ بیبیاں باہر نکل آئیں اور مقتل کی طرف دوڑ کر شہدا کی لاشیں گود میں اُٹھالیں اور زار زار رونا شروع کیا۔ ابنؑ سعد نے حکم دیا کہ بیبیوں کو بجبر لاشوں سے دور کرو۔ اسکے بعد انھیں بے مقنعہ مکشوف الوجوہ بے ہودج کے اونٹوں پر سوار کیا۔ سید سجادؑ کے گردن مبارک میں طوق ڈالدیا۔ اور چونکہ بیماری سے بہت ضعیف تھے اُنکے دونوں پاؤں کو اونٹ کے پیٹ میں باندھ دیا کہ گر نہ جائیں۔

کامل ابن اثیر کے موافق حضرت زینبؑ خاتون کے بین پر دوست دشمن سب روتے تھے

(ایضاً مثیر الاحزان)

ابواسحق اسفرائینی کے نزدیک جب حضرت زینبؑ نے سُنا کہ اب ابن زیاد کیطرف جانا ہوگا تو ابن سعد سے کہا کہ حسینؑ کا جسم تو دکھا دے۔ اور مقتل میں پہنچکر بیبیوں نے مرثیے کہے اسکے بعد راوی کہتا ہے کہ زینب سر پر ہاتھ رکھکر کہتی تھیں یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیکھیئے حسینؑ رضی اللہ عنہ آغشتہ و سر بریدہ کربلا میں پڑے ہیں آپکی بیٹیاں قید ہوگئیں .... پھر انھوں نے امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بیٹی فاطمہؑ کا ہاتھ پکڑا جو امام رضی اللہ عنہ کو بڑی پیاری تھی اور اُسکے چہرہ اور بالوں کو اُسکے باپ کے گلے پر ملنا شروع کیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا رو رو کر کہتی ہیں پیارے ابا! میں بلاتی ہوں تم جواب کیوں نہیں دیتے؟

راوی کہتا ہے کہ اسکے بعد ابن سعد نے حکم دیا کہ عورتوں کو جبراً لاش سے ہٹا دیا جائے۔ پھر اُنکو برہنہ سر اور بے حجاب اونٹوں پر سوار کیا گیا جن پر خالی پالان پڑی تھی اور دشمنوں میں اُنکی سواریاں اسطرح جاری تھیں جسطرح رومی کنیزوں کی سواریاں ہوتی ہیں۔

حضرت سجادؑ کی زبانی ایک حالت

ناسخ التواریخ کے موافق حضرت سید سجادؑ فرماتے ہیں کہ باپ اور اعزا کو شہید اور خون میں لتھڑا ہوا۔ اور ماں بہنوں کو اسیر دیکھکر میرا سینہ تنگی کرنے لگا اور قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے کہ پھوپھی زینبؑ نے دیکھا اور فرمایا کہ اے میرے بزرگوں کے یادگار میں تجھے کس حالت میں دیکھ رہی ہوں کیا تیرا ارادہ ہے کہ دنیا سے گذر جائے۔ حضرت سجادؑ نے فرمایا اے پھوپھی کیونکر میری یہ حالت نہ ہو کہ میرے سب اعزّا مارے گئے اور وہ برہنہ تن اور بے کفن پڑے ہیں۔ فرمایا قسم ہے خدا کی کہ تیرے بزرگوں سے اسکا عہد لیا گیا تھا۔

ابن زیاد اور حضرتؑ کا سر مبارک

ابن خلدون کہتا ہے وہ ابن زیاد نے دربار عام کیا شہدائے کربلا کے سر طشتوں میں رکھکر پیش کیئے گئے ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک بید کی چھڑی تھی بار بار دندان امام پر مار رہا تھا۔ زید بن ارقم سے ضبط نہ ہوسکا۔ چلا کر بولے اے ابن زیاد۔ اس چھڑی کو ان دانتوں پر نہ مار۔ خدا کی قسم میں نے بارہا دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لبہائے مبارک ان دانتوں اور لبوں کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ ابن زیاد نے کہا۔ خدا تجھے

ہمیشہ رُلائے۔ اگر تو بڈھا فاتر العقل نہ ہوتا تو ابھی تیری گردن مارنیکا حکم دیتا۔ زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے باہر آئے۔ اے گروہ عرب تملوگ سخت نالائق ہو کہ ابن فاطمہ کو شہید کر کے ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنایا جو اخیار و صلحاء امت کو قتل کر رہا ہے۔ اور شریر فتنہ انگیز ونکو خلعت دیتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ تملوگ ذلت و رسوائی پر راضی ہوگئے۔ لعنت ہو اُنپر جو اس ذلت و رسوائی پر راضی ہوں۔ اسکے دوسرے دن عمر بن سعد اہلبیت امام کو پابزنجیر لئے ہوے آپہونچا جسمیں علی ابن الحسین بھی تھے ۔؛

زید بن ارقم کا ابن زیاد سے خطاب

صاحب صواعق محرقہ زید بن ارقم کے اس خطاب کے بعد اسقدر اور بڑھاتے ہیں کہ اُنھوں نے کہا کہ اے ابن زیاد میں کچھ اور کہتا ہوں جس سے تیرا غصہ بڑھیگا اور وہ یہ ہے کہ مینے رسولخدا کو دیکھا کہ حسنؑ کو داہنے اور حسینؑ کو بائیں زانو پر بٹھائے تھے اور اپنے دست مبارک کو دونوں کے سروں پر رکھکر فرمارہے تھے کہ بارالہا مینے انھیں تجھے اور مومنین صالح کے سپرد کیا تو اے ابن زیاد دیکھ کہ رسولؐ کی ودیعت اور امانت تیرے پاس کسطرح ہے (راسکا راوی ابن ابی دینار ہے) اسکے قبل کی سطروں میں لکھا ہے کہ ''روایت کردہ کہ چوں سر حسینؑ نزد ابن زیاد آورد آنرا در طشتے نہادہ و چوبے در دست داشت دندان مبارک اور اچوب میزد و بغضب میگر دانید اور ادرمیں او دمیگوفت نیکوروئے مثل ایں ندیدہ ام چہ دندان نیکو دار و انس نزد اوحاضر بود او گریہ کرد و گفت حسینؑ شبیہ ترین مردم است برسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم (اسکے بعد ابن دینار سے زید بن ارقم کی روایت ہے)

حسینؑ کا سر اہلبیت کے قافلہ کے ساتھ بھیجا گیا

مورخین نے لکھا ہے کہ جب اہلبیت کا قافلہ کوفہ پہنچا تو ابن زیاد نے حضرتؑ کا سر مبارک بھیجدیا کہ اس قافلہ کے ساتھ لائے۔

صاحب کشف الغمہ کے موافق ابن زیاد نے دس ہزار سپاہیوں کو شہر کی محافظت کیلئے مقرر کیا تھا کہ مبادا شیعیان علیؑ جوش میں نہ آئیں اور حکم دیا تھا کہ کوئی شخص ہتھیار لیکر نہ نکلے۔

صاحب نور العین کہتے ہیں کہ مسلم معمار کہتا ہے کہ میں اُس روز ابن زیاد کے گھر گچ کا کام لیئے بلایا گیا تھا میں اپنے کام میں مشغول تھا کہ اس اثنا میں کوفہ کے اکثر جانب سے شور و غوغا

سنا جی دیکھا میں نے ایک خادم سے پوچھا کیا ہے؟ اُسنے کہا ایک باغی کا سر آرہا ہے۔ میں نے پوچھا اُسکا نام کیا ہے وہ بولا حسینؑ۔ میں یہ سنتے ہی اُس سے پرے ہٹ گیا اور ہاتھ اور مونھ اور پاؤں دھوکر عمامہ اور کپڑے پہن کر محل سے نکلا تو میری نگاہ سر پر پڑی اور میں زار و قطار رونے لگا۔ اہل کوفہ کو میں نے دیکھا کہ عید منا رہے تھے اور اچھے اچھے لباس زیب تن کئے تھے۔ امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کے سر کے منتظر تھے اتنے میں اونٹوں کی قطاریں شہر میں داخل ہوئیں۔ جن پر امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کے حرم سوار تھے۔ زین العابدینؑ ایک اونٹ پر سوار تھے۔ ابھی وہ کمزور بچہ تھے۔ انلوگوں کی رانیں خون آلود ہو رہی تھیں۔ جب امام زین العابدینؑ نے اہل کوفہ کو امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کے سر کا منتظر پایا تو بہت روئے"

"راوی کہتا ہے کہ اُسوقت کوفہ والے اہلبیتؑ کے بچوں کو روٹیاں دینے لگے تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے چلاّ کر کہا اے اہل کوفہ پتھروں کے لائق ہے اُس شخص کا سر جو ہمکو صدقہ دے۔ پھر انھوں نے انلوگوں کی دی ہوئی روٹیاں لیکر اُنھیں کی طرف پھینکدیں۔ اُسوقت انکو دیکھکر لوگ زار و قطار روتے تھے اور شور و شیون سے حشر برپا تھا۔

ام کلثوم نے انکو دیکھکر کہا ہماری طرف کوئی نہ دیکھے۔ جو پردہ نشین عورتیں محلات سے اس دردناک سین کو دیکھ رہی تھیں وہ اس بات کو سُنکر بے تابانہ رونے لگیں۔ ام کلثوم نے کہا اے کمبختو تمہارے مرد تو ہمکو قتل کرتے ہیں تم ہمارے حق میں رو رہی ہو۔ واللہ دنیا میں ہمکو اسلئے فتح حاصل نہیں ہوئی کہ آخرت کی نعمتیں ہمکو میسر ہوں۔ کمبخت تملوگ جانتے ہو کہ کن لوگوں کے خون تمنے بہائے ہیں اور کن لوگوں کو تمنے تہ تیغ کیا ہے"

اسیران آل محمدؐ

صاحب لہوف فرماتے ہیں "راوی کہتا ہے کہ ایک عورت کوفہ اپنے کوٹھے سے جھانکی اور پوچھا کہ تم کون ہو کیسے قیدی ہو تو اُن اسیروں نے جواب دیا کہ ہم قیدی آل محمدؐ ہیں۔ اُس گھڑی وہ عورت اپنے چھت سے اُتری اور اُن بیچاریوں کیلئے چادریں پائجامے۔ ردائیں اور مقنعوں کو جمع کئے اور لاکر دیا اُسوقت اُن اسیروں نے اُسے لیکر پہنا (ایضاً مثیر الاحزان)

ابی مخنف کہتا ہے کہ ابو جدیلہ اسدی سے روایت ہے کہ زمانہ قتل حسینؑ میں میں کوفہ میں تھا

ہنے کوفہ کی عورتونکو چاک گریبان بال پریشان دیکھا جنکے رخساروں پر طمانچوں کے نشان تھے۔ میں ایک بوڑھے کے پاس گیا اور پوچھا کہ یہ شور و غل اور گریہ وزاری کس بات کی ہے اُسنے کہا کہ یہ حسینؑ کے سر کی آمد کیوجہ سے ہے۔ اتنے میں لشکر پہنچا اور اُسکے ساتھ کچھ اسرا بھی تھے۔ پس مینے ایک کنیز کو دیکھا جو بغیر محمل کے اونٹ پر بیٹھی تھی۔ پس مینے اُس سے حال پوچھا اُسنے کہا یہ ام کلثومؑ حسینؑ کی بہن ہیں مینے اُنسے کہا کہ اپنا حادثہ بیان فرمایئے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ تو کون شخص ہے۔ مینے کہا میں بصرہ کا ایک آدمی ہوں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ ہملوگ خیمہ میں تھے کہ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سُنی جب ہم باہر نکلے تو دیکھا کہ گھوڑا خالی ہے اُسوقت ہملوگ رونے لگے اور ہمارے ساتھ اور عورتیں بھی رونے لگیں اُسوقت ہمنے کسی کو ایک مرثیہ پڑھتے سُنا لیکن دیکھا نہیں۔ اسکے بعد ایک بے محمل کے اونٹ پر علیؑ بن الحسینؑ دکھائی دیے جنکی ران خون آلود تھی اور رو رہے تھے۔

امام زین العابدین کے اشعار

یسیرونا علی الاقتاب عاریۃ کانّا لم نشید فیکم دینا

تملوگ ہمیں برہنہ پالانوں پر اس طرح سے لئے جاتے ہو کہ گویا ہمنے تمہارے لئے کسی دین کو مستحکم ہی نہیں کیا تھا

(اور شعر) تم ہمارے مصائب پر خوشی سے تالیاں بجا رہے ہو۔ ویل ہو تمپر کیا رسولؐ اللہ ہمارے جد نہ تھے ؟

حضرت ام کلثومؑ نے جسوقت اپنے بھائی کا سر دیکھا تو گریبان چاک کیا اور فرمایا:۔

حضرت ام کلثومؑ کے اشعار

ماذا تقولون اذ قال النبیؐ لکم ماذا فعلتم وانتم اخر الامم

تملوگ کیا کہو گے جب نبیؐ تمسے پوچھیں گے کہ تم تو آخر الامم تھے تمنے کیا کیا

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

میرے اہل اور عترت کے ساتھ بعد میرے وہ قیدی بنائے گئے ہیں اور اُنسے خون سے لٹکرا کر

ماکان ھذا جزائی اذ نصحت لکم ان تخلفونی بسوءٍ فی ذوی رحمی

کیا میری نصیحتونکا یہی بدلہ ہے کہ تم میرے اہلبیتؑ سے اسطرح مخالفت کرو

اہلبیتؑ پر صدقہ حرام ہے

اس مورخ کے موافق بھی جب اہل کوفہ نے بچونکو خرمے دینے چاہے تو حضرت ام کلثومؑ نے چلا کر فرمایا "یا اھل الکوفۃ الصدقۃ علینا حرام (اے اہل کوفہ صدقہ ہملوگونپر حرام ہے

اور یہ فرما کر اُسے زمین کی طرف پھینکدیا!!

ایک راوی اور اہلبیتؑ کا کوفہ میں داخلہ

سہیل شہرزوری کہتا ہے کہ میں اس زمانہ میں حج سے کوفہ آیا میں نے دیکھا کہ بازار میں سوئی پڑی ہیں اور دکانوں میں قفل دیئے ہیں اور لوگ کچھ رو رہے ہیں اور کچھ ہنس رہے ہیں۔ میں ایک شخص کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ کچھ لوگ روتے ہیں اور کچھ لوگ ہنستے ہیں۔ اگر تو جانتا ہو تو مطلع کر۔ یہ سنکر وہ شخص زور سے رونیلگا اور کہنے لگا اے شیخ کوئی عید تو نہیں ہے لیکن رونا وہ دو لشکروں کی وجہ سے ہے جس میں ایک فتحیاب ہوا اور دوسرا مقتول ہوا۔ مینے کہا وہ کونسے دو لشکر تھے۔ اُسنے کہا حسینؑ کا لشکر برباد اور ابن زیاد کا لشکر فتحیاب ہوا۔ یہ کہکر رویا اور اشعار پڑھے۔

اسکے بعد طبل بجنے لگے اور فوجی نشان ظاہر ہوئے اور لشکر کوفہ میں داخل ہوا۔ اسوقت بڑا شور و غل ہوا۔ اور حسینؑ کا سر دکھائی دیا جس سے نور ساطع تھا۔ یہ دیکھکر مجھپر عبرت طاری ہوئی اسکے بعد قیدی دکھائی دیے جنکے بعد علی ابن الحسینؑ تھے۔ اُنکے بعد حضرت ام کلثوم تھیں اور وہ آواز دے رہی تھیں کہ اے اہل کوفہ ہماری طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لو کیا تمہیں خدا اور اُنکے رسولؐ کا خوف نہیں ہے۔ کہ تم رسول اللہؐ کے حرم کیطرف نگاہ اُٹھاؤ۔

صاحب رسالہ "غم حسینؑ" فرماتے ہیں:۔

"جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں ابی اسحاق اور اُنہوں نے خزیمۃ الاسدی سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم لوگ کوفہ میں (جبکہ علی ابن حسین بن علیؑ (امام زین العابدینؑ) رضی اللہ عنہم کا قافلہ کربلا سے ابن زیاد کے پاس چلا آتا تھا) داخل ہوئے مینے نساء کوفہ کو دیکھا کہ چاک گریبان، مغموم، ستم رسیدہ قافلہ کے استقبال کیلئے کھڑی ہیں۔ اور تمام کوفی موجود ہیں، امام زین العابدین علیہ السلام نے جو شدت مرض سے بالکل نحیف اور بہت ہی لاغر ہو رہے تھے دھیمی آواز سے فرمایا یا اھل الکوفۃ انکم تبکون علینا فمن قتلنا غیرکم (ترجمہ) اے اہل کوفہ! تم لوگ ہمکو روتے ہو؟ تمہارے سوا کسنے ہملوگوں کو قتل کیا!!

حضرت زینبؑ کے خطبہ کے متعلق ایک راوی

"اور مینے زینبؑ بنت علی کرم اللہ وجہ الشریف کو دیکھا اور واللہ مینے اُنسے بڑھکر کسی پردہ نشین عورت کو ایسا فصیح و بلیغ بولنے والی نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ امیر المومنینؑ کی

زبان اِن کے مُنھ میں ہے۔ آپ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ چپ رہو۔ چپ رہو۔ سبحان اللہ کیا ارشاد تھا کہ ہر طرف سکوت طاری ہو گیا۔ گویا سانس تک بند ہو گئی اور اونٹوں کے گھنٹے وغیرہ بجنا سب موقوف ہو گئے۔ آپ نے حمد و نعت کے بعد فرمایا (خطبہ)......

وہ راوی کہتے ہیں کہ پھر قافلہ آگے بڑھا اور لوگ حیرت زدہ اور تعجب سے منھ پر ہاتھ رکھے تھے۔ اور میں نے ایک بڈھے آدمی کو دیکھا کہ حضرت زینبؑ کے قریب ہی کھڑے تھے اور اسقدر روتے تھے کہ اُنکی داڑھی تر ہو گئی تھی پھر اُنھوں نے حضرت زینبؑ سے یہ کہا کھولکم خیر الکھول وشبابکم خیر الشباب ونسلکم لا یبور ولا یخزی ابداً غالباً یہ بزرگ زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ ہونگے جو امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ رضی اللہ عنہ کے یاران با اختصاص سے تھے"

حضرت زینبؑ خاتون کا خطبہ نہ صرف صاحب غم حسینؑ نے نقل فرمایا ہے۔ بلکہ وہ یادگار خطبہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ۔ صاحب لہوف۔ صاحب مثیر الاحزان اور ناسخ التواریخ نے بھی نقل کیا ہے۔ ابو اسحٰق نے اختصار کیا ہے۔ اور اس آخر الذکر مورخ نے حضرت زینبؑ کے متعلق بشیر اسدی سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کی بیٹی زینبؑ کو دیکھا۔ وہ بالکل اپنے باپ کے مشابہ تھیں میں نے دیکھا کہ اُنھوں نے لوگوں کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ لوگ خاموش ہو گئے تو اُنھوں نے کہا...... "

لہوف۔ بحار اور ناسخ التواریخ میں حضرت زینبؑ کے خطبہ کے بعد حضرت فاطمہ صغرا۔ حضرت ام کلثومؑ اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا خطبہ بھی لکھا ہے۔ صاحب لہوف کی اصل عبارت یہ ہے "وروی زید بن موسیٰ قال حدثنی ابی۔ عن جدی قال خطبت فاطمۃ الصغریٰ بعد ان وردت من کربلا" اسکا ترجمہ کیا گیا ہے کہ "زید بن موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں کہ مجھسے میرے باپ نے اور اُنسے میرے دادا نے روایت کی ہے کہ کربلا سے لوٹ کر کے جناب فاطمۂ صغرا نے یہ خطبہ پڑھا" بحار کا ترجمہ ہے کہ "حضرت فاطمۂ صغرا نے بعد مراجعت کربلا سے...." "وہ کربلا سے لوٹ کر" یا "بعد مراجعت کربلا سے" یا "بعد وردت من کربلا" کا مفہوم سمجھنے سے میں اپنے کو قاصر پا رہا ہوں۔ اگر اسکا مطلب ہے کہ جسوقت

کربلا سے کوچ ہوا تھا اُسوقت سے اُسوقت تک جبکہ کوفہ پہونچے تو اسمیں ایک دشواری یہ ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ صغریٰ کے خطبہ کا موقع اور مخاطب "اہل کوفہ" معلوم ہوتے ہیں نہ کہ وہ کوئی جو لشکر ابن زیاد کے ساتھ تھے اور اگر اسکا منشاء یہ ہے کہ کوفہ کی لوگوں کو کوفہ میں مخاطبہ تھا تو "بعد وردت من کربلا" کے لکھنے اور کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی وہ تو حضرت زینبؑ کے خطبہ کے سلسلہ میں تھا ہی جو کوفہ میں ہوا۔ اُسکے لیئے ابن نما علیہ الرحمہ کا طرز بیان مناسب ہوتا کہ حضرت زینبؑ کے خطبہ کے بعد فرماتے ہیں "وخطبت فاطمۃ الصغریٰ فقالت......" اس سے بعد ورود کربلا کا ابہام باقی نہیں رہتا اور کم سے ایک شبہ صاف ہو جاتا ہے۔ بہرحال میں اسے اس یقین کے ساتھ نہیں لکھ رہا ہوں کہ مجھے اُسکے موقع اور شخص کا یقین ہے بلکہ اسلیئے کہ خطبہ کے واقعات وہ ہیں جو کبھی کسی نے ظاہر کیے ہوں اور وہ واقعات قابل انکار نہیں ہیں۔ اس خطبہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ سب میں زیادہ طویل ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک کم سی صاحبزادی نے کہا ہے۔ جنکے اقتضای سن کی بنا پر خطبہ کے مذکورہ واقعات کا لحن اور ترتیب قابل لحاظ ہو سکتا ہے۔

میں اسکو اسی سلسلہ میں اسلیئے لکھتا ہوں کہ مجھے اس موقع کے متعلق نہ کہے جانیکا یقین بھی نہ کرنا چاہیئے اس اقرار اور شبہ کی درمیانی حالت کے لحاظ سے محض شبہ اسکا متقضی نہیں ہے کہ میں اسے درج نہ کروں اور یہ بھی کہدوں کہ مختلف مورخین کی الفاظ میں بجز چند فقرات یا بعض الفاظ کے کمی بیشی کے کوئی اختلاف نہیں ہے یہ خطبات میں لہوف سے نوٹ کرتا ہوں۔ جناب زینبؑ علیا مقام نے فرمایا:۔

حضرت زینبؑ کا خطبہ اور اثر

"بہترین حمد وثنا خدا اے قادر کیلئے ہے اور بہت سے بہتر درود وسلام محمد رسول اللہ اور اُنکی آل پاک اور بزرگ پر ہے۔ آگاہ ہو اے اہل کوفہ۔ اے اہل غدر و مکر۔ اب تم روتے ہو۔ تمہارے آنسو نہ تھمیں تمہارا رونا چلا نا بند نہ ہو۔ تمہاری مثال اُس عورت کی سی ہے کہ جسنے اپنا سوت کات کر اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہوں۔ تم اپنے عہدوں میں ایک حیلہ بناتے ہو۔ آگاہ ہو کہ تم میں نہیں ہیں مگر ایسے لوگ کہ جو بیہودہ اور رذیل ہیں۔ تم میں ایسے سینے ہیں کہ

جن میں کینے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ لونڈیونکی طرح خوشامدی ہیں۔ دشمنونکے مثل کینہ ور
ہیں۔ تم کمینہ پن میں اُس سبزی کی صورت ہو کہ جو نجاست پر اُگے۔ تم اُس قبر کی صورت
بیفائدہ اور بے حاصل ہو کہ جو چاندی سے آراستہ کیگئی ہے۔ تمہارے نفسوں نے
بُرے اعمال پیش کیئے کہ جسکی وجہ سے تم قہر و غضب و عذاب الٰہی اور جہنّم میں داخل ہونیکے
مستحق ہوئے ہو۔ اب روتے چلاتے ہو۔ بخداے تو انا تم بہت روؤ اور کم ہنسوگے کہ عار و ننگ
و بدشرمی و عیب امت تنے حاصل کئے ہیں۔ وہ تم سے ہرگز ہرگز جدا نہیں ہو سکتے۔ پس تم کیونکر
نجات پاسکتے ہو اور کیونکر بچ سکتے ہو کہ تمنے سلالہ خاتم الانبیا سردار جوانان بہشت۔ ملجا و ماوا ے
نکوکاراں۔ وجای پناہ اہل مصیبت۔ وستون محبّت خدا۔ اور اپنے راہ نما کو قتل کرڈالا ہے۔
بُرا ذخیرہ بھیجا ہو تم۔ رحمت حق سے دور ہو۔ اصل تو یہ ہے کہ تمہاری کوشش بیجا اور سعی بے
فائدہ ہوئی۔ اعمال تمہارے بُرے ہوئے۔ تمنے اپنی جانوں کو ہلاک کیا۔ تمہارے کمال میں
نقصان آیا۔ تمہاری کمائی میں ٹوٹا ہوا۔ تم مبتلاے ذلّت و خواری و مورد قہر و غضب الٰہی ہو۔
اے اہل کوفہ! تم پر وائے ہو کہ کیسا تمنے پیغمبر خدا کا جگر کاٹا ہے۔ کیسی اپنی عداوت جناب
رسالتمآب سے تمنے ظاہر کی ہے۔ عجب طرح کا خون تمنے بہایا ہے اور حرمت و آبرو ضایع
کی ہے۔ اُنکے کیسے پیارے فرزند کو قتل کیا ہے۔ واقعی تمنے بڑے امر عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔
عجب نہیں ہے کہ آسمان پھٹکر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اور زمین پھٹ جائے۔ اور پہاڑ پاش
پاش ہو جائیں!! بروایت دیگر یہ فرمایا: تمنے ایک بڑی آفت اور حادثہ عظیم برپا کیا کہ اُس سے
فضائے آسمان و زمین تنگ ہوگئی۔ اس امر سے تعجب کرتے ہو کہ آسمان خون رویا۔ آگاہ ہو کہ
عذاب آخرت زیادہ رسوا کرنیوالا ہے اور اُس دن کوئی معین و مددگار نہ ہوگا۔ اس مہلت چند
روزہ پہ گھمنڈ نہ کرو۔ مغرور نہ ہو۔ ہاں البتّہ بدلہ لیا جائیگا اور یہ خون پائمال اور ضایع نہ ہوگا۔
عذاب خدا تمہارے سروں پر ہے!! راوی کہتا ہے کہ مینے دیکھا کہ سب لوگ اُس دن حیران
و مبہوت ہکّے بکّے ہوگئے۔ اپنے ہاتھ انکو منھ پر رکھے ہوئے روتے تھے۔ مینے (ایک) بوڑھے آدمی کو
دیکھا کہ جو میرے برابر کھڑا تھا اور ایسا رو رہا تھا کہ اُسکی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی تھی۔ وہ
کہتا تھا کہ میرے ماں باپ تمپر فدا ہوں۔ تمہارے بزرگ بہترین بزرگان ہیں۔ جوان تمہارے

بہترین جوانان ہیں۔ عورتیں تمہاری بہترین عورات اور نسل تمہاری بہترین نسل ہے کبھی تمہاری نسل رسوا اور خفیف نہ ہوگی نہ ذلیل ہوگی"

حضرت فاطمہ صغریٰ کا خطبہ اور اثر

حضرت فاطمہ صغریٰ نے فرمایا:۔

"خدائے توانا کیلئے بیحد و پایاں شکر ہے۔ اور اسقدر سپاس ہے کہ جسقدر زمین و عرش کے درمیان چیزیں ہیں۔ خدا کا شکر ادا کرتی ہوں اور اسی پر توکل و بھروسہ و یقین و اعتقاد رکھتی ہوں۔ اُسکی وحدانیت اور جناب رسول خدا کی رسالت پر گواہی دیتی ہوں۔ اور اس بات پر گواہی دیتی ہوں کہ اُنکی اولاد امجاد کو اشقیائے اُمت نے ناحق قتل کر ڈالا۔ فرات کے کنارے۔ حالانکہ وہ کسی سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے۔ نہ کسی کا خون بہایا تھا۔ خدا سے پناہ مانگتی ہوں اس بات سے کہ اے خدا تجھپر بہتان کروں۔ اور اُس امر کے خلاف جو تو نے عہد و پیمان علیؑ بن ابیطالبؑ وصی رسول خدا کیلئے لیا ہے۔ وہ علیؑ کہ جسکا حق چھین لیا گیا اور بے جرم و گناہ اُسکو تیرے گھر میں مسلمانوں کے سامنے قتل کیا جیسا کہ کل اُنکے فرزند کو قتل کیا۔ تو نے اُس جناب کو وقت حیات سے وقت ممات تک پایند اپنی مرضیوں کا رکھا۔ حتیٰ کہ اُنکے نفس نفیس و ذات اقدس کو بہ مناقب حمیدہ اور خصائل پسندیدہ تو نے اُٹھا لیا اور کسی بات میں گرفت و ملامت کا موقع اُنپر نہ ہوا۔ کم سنی میں اُنکو ہدایت کی اور جوانی میں پاک و صاف فضیلتیں اور عزتیں دیں وہ ہمیشہ خیر خواہی اُمت میں اور تیرے پیغمبر برحق کے اُمور میں سعی اور کوشش کرتے رہے۔ اور آخرت کیطرف رغبت اور دنیا کی نفرت رکھتے تھے۔ اور تیری راہ میں جہاد کیا اور تو نے اُنکو تمام خلائق سے برگزیدہ کیا اور قوت دی۔ وہ راہ راست کیطرف رہنمائی کرتے رہے اور ہدایت فرماتے رہے۔ اس حالت میں جہان فانی سے دار باقی کیطرف کوچ کیا۔ اے اہل کوفہ! اے اصحاب مکر و حیلہ! آگاہ ہو کہ (خدا نے) ہم اہلبیتؑ کو تمہارے ہاتھ میں مبتلا کیا اور تمہارا امتحان ہمسے کیا۔ ہماری بلا کو اچھا جانا اور ہمکو اپنے علم و حکمت عطا کی۔ پس ہم خزانہ علم و فہم اور صندوق حکمت الٰہی اور حجت خدا ہیں روئے زمین پر۔ اُسنے اپنی کرامت سے ہمکو معزز کیا اور بوجہ اپنے رسولؐ کے تمام خلق پر ہمکو عزت و شرافت بخشی تمنے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی۔ اُنکو جھٹلایا۔ ہمارے خون و مال کو جائز و حلال

جانا۔ گویا ہم اولاد ترک و کابل تھے۔ کل ہمارے جد کو قتل کیا اور آج تمہاری تلواریں ہمارے
خون سے آلودہ ہیں۔ یہ سب تمہارے پرانے عداوت و کینہ کی وجہ سے ہے کہ تم ہمارے قتل سے
خوش و خرم ہو۔ خدا کے ساتھ مکر و فریب کرتے ہو حالانکہ وہ مکر کا باطل کرنیوالا ہے۔ تم ہمارے
قتل سے خوش نہ ہو کیونکہ وہ مصیبتیں اور بلائیں ہیں جو قبل از وقوع واقعہ خدا نے کتاب میں
لکھے ہیں۔ خدائے پاک کے نزدیک یہ سہل و آسان ہے۔ (ہمارا استشہاد یہ ہے کہ) جو چیز
جاتی رہے اُس پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو ہاتھ سے ملے اُس پر خوش نہ ہوں۔ خدائے پاک کسی مغرور متکبر
کو دوست نہیں رکھتا۔ خدا انکو ہلاک کرے۔ تم عذاب و لعنت خدا کے منتظر رہو۔ گویا تم پر
پے در پے غضب خدا اور عذاب شدید آسمان سے نازل ہوا ہے۔ اور تمکو کردار زشت
کی پاداش نے ہلاک کر دیا ہے بعض کو تم میں سے بعض کے عذاب میں گرفتار کر دیا ہے۔
تمہارے لیے ہمیشہ عذاب و سزا ہے۔ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔ تمہارا برا ہو۔ آیا کچھ جانتے
ہو کہ کن ہاتھوں سے تمنے ہمکو نیزے لگائے اور تم میں کون لوگ ہمارے قتل پر مستعد ہوئے اور
کن قدموں سے ہمارے ساتھ لڑائی کو آئے۔ تمہارے دل نہایت ہی سخت و غلیظ ہیں۔ تمہارے
دلوں پر مہر کی گئی ہے۔ شیطان نے تمہارے کاموں کو تمہاری نظروں میں مزین کر دیا ہے
تمہارے لیے ایسا سامان مہیا کر دیا ہے کہ تمہارے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ راہ
راست پر نہیں آتے ہو۔ اے اہل کوفہ تم رسول خدا سے کیسی عداوت رکھتے ہو کہ اُن کے بھائی
علیؑ ابن ابیطالبؑ اور اُنکی اولاد سے کہ ذریت رسولؐ ہیں تمنے اُسکا بدلہ لیا۔ چنانچہ تم میں سے
ایک شقی فخر یہ کہتا ہے کہ ہمنے علیؑ اور اولاد علیؑ کو نیزہ اور شمشیر ہندی سے قتل کیا اور اُنکے
حرم کو مثل اسیران ترک کے قید کیا۔ اور کیسی کیسی لڑائیاں کیں۔ بس اے کہنے والے
تیرے منہ میں خاک ہو۔ ایسے لوگوں کے قتل پر تو فخر کرتا ہے کہ جنکو خدائے پاک نے
رجس و ناپاکی سے پاک و صاف کیا ہے۔ چپ ہو جسطرح تیرا باپ چپ رہا۔ ہر شخص کیلئے
اُسکے افعال کے مطابق اور جو اُسنے جمع کیا ہے جزا و سزا ہے۔ تمنے ہمارے فضائل و
مناقب پر حسد کیا۔ لعنت ہے تم پر کہ جو فضیلت خدا نے ہمکو دی ہے اُسکو نہیں جانتے بقول شاعر

فما ذنبنا ان جاش دهرا بحورنا   وبحرك ساج لا يوارى الدعامصا

ہمارا کیا قصور ہے کہ زمانہ نے ہمارے دریا دلکو جوش زن کیا اور تمہارا دریا حرکت نہیں کرتا اور ایک جانور کو چھپا نہیں سکتا یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ وہ صاحب فضل عظیم ہے۔ جسکو خدا نے نور نہ دیا اسکو نور کہاں سے ملسکتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ شور و فغاں و گریہ و زاری کیساتھ آوازیں بلند ہوئیں اور انلوگوں نے کہا کہ بنت طیبین تمہارے لیے بس اسیقدر کافی ہے تمنے ہمارے دلونکو جلادیا اور سینونکو پھنکا دیا ہمارے پیٹ میں آگ لگادی۔ تب آپ خاموش ہوگئیں"

حضرت ام کلثوم کا خطبہ اشعار اور اثر

"راوی کہتا ہے کہ اُس روز ام کلثوم بنت علی علیہ السلام نے پس پردہ سے خطبہ پڑھا اور بآواز بلند رو کر کہنے لگیں۔ اے اہل کوفہ! برا حال ہو تمہارا۔ کیسلیئے تمنے حسینؑ کو قتل کیا اور انکا مال اسباب لوٹ کر اسکو اپنا ورثہ بنایا۔ انکے اہلبیت کو اسیر کیا۔ ہلاک ہو تم۔ وائے ہو تمپر۔ رحمت خدا سے تم دور رہے۔ آیا جانتے ہو تم کس بلا میں گرفتار ہوئے۔ کیسے کیسے خون تمنے بہائے۔ کیسے کیسے بچونکو تمنے برہنہ کیا۔ کیسے کیسے مال لوٹ لیئے۔ تمنے ایسے شخص کو مارا ہے کہ بعد پیغمبر خدا کے تمام عالم سے اشرف و افضل تھا۔ تمہارے دلوں سے رحم جاتا رہا۔ بہر صورت مردان خدا رستگار ہیں اور پیروان شیطان زیاں کار ہیں پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے

قتلتم اخی ظلماً فویلکم غدا | ستجزون ناراحرھا یتوقد
عذاب ہو تمپر کہ تمنے میرے بھائی کو قتل کیا | جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ تمہارے لئے سزا ہوگی

سفکتم دماء حرّم اللہ سفکھا | وحرمھا القرآن ثم محمد
تم سے ایسا خون بہایا جس کا بہانا خدا | قرآن اور رسول اللہ نے حرام کیا تھا

الا انی لابکی فی حیاتی علیٰ اخی | علے خیر بعد النبی یولد
اور میں یقیناً عمر بھر اپنے بھائی کو رویا کرونگی | ایسا بھائی جو بعد نبی سب سے بہتر تھا

راوی کہتا ہے کہ تمام حاضرین اس کلام حزن انجام سے گریہ وزاری و شور و نالہ کرنے لگے۔ تمام عورتوں نے بال کھولدیئے۔ خاک سر پر ڈالی۔ چہرے ناخون سے نوچے۔ طمانچے گالونپر مارے اور مردوں نے اپنی داڑھی نوچ ڈالیں روتے چلاتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ اُس روز سے زیادہ رونیوالیاں اور رونیوالے مینے نہیں دیکھے

اسکے بعد

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا خطبہ اور اثر

حضرت امام زین العابدین نے اُن سب کو خاموش کیا۔ جب سب چپ ہوئے تو آپ کھڑے ہوئے۔ بعد حمد وثنائے الہٰی و نعت حضرت رسالت پناہی فرمایا جو کوئی مجھکو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا ہے وہ اب پہچان لے۔ میں علیؑ بن الحسینؑ ہوں۔ اُسکا فرزند ہوں کہ جو راہ خدا میں بے جرم و خطا فرات کے کنارہ ذبح کیا گیا۔ میں اُسکا فرزند ہوں کہ جسکی عزّت و حرمت ضایع کی گئی۔ اُسکے اہل حرم کو اور چھوٹے بچوں تک کو قید کر لیا ہے۔ میں اُسکا فرزند ہوں جسکا مال واسباب لوٹ لیا۔ میں اُسکا فرزند ہوں کہ جو صابر وشاکر شہید ہوا اور اسکا فخر میرے لیئے کافی ہے۔ اے لوگو میں تمکو قسم دیتا ہوں۔ خدا اے خالق کی۔ آیا تم جانتے ہو جو کچھ تمنے مکر کیا۔ میرے پدر عالیمقدار کو خطوط لکھے عہد و پیمان کیئے اور آخر کو قتل کر ڈالا۔ اُنکی مدد و نصرت نہ کی۔ کسقدر بُرے اعمال تم نے اپنے لیئے جمع کیئے۔ تم نے بری راہ اختیار کی۔ کن آنکھوں سے تم رسولؐ خدا کو دیکھوگے جسوقت وہ حضرت فرمائینگے کہ تم نے میری اولاد کو قتل کیا۔ میری ہتک حرمت کی۔ تم میری اُمت سے نہیں ہو پس ہر طرف سے لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں سب روتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم سب ہلاک ہوئے ہمنے غفلت کی (پھر حضرت سجّاد نے فرمایا کہ) خدا کی رحمت اُسپر ہے کہ جو گوش دل سے نصیحت سنے اور قبول کرے۔ دربارہ خدا اور رسولؐ و ذریت رسولؐ میری وصیّت یاد رکھے کہ تمکو رسولخدا کیساتھ اقتدا اے نیکو ہی۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ یابن رسول اللہ ہم تمہارے عہد کے نگہبان ہیں جو چاہو حکم کرو۔ ہم انکار نہیں کرتے تمہارے دشمنوں کے دشمن اور دوست کے دوست ہیں۔ یزید سے اسکا مواخذہ کرینگے اور اُن ظالموں سے بیزار و ناخوش ہیں جنہوں نے آپ پر ظلم کیا) حضرت نے فرمایا ہیہات ہیہات۔ اے گروہ غدّار و مکّار تم اپنے نفس کی ہوا و ہوس میں پھنسنا چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو جو کل میرے باپ کیساتھ کیا ہے۔ بخدا ابھی زخم نہیں بھرا ہے اور حرارت نہیں گئی ہے کل کی بات ہے کہ میرے باپ کو مع اقربا ے باوقار کے قتل کیا ہے مجھے میرے جد بزرگوار کی موت نہیں بھولی۔ غم و غصّہ کی تلخی و گرمی میرے گلے میں ابھی باقی ہے۔ اب میری خواہش تمسے صرف یہ ہے کہ تم ہمکو نفع و ضرر کچھ نہ پہونچاؤ!

لا غرو اقتل الحسینؑ فشیخہ   قد کان خیراً من حسینؑ و اکرما

کچھ عجیب نہیں ہے اگر حسینؑ قتل ہوئے   اسلئے کہ اُنکے بزرگ جو اُنسے اچھے اور مکرم تھے قتل ہوئے

فلا تفرحوا یا اھل الکوفۃ ان بالذی   اصیب حسینؑ کان ذالک اعظما

اے اہل کوفہ اس پر خوش نہ ہو   کہ تم نے حسینؑ کو بڑی مصیبت پہونچائی

قتیل بشط النھر روحی فداؤہ   جزاء الذی اراواہ نار جھنما

اُن پر میری جان قربان ہو وہ تو نہر فرات کے کنارے مارے گئے اور جس نے اُنھیں قتل کیا اُسکی جزا دوزخ کی آگ ہے

پھر فرمایا کہ ہم راضی ہیں خدا کی رضا پر۔ ہم تم سے آج فائدہ و نقصان کچھ نہیں چاہتے"

سر اقدس دوبارہ دربار میں

اعثم کوفی کہتا ہے "جب دوبارہ امام حسینؑ کا سر مقدس ابن زیاد کے سامنے لائے تو وہ بدبخت لعین چہرہ اور بالوں کو اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ ناگاہ اُسکے منحوس ہاتھوں کو رعشہ ہوا اُسنے وہ مقدس سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اُسوقت گلوے مبارک سے خون کا ایک قطرہ نکلکر زانو پر گرا جو کپڑوں سے گذرتا اور ران میں ناسور کرتا ہوا نکلگیا۔ وہ ناسور سخت بدبودار تھا۔ ہرچند جراحوں اور طبیبوں نے علاج کیا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اسلیئے وہ شقی ہمیشہ اُس ناسور پہ مشک رکھتا تھا" (ابراہیم بن مالک اشتر نے جسوقت ابن زیاد کو قتل کیا تو بوے مشک سے تصدیق ہوئی کہ مقتول ابن زیاد تھا)

دربار ابن زیاد

معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے آج دربار میں کچھ زیادہ آراستگی کی تھی یا کچھ قاعدے آسان کر دیئے تھے۔ مثلاً لہوف سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت کے داخل دربار ہوتے وقت ابن زیاد نے لوگوں کو "اذن عام دیا تھا" صاحب کشف الغمہ کے موافق "حضرت زینبؑ ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اور کنیزوں نے ہر طرف سے حضرت کو گھیر لیا" ابو اسحٰق اسفرائنی اور ابی مخنف سے واقعات کا ایک نہایت بامو قع ٹکڑہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سامنے کھڑے ہوتے ہی حضرت سید سجادؑ نے سوال کیا "عنقریب تم بھی اسیطرح کھڑے کیئے جاؤگے اور تم سے سوال کیا جائیگا لیکن رسول اللہؐ کو تم کوئی جواب نہ دے سکوگے ابن زیاد چپکا ہو رہا اور اُسے یہ پسند نہ آیا" اسی مورخ کے موافق

حضرت ام کلثومؑ اور ابن زیاد کی گفتگو

وہ ابن زیاد نے پوچھا کہ انمیں ام کلثوم کون ہے؟ حضرت ام کلثومؑ نے کوئی جواب نہ دیا ابن زیاد

نے دوبارہ سوال کیا پھر خاموش رہیں۔ تیسری مرتبہ اُسنے کہا قسم ہے تمہیں اپنے جد کے حق کی کہ کلام کرو۔ فرمایا۔

"کیا چاہتا ہے؟"

ابن زیاد نے کہا "خدا نے تمہیں اور تمہارے عہد کو جھٹلایا اور انھیں رسوا کر کے مجھے اُنکی طرف سے مطمئن کیا"

فرمایا "اے دشمن خدا۔ فاسق کی تکذیب اور جھوٹے کی فضیحت کرتا ہے۔ اور واللہ تو کذب اور فجور کا عامل ہے تجھے جہنم کی بشارت ہو"

"ابن زیاد ہنسنے لگا اور کہا اگر میں جہنم میں جاوں تو میری مراد بر آئے"

حضرت ام کلثومؑ نے فرمایا "او کمبخت تو نے اہلبیتؑ کے خون سے زمین کو نہلا دیا"

ابن زیاد نے کہا "اے شجاع کی بیٹی اگر تو عورت نہ ہوتی تو میں تیری گردن مارتا"

ابی اسحٰق کی موافق حضرت نے فرمایا "اگر میں شجاع نہ ہوتی تو میں اسطرح بے نقاب نہ کھڑی ہوتی"!

حضرت زینبؑ اور ابن زیاد کا مکالمہ

ابی مخنف کے موافق حضرت زینبؑ بابال پریشاں آستیں میں اپنے منہ کو چھپائی تھیں ابن زیاد داہنے بائیں دیکھ رہا تھا اور سر نیزوں پر گردش تھے۔ ابن زیاد نے حضرت زینبؑ کو دیکھکر اپنے صاحبوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ زینبؑ حسینؑ کی بہن ہیں۔ ابن زیاد نے کہا۔

"اے زینبؑ بحق اپنے جد کے کلام کرو"

فرمایا "اے دشمن خدا اور رسولؐ کیا چاہتا ہے۔ تو نے نیکوں اور بدوں میں ہماری ہتک کی"

کہا "تمنے اپنے اور اپنے بھائی کی شان میں خدا کو کیسا دیکھا۔ تمہارے بھائی نے ارادہ کیا تھا کہ یزید سے خلافت لے لے۔ اُنکی اُمید ٹوٹ گئی اور ہمیں خدا نے مطمئن کیا"

فرمایا "وائے ہو تجھپر اگر میرے بھائی نے طلب خلافت کی تو وہ اُنکے باپ اور نانا کی میراث تھی۔ لیکن تو اپنے نفس کو جواب کیلئے مستعد رکھ جبکہ خدا قاضی۔ محمدؐ تیرے دشمن اور جہنم تیرا قیدخانہ ہوگا"

حضرت علیؑ بن الحسینؑ اور ابن زیاد

اُسوقت حضرت امام زین العابدینؑ نے حضرت زینبؑ کو چپ کرایا اور فرمایا۔

"کب تک او ابن زیاد تو میری پھوپھی کی توہین کریگا"

ابن زیاد کو اسپر غصہ آیا۔ اور اُسنے اپنے صاحب کو حکم دیا کہ گردن مارو۔ حضرت زینبؑ امام زین العابدینؑ

سے لپٹ گئیں۔ حاجب نے چاہا کہ حضرت کو لیجائے اُسوقت اہلبیت میں شور ہوا اور حضرت زینبؑ نے ابن زیاد سے فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ نسل رسولؐ میں سے کوئی باقی نہ رہے اگر تیرا یہی ارادہ ہو تو مجھے بھی اسکے ساتھ قتل کرڈال۔ حاجب کو بلالیا گیا۔ ابی اسحٰق وغیرہ کے موافق حضرت سجّادؑ نے فرمایا" تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ قتل ہمارے لئے شہادت اور خدا کیطرف سے درجہ ہے"

ابن خلدون بعض پہلو کے متعلق زیادہ صاف ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"ابن زیاد نے تین بار زینبؑ (آپکی بہن) کیطرف اشارہ کرکے دریافت کیا یہ کون ہے۔ چوتھی بار کسی نے کہا یہ زینبؑ بنت فاطمہؑ ہیں۔ ابن زیاد نے مخاطب ہوکر کہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اسنے تمکو رسوا و ذلیل کیا اور جھوٹے کو اُسکے کذب کی سزادی۔ زینبؑ نے جواب دیا۔ اللہ کا احسان ہے کہ اُسنے ہمکو محمدؐ رسول اللہ (صلعم) کی ذات مبارک سے سرفراز کیا اور ہمارے بزرگوں کی شان میں آیہ تطہیر نازل فرمائی۔ یہ دنیا چندروزہ ہے یہاں کی ذلت و رسوائی کا کوئی اعتبار نہیں آخرت میں فاسق و فاجر کو اللہ تعالےٰ ذلیل و خوار کریگا اور ہمکو سرفراز و ممتاز۔ ابن زیاد بولا کیا خوب۔ تم نے کیا نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی کسکو ذلیل و رسوا کیا ہے۔ کیا تمہارے خاندان والے خوار نہیں ہوئے۔ زینبؑ یہ سنکر رو پڑیں۔ ابن زیاد نے علیؑ بن الحسینؑ کیطرف متوجہ ہوکر نام دریافت کیا۔ جواب دیا۔ علیؑ بن الحسینؑ۔ ابن زیاد نے متعجب ہوکر کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے علیؑ بن الحسینؑ کو نہیں مارا ہے۔ آپ یہ سُنکر خاموش رہے۔ پھر ابن زیاد نے کہا۔ تم کیوں جواب نہیں دیتے۔ ارشاد کیا میرا ایک بھائی علیؑ نامی تھا اُسکو لوگوں نے شہید کرڈالا ہے۔ ابن زیاد ہنسکر بولا اُسکو اللہ تعالیٰ نے مار ڈالا ہے۔ آپ خاموش ہورہے۔ پھر ابن زیاد نے کہا۔ تمکو یہ کیا ہوگیا ہے کہ تم کچھ نہیں بولتے۔ آپ نے فرمایا اللہ یتوفی الانفس حین موتھا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ ابن زیاد نے کہا واللہ تو بھی اُنھیں میں کا ہے۔ پھر اپنے ایک مصاحب سے کہا دیکھو شاید یہ بالغ ہوگیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں ابھی اس سے سمجھ لیتا ہوں ابن سعد نے دیکھکر کہا ہاں یہ بالغ ہوگیا ہے۔ ابن زیاد بولا اسکی بھی گردن مار دو۔ آپ نے فرمایا۔ میری بعد کون ان عورتوں کی کفالت کریگا؟ زینبؑ رو کر لپٹ گئیں اور

ابن زیاد سے خطاب کرکے کہا۔ اے ابن زیاد کیا تیرا ابھی ہماری خونریزی سے جی نہیں بھرا کیا تو ہم میں ایک مرد کو بھی زندہ نہیں دیکھا چاہتا۔ میں تجھسے اگر مومن ہے یہ کہتی ہوں کہ اگر تو اسکو قتل کیا چاہتا ہے تو مجھکو بھی اسکے ساتھ قتل کردے۔ پھر آپ نے ارشاد کیا اے ابن زیاد۔ اگر ان عورتوں میں اور تجھ میں کوئی قرابت ہو تو کسی مرد متقی باخدا کو انکے ہمراہ کردینا کہ مسلمانوں کی طرح انکے ساتھ رہے۔ ابن زیاد تھوڑی دیر تک زینبؑ کیطرف دیکھتا رہا۔ پھر کچھ سوچ سمجھکر بولا۔ مجھے اپنے رحم پر تعجب آتا ہے۔ واللہ اگر میں اسکو (امام زین العابدین کیطرف اشارہ کرکے) قتل کرتا تو اسکو بھی (زینبؑ کیطرف اشارہ کرکے) قتل کرڈالتا۔ اس شخص کو عورتوں کے ساتھ رہنے کیلئے چھوڑ دو۔"

ابن خلدون نے جو عموماً کامل ابن اثیر سے نقل کرتا ہے۔ اپنی آخری سطر میں کامل ابن اثیر سے کچھ اختلاف کیا ہے۔ مثلاً آخر الذکر مورخ نے یہ فقرہ کہ ایسے شخص کو انکے (اہلبیتؑ کے) ساتھ بھیج جو اسلام سے واقف ہو۔ امامؑ کی زبانی کہلوایا ہے۔ ایسا ہی "غم حسینؑ" میں ہے۔ اور کسی مورخ نے "قرابت" کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے۔ اور ابن زیاد کے آخری فقرہ کا مفہوم یہ ہے کہ "رحم سے تعجب ہے کہ یہ عورت اس لڑکے کیساتھ قتل ہونیکے لئے آمادہ ہے۔"

سر مبارک خولی کی سپردگی میں
اہلبیت ایک گھر میں

اسکے بعد ابن زیاد نے خولی بن یزید اصبحی کو حکم دیا کہ تو حسینؑ کا سر لیجا اور اسوقت تک اپنے پاس رکھ جب تک تجھسے طلب نہ کیا جائے۔

بقول اعثم کوفی ابن زیاد نے "حکم دیا کہ مجھے اس گروہ کی دردسری سے بچاؤ یہاں سے نکالکر اس مکان میں لیجاؤ۔"

مسجد جامع میں ابن زیاد کی تقریر اور عبداللہ بن عفیف

ابو مخنف کے موافق ابن زیاد نے لوگوں کو مسجد جامع میں طلب کیا۔ خود منبر پر چڑھ گیا اور حضرت علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کی شان میں ناسزا الفاظ استعمال کئے۔ اسوقت ایک شخص جسکا نام عبداللہ بن عفیف ازدی تھا اور وہ بہت بوڑھے ہوگئے تھے جس سے انکے آنکھوں کی بینائی خراب ہوگئی تھی۔ کھڑے ہوگئے۔ یہ صحابی رسولؐ تھے۔ انہوں نے کہا تجھپر اور تیرے باپ دادا پر خدا لعنت کرے۔ انہیں معذب کرے۔ اور جہنم میں انکا مسکن قرار دے۔ کیا تیرے لئے قتل حسینؑ کافی نہ تھا کہ تو منبر پر انکی سب بھی کررہا ہے۔

میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جس نے علیؑ کی سب کی اُس نے میری سب کی جس نے میری سب کی اُس نے اللہ کی سب کی۔ اور جسنے خدا کو ناراض کیا وہ قیامت تک جہنم میں رہے گا۔ یہ سنکر ابن زیاد نے انکی گردن مارنیکا حکم دیا۔ انکی قوم مانع ہوئی اور اُنھیں گھر پہونچا آئی۔ جب رات ہوئی تو ابن زیاد نے خولی ابن یزید اصبحی کو بلایا اور اُسکے ساتھ پانچسو سوار کیئے اور کہا کہ ازدی کیطرف جا اور اُسکا سر لے آ۔ پس یہ سب روانہ ہوئے اور اُنکے گھر پہونچے۔ ابن عفیفؓ کی ایک چھوٹی لڑکی تھی جب اُسنے گھوڑونکی آواز سنی تو کہا بابا دشمنوں نے تم پر ہجوم کیا ہے۔ ابن عفیفؓ نے کہا میری تلوار لے آ۔ اور مجھے ایک جگہ بٹھادے اور ہمسے کہتی جاؤ کہ داہنے بائیں آگے پیچھے دشمن کہاں ہیں۔ لڑکی نے انھیں ایک تنگ جگہ بٹھادیا اور ابن عفیفؓ حملے کرنے لگے۔ (لڑکی بتاتی جاتی تھی اور کہ رہی تھی کہ کاش میں مرد ہوتی اور تمہارے سامنے ان ظالموں اور عترت پاک کے قاتلوں سے لڑتی) اور پچاس آدمیوں کو قتل کیا اور یہ اسوقت اشعار پڑھ رہے تھے جسکے پہلے شعر کا مطلب یہ تھا کہ اگر میری بصارت ہوتی تو میں تمہارے مورد اور مصدر کو تنگ کر دیتا۔ آخر بوڑھا جنگجو ہجوم سے گرفتار ہوگیا اور اُسے ابن زیاد کے پاس لیگئے۔ ابن زیاد نے دیکھکر کہا کہ خدا کا شکر ہے جسنے تیری آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ ابن عفیفؓ نے کہا۔ شکر ہے خدا کا جسنے تیرے قلب کو اندھا کیا اور آنکھوں کو کھلا رکھا۔ ابن زیاد نے کہا خدا مجھے قتل کرے اگر میں تجھکو سب سے بُری طرح قتل نہ کروں۔ فضحک عبد اللہ بن عفیف (پس ہنسنے عبد اللہ بن عفیف) اور کہا جسوقت امیر المومنینؑ کیساتھ صفین میں میری آنکھیں ضایع ہوئیں اُسوقت میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھے اشر ناس کے ہاتھ سے شہادت نصیب کرے اور میں نہیں جانتا کہ دنیا میں تجھسے زیادہ کوئی بدبخت ہے۔ اسکے بعد اشعار پڑھے۔ فی البدیہہ۔ جسکے اُنتیس اشعار ابو مخنف نے نقل کئے ہیں۔ پرجوش الفاظ ہیں جنمیں قوم ازد کو جنگ کیلئے برانگیختہ کیا ہے حسینؑ کی تعریف کی ہے انھیں نسباً خیر خلق اور ابد تک عالم کا ہادی۔ صاحب جود و تقویٰ کہا ہے۔ قوم کی عہد شکنی کی شکایت کی ہے۔ اپنے موجود نہ ہونے اور بے بصری پر حسرت ظاہر کی ہے۔ اور اکثر اشعار "یا لیتنی" (اے کاش میں ہوتا) سے شروع ہوئے ہیں۔ قوم کو گمراہی سے توبہ

کرنے کی نصیحت کی ہے۔ اور شہدا پر سلام بھیجا ہے جب تک صبا چلے اور جبتک ستارے آسمان میں چمکیں۔ یا کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرے۔ اسکے بعد وہ گردن جسم سے علیحدہ ہو گئی جو حق کی منادی کر رہی تھی اور انھیں صلیب پر چڑھا دیا۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ یہ "صبح سے تا وقت عشا مسجد ہی میں رہتے تھے" اور ابن زیاد نے انھیں گرفتار کرا کے مسجد میں صلیب پر چڑھا دیا"۔ بقول کامل ابن عفیفؒ کا سر حسینؑ کے سر اقدس کیساتھ پھرایا گیا اور یہ پہلا سر تھا جو لکڑی پر اٹھایا گیا۔

صاحب لہوف لکھتے ہیں کہ "ابن زیاد نے حکم دیا کہ جو مکان مسجد اعظم کے پہلو میں ہے اُسمیں ان سب کو لیجا کر قید کرو۔ اُسوقت حضرت زینبؑ نے کہا کہ ہمارے پاس زنان عرب سے کوئی نہ آوے۔ ہاں مگر لونڈیاں آویں کیونکہ وہ بھی اسیر ہیں اور ہم بھی اسیر ہیں"۔

سر مبارک کی تشہیر کیوقت کسی کے اشعار

صاحب لہوف اور ابو اسحٰق نے کسی کی زبانی یہ اشعار نقل کئے ہیں جو حضرت کے سر مبارک کے تشہیر کے وقت کسی نے کہے تھے۔ ابو اسحٰق کے نزدیک یہ اشعار زید بن ارقم نے پڑھے ہیں۔

راس الحسین ابن بنی محمد ۔۔۔ للناظرین علی القناۃ ترفع

حسینؑ بنی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرزند کا سر ۔۔۔ تماشائیوں کیلئے نیزہ پر بلند کیا گیا ہے

والمسلمون بمنظر وبسمع ۔۔۔ لا منکر منہم ولا متفجع

مسلمان دیکھتے اور سنتے ہیں جو ۔۔۔ نہ کسی کو ناگوار گذرتا ہے اور نہ کوئی رونیوالا ہے

کحلت بمنظرک العیون عمایۃ ۔۔۔ واصم رزؤک کل اذن تسمع

تیرے اس منظر نے کوری سرمہ کیطرح آنکھوں میں لگادی۔ اور سننے والے کانوں کو بہرہ کر دیا

ایقظت اجفانا وکنت لہا کری ۔۔۔ وانمت عینا لم تکن بک تھجع

تونے اُن آنکھوں کو جگا دیا جسکا تو آرام تھا ۔۔۔ اور اُن آنکھوں کو سلا دیا جو تجھے بیدار رکھ (قتل میں) ا[illegible]

ما روضۃ الا تمنت انہا ۔۔۔ لک حفرۃ ولخط قبرک مضجع

کوئی باغ نہیں ہے جسے تیری خوابگاہ قبر اور لحد بننے کی آرزو نہ ہو۔

حاکم مدینہ کو شہادت حسینؑ کی خبر

کامل بن اثیر کے موافق ابن زیاد نے ایک شخص کو عمرابن سعید حاکم مدینہ کے پاس شہادت حسینؑ کی

"خوشخبری اداء کرنے کیلئے بھیجا۔ اُس سے کسی قریشی سے ملاقات ہوئی اور اُسنے خبر پوچھی لیکن اُسنے کہا کہ میں امیر کے سامنے خبر بیان کرونگا۔ قاصد عمر بن سعید کے پاس گیا اُسنے حال پوچھا اور قاصد نے کہا کہ وہ امیر کیلئے قتل حسینؑ کی خوشخبری ہے"! اُسنے کہا کہ مدینہ میں حسینؑ کے قتل کی خبر پکار دے۔ جسوقت بنی ہاشم کی عورتوں نے یہ خبر سُنی چیخ اٹھیں اور حضرت عقیلؓ ابن ابیطالبؑ کی صاحبزادی اسطرح نکلیں کہ اُنکا سر کھلا ہوا تھا اور مرثیہ پڑھ رہی تھیں۔ جسوقت ابن سعید نے بنی ہاشمؑ کی عورتوں کا رونا سنا تو ہنسا اور کہا "یہ رونا مثل اُس رونے کے ہے جو زمانہ قتل عثمان میں ہوا۔ اسکے بعد وہ منبر (مدینہ اور مسجد رسولؐ کا منبر) پر چڑھا اور لوگوں کو واقعہ کی خبر دی۔ اب حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کی خبر شہادت سنی اُنکے دوست پرسہ کیلئے آئے۔ اور اُسکے غلام نے کہا کہ یہ ہمیں حسینؑ کیوجہ سے ملا۔ اسپر حضرت عبداللہ نے غلام کو مارا اور کہا کہ اگر میں بھی ہوتا تو اسے پسند کرتا کہ اُنکے ساتھ مارا جاتا۔ بخدا یہ وہ بات تھی کہ مجھے میرے نفس کی سخاوت پر آمادہ کرتی۔ میرے نفس پر یہ آسان ہے کہ میرے بیٹے حسینؑ کیساتھ تھے اور انہوں نے موافقت کی۔ اگر میں نہیں تھا تو حسینؑ کے ساتھ میرے بیٹے تھے"! ابی مخنف نے بھی قریب قریب ایسا ہی لکھا ہے۔ ناسخ التواریخ نے بھی ذکر کیا ہے۔

ناسخ التواریخ کے موافق شہادت حسینؑ کی خوشی میں کوفہ میں چار مسجدیں بنوائی گئیں جنکے نام مسجد اشعث۔ مسجد جریر۔ مسجد سماک اور مسجد شیث ربعی رکھے گئے۔

اگرچہ یہ ایک ظاہر امر ہے کہ ابن زیاد نے یزید بن معاویہ کو حضرت کی شہادت اور اہلبیتؑ کی اسیری کی خبر دی ہوگی لیکن میں اسے قرین قیاس نہیں سمجھتا کہ کوفہ ایسے مخدوش مقام میں کسی مزید زیادہ مدت تک اسکا منتظر رہا ہو کہ یزید کا کوئی جواب آئے تو اہلبیتؑ کو دمشق کیطرف

روانہ کریں۔ ابن زیاد کی ذلیل خوشامد بجز اسکے کچھ نہیں چاہ سکتی تھی کہ وہ یزید کو اپنی کارگذاری دکھائے۔ اور چند مجبور اسیر ونکو یزید کے پاس جلد سے جلد روانہ کر دے کہ وہ خود دیکھکر اپنا اطمینان کرے۔ اسلئے ابن زیاد نے جو کچھ لکھا ہو وہ خط غالبًا اہلبیتؑ کے ساتھ گیا۔ اور وہ لوگ جو اسیروں کے ساتھ بھیجے گئے تھے انھیں میں سے کسیکو مزید حالات بتانے کے لیئے تجویز کیا تھا۔

اہلبیتؑ کی دمشق روانگی۔

میرا سلسلہ بیان اب ادھر کیا کہے گا بجز اسکے کہ ابن زیاد نے شہداء کے سر اپنے افسروں کیساتھ دمشق روانہ کیئے۔ انکے ساتھ کچھ فوج بھی تھی۔ اور پھر بقول ابن خلدون "عورتیں اونٹوں پر بغیر محمل کے سوار کرائی گئیں اور امام زین العابدینؑ کے ہاتھ پاؤں اور گردن میں زنجیر ڈالدی گئی۔ آپ نہ تو ہتھکڑی و بیڑی و طوق پہنائے ہوئے کچھ بولے اور نہ اثناء راہ میں کچھ ان لوگوں سے ہمکلام ہوئے۔ یہانتک کہ شام پہونچ گئے۔

درمیانی مقامات کی دشواری

میرے لیئے یہ اندوہناک ہے کہ عمومًا مورخین نے کوفہ سے دمشق تک کے واقعات نہیں لکھے جو اس عبرت خیز قافلہ کے گذرنے کے زمانہ میں واقع ہوئے۔ اور نہ بعض کتابوں کے بعض واقعات کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انکا کوفہ سے دمشق تک گذرنا بغیر کسی اتفاق کے تھا۔ پھر بھی غنیمت ہے کہ ابی مخنف۔ ابو اسحٰق اسفرائینی۔ روضۃ الشہدا۔ اور غالبًا ان لوگوں سے ناسخ التواریخ نے کچھ درمیانی حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ میں مجبور ہوں کہ انکی رہنمائی پر آگے بڑھوں۔ ان مقامات کے بیس منزلیں میں بھی اختلاف ہے بلکہ کمی زیادتی بھی ہے۔ ان منازل میں بھی ہمارے لیئے تصفیہ کی وہی دشواری ہے جو حضرت سے مکہ سے تشریف آوری کے بعد تھی۔ یہ دشواری کچھ زیادہ اسلیئے ہے کہ اسوقت کے منازل کے نام اکثر مورخین سے درج کیئے ہیں۔ درانحالیکہ اہلبیتؑ کے سفر شام کا بہت کم لوگوں نے تذکرہ کیا ہے۔ تو میرا کسی منزل کا لکھنا اس یقین کے ساتھ نہ ہوگا کہ مجھے اس مقام کے جغرافی صحت کا وثوق ہے بلکہ اسلیئے کہ مجھے اُن واقعات سے کچھ کام لینا ہے۔ میں صرف اسیوقت وثوق سے کہہ سکتا جب ان مقامات کی کوئی جغرافیہ۔ گزیٹیر یا اسمائے دیہات و قریات کے متعلق کوئی کتاب ہوتی یا کسی سیلاح کا روزنامچہ ان مقامات

کے نام بتانا۔ میرے لئے کبھی یہ کافی معیار نہ تھا کہ فلاں کتاب معتبر ہے۔ یا فلاں راوی ثقہ ہے۔ یا اس واقعہ کو شرف تواتر حاصل ہے۔ اور نہ میں اپنی جغرافیہ دانی کو ان لفظوں میں ظاہر کر کے اپنے کو اپنے فرض سے سبکدوش سمجھ سکتا ہوں کہ بغداد عراق عجم میں ہے اور حلب ایشیائے کوچک کا ایک شہر ہے۔ جبکہ مجھے سلسلہ مقامات۔ فاصلہ۔ وہاں کے واقعات کو اور واقعات سے یا اسکے بالعکس اور واقعات کو ان واقعات سے ربط دینا ہے

مقامات کے نام

ابی مخنف	نور العین فی مشہد الحسینؑ	ناسخ التواریخ	روضۃ الشہدا خلاصہ مقامات لکھتا ہے
قادسیہ	پہلی منزل کا نام نہیں لکھا	تکریت	حران
مشرقی جصاص کیطرف سے چلے	حرایا	موصل	موصل
تکریت کو عبور کیا	ترکیت (تکریت؟)	قنسرین	نصیبین (؟)
خشکی سے اعمی کیطرف آئے	وادی	شیزر	ایک اور شہر (نام نہیں)
دیر عروہ	موصل	قلعہ کفرطاب	حلب
صلیتا	کفرتوبہ	سیبور	معمورہ کوہ (قریب حلب)
وادی نخلہ (قیام کیا)	حلب	حماۃ	دیر
اربینا	قنسرین	حمص	عسقلان
لینا	شہر نعمان	بعلبک	دمشق
کحیل	کفرطاب	[illegible]	
موصل	شیراز		
تل اعفر	حماوہ		
جبل سنجار	حمص		
نصیبین	خندق الطعام		

ابی مخنف	نور العین فی مشہد الحسین	ناسخ التواریخ	روضۃ الشہدا خلاصہ مقامات لکھتا ہے
عین الورود دعوات سندین معرۃ النعمان شیراز (شیزر) کفرطاب سیبور حماۃ حمص کنیسہ بعلبک صومعہ دمشق	جوسیہ بعلبک صومعہ دمشق		

ان مورخین میں جنکی ہمنے فہرست دی ہے سب سے زیادہ نام ابی مخنف نے لکھے ہیں اور جہانتک معلوم ہوتا ہے اُسنے اہتمام کیا ہے کہ نہ صرف بڑے بڑے مقامات کے نام دیے ہیں جنمیں سے بعض اسوقت بھی نقشوں میں ملتے ہیں بلکہ اُن مقامات کو بھی لکھا ہے جدہر سے یہ قافلہ گذرا۔ یہ کل مقامات لازماً وہ نہیں ہیں جہاں قیام بھی ہوا ہو بلکہ قیام چند ہی مقامات پر ہوا جسکا ذکر بھی ہے۔ اسکے بعد مورخین نے ایسی کوئی بات بھی ذکر کے قابل نہ سمجھی کہ یہ قافلہ کس تاریخ کو دمشق پہونچا۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا کہ کے دن راستہ میں صرف ہوئے بلکہ منزلوں کی بھی تعداد ایک حد تک معلوم ہو جاتی۔ ہم مناسب مقام پر اسکا تذکرہ کرینگے کہ یہ قافلہ کب کربلا میں واپس ہوا اور آیا وہ تاریخ صحیح ہے یا نہیں؟ اب ہم

واقعات لکھتے ہیں:-

دمشق کیطرف روانگی اور حضرت ام کلثوم کے اشعار

ابی مخنف کے موافق ابن زیاد نے شمر ذی الجوشن اور خولی اصبحی کو بلایا اور پانچسو سواروں کو اُنکے ساتھ کیا اور حکم دیا کہ سرہائے شہدا اور قیدیوں کے ساتھ دمشق روانہ ہوں اور انھیں تمام شہروں میں تشہیر کریں۔ سہل کہتا ہے کہ جب مینے یہ دیکھا تو مینے بھی سفر کا ارادہ کیا۔ تجہیز سفر کی اور روانہ ہو گیا۔ جب قادسیہ پہونچے تو حضرت ام کلثومؑ نے فرمایا (ماتت رجالی وافنی الدھر ساداتی....) ہمارے مرد مر گئے اور زمانہ نے ہمارے سرداروں کو فنا کر دیا۔ اور رہلوگوں کی حسرتیں بڑھ گئیں۔ ان کمینوں کو ہمسے کیا عداوت تھی جبکہ یہ جانتے تھے کہ ہم رسول اللہ کی بیٹیاں ہیں جو ہدایت کیساتھ آئے تھے۔ دشمنوں نے ہمیں برہنہ پالانوں پر سوار کیا اور ہم اُن میں غنیمت کی حیثیت سے ہیں۔ یارسولؐ اللہ! اے نور البریات!! دشمنوں نے آپکے اہلبیت کیساتھ جو کچھ کیا وہ آپکے لئے اندوہناک ہے۔ وائے ہو تمپر اے دشمنو تم نے رسولؐ کا کفران کیا جنہوں نے تمہیں ضلالت سے ہدایت کی"

اہلبیت کا قافلہ اور دیہات پر اسکا اثر

سرہائے شہدا کیساتھ شرقی جصاصہ کیطرف چلے اور تکریت کو عبور کیا اور خشکی کی راہ اختیار کی۔ پھر اعمیٰ آئے اور یہانسے دیر عروہ ہوتے ہوئے صلیتا پہونچے۔ پھر وادی نخلہ آئے اور یہاں قیام کیا۔ پھر وادی نخلہ سے روانہ ہو کر ارمینا کیطرف پہونچے اور روانہ ہوئے یہانتک کہ لینا کے قریب ہوئے۔ یہ ایک شہر تھا۔ یہاں عورتیں۔ بوڑھے اور جوان نکل آئے اور حسینؑ کے سر مبارک کو دیکھکر اُنکے جد بزرگوار اور پدر نامدار پر صلوات بھیجتے تھے اور اُن کے قاتلوں پر لعنت بھیج رہے تھے۔ اور کہ رہے تھے کہ اے قاتلان اولاد انبیا ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔

اسکے بعد جہیل میں آئے اور عامل موصل کو لکھا کہ ہمارے پاس حسینؑ کا سر ہے جسوقت اُسنے خط پڑھا شہر کے لوگوں کو اطلاع دی اور آراستہ کیا۔ لوگ ہر طرف سے نکلے اور والی شہر نے چھ میل آگے جا کر ملاقات کی۔ لیکن بعض لوگوں نے پوچھا کہ کیا خبر ہے۔ اُنسے کہا گیا کہ ایک خارجی کا سر ہے جسنے عراق میں خروج کیا تھا اور عبید اللہ ابن زیاد نے قتل کیا اور اسکا سر یزید کے پاس بھیجا ہے۔ اُن میں سے کسی نے کہا کہ اے قوم

یہ حسینؑ کا سر ہے اور جب تحقیقات کی تو اوس اور خزرج کے چالیس سوار جمع ہوئے اور حلف لیا کہ ہم دشمنوں سے لڑینگے اور اُنسے امام کا سر لیکر دفن کرینگے اور یہ ہمارے لیے قیامت تک کے فخر کو کافی ہوگا۔ جسوقت دشمنوں نے یہ سنا شہر میں داخل نہ ہوئے اور تل اعفر کیطرف چلے گئے "

موصل اور مشہد نقطہ

صاحب روضۃ الشہداء کے موافق جب دشمن قریب موصل پہنچے اور حاکم شہر کو اطلاع دی تو عماد الدولہ حاکم شہر نے لوگوں کو بلاکر صورت حال کی خبر دی اور اُنسے صلاح کی اور یہ بھی کہا کہ اُنکا استقبال اور افتخار نامناسب ہے۔ موصلی اُس سے متفق ہوئے صرف رسد بھیجدی اور کہلوادیا کہ تمہارا یہاں آنا مصلحت نہیں ہے۔ دشمنان اہلبیتؑ شہر سے ایک فرسخ پر اُترے۔ اور سر مبارک کو ایک پتھر پر رکھدیا۔ ہر سال روز عاشورہ لوگ یہاں آکر مراسم عزا برپا کرتے تھے۔ یہ پتھر جسپر خون حسینؑ کا نشان تھا عبد الملک بن مروان کے زمانہ تک رہا۔ اور اُسنے وہاں سے ہٹوادیا۔ لیکن آخر میں وہاں ایک مقبرہ مشہد نقطہ کے نام سے تعمیر ہوگیا۔

پھر ابی مخنف کے موافق تل اعفر سے جبل سنجار کیطرف گئے۔ نصیبین پہونچے اور وہاں مقام کیا۔ سر ہائے مبارک کی تشہیر کی اور حضرت زینبؑ نے اشعار فرمائے۔ پھر اسکے بعد عین الورد کیطرف سے گذرے۔ دعوات کے قریب پہونچے اور اُسکے حاکم کو اطلاع دی کہ ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے جسوقت عامل نے خطبہ پڑھا باجے بجوائے اور شہر سے باہر جا کر ملاقات کی۔ سر کی تشہیر ہوئی اور باب اربعین سے داخل ہوکر سر مبارک کو زوال ظہر سے عصر تک رحبہ میں نصب کیا۔ اہل شہر کچھ روتے تھے اور کچھ ہنستے تھے۔ اور منادی ہورہی تھی کہ یہ خارجی کا سر ہے جسنے یزید ابن معاویہ پر خروج کیا تھا۔ اس جگہ جہاں سر مبارک نصب ہوا تھا لوگ اپنی حاجات کی دعائیں مانگتے تھے۔ دوسرے دن یہاں سے کوچ ہوا اور حضرت علیؑ بن الحسینؑ نے شعر فرمائے۔

پھر منین پہونچے جسوقت اہل شہر کو خبر دی گئی اُنلوگوں نے اپنے دروازے بند کرلئے قاتلوں پر لعنت کی اور پتھر پھینکے۔ اور کہتے تھے کہ اے فجار اے قاتلان اولادِ انبیا

ہمارے شہر میں تم داخل نہ ہوسکوگے۔ حضرت ام کلثومؑ نے اشعار فرمائے۔

اسکے بعد معرۃ النعمان میں آئے۔ یہاں انکا استقبال کیا گیا۔ دروازے کھولے گئے اور کھانے پینے کا سامان مہیا کیا گیا۔ یہاں دن کا بقیہ حصہ بسر کیا گیا۔ پھر یہاں سے شیراز دیا شیرزو کیطرف گئے۔ اس جگہ ایک بوڑھا رہتا تھا اُسنے کہا کہ اسے قوم یہ حسینؑ کا سر ہے یہ سنکر لوگوں نے مخالفت کی اور شہر میں داخل ہونے نہ دیا۔ لشکر یزید نے یہ دیکھکر داخلہ مناسب نہ سمجھا اور کفر طاب کیطرف بڑھا۔ یہ ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ اہل قلعہ نے دروازے بند کرلئے اسوقت خولی انکی طرف بڑھا اور پوچھا کہ کیا تم ہماری اطاعت میں نہیں ہو۔ ہمیں پانی پلاؤ۔ انلوگوں نے کہا کہ واللہ ہم تمہیں پانی نہ دینگے اسلیئے کہ تم نے حسینؑ اور انکے اصحاب کو پانی سے منع کیا۔ یہ سنکر یہاں سے کوچ کیا اور سیبور میں آئے۔ سیبور میں کچھ لوگ اس صلاح کے موافق تھے کہ سرونکو ہمارے شہر سے گذر جانے دیا جائے اور کچھ لوگ اسکے مخالف تھے۔ آخرالذکر گروہ پل کیطرف بڑھا اور اُسے کاٹ دیا۔ اور مسلح ہوکر لشکر یزید کیطرف بڑھے۔ سخت جنگ ہوئی۔ ابن زیاد کے لشکر کے چھ سو آدمی مارے گئے اور اہل سیبور پانچ آدمی شہید ہوئے۔ حضرت ام کلثومؑ نے شہر کا نام پوچھا اور دعا دی کہ یہاں کا پانی شیریں اور نرخ سستا رہے اور ظالموں کا غلبہ نہو۔

پھر کوچ ہوا اور حماۃ پہونچے۔ یہاں کے لوگوں نے بھی دروازہ بند کرلیا اور کہلوایا کہ تم اسوقت ہمارے شہر میں داخل ہوسکوگے جسوقت ہمارا آخر شخص قتل ہوجائیگا۔ یہ سنکر لشکر یزید کوچ کرگیا اور حمص پہونچا۔

پھر حمص کیطرف چلے اور یہاں کے عامل خالد بن نشیط کو لکھا کہ ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے۔ خط پاکر اُسنے شہر میں خبر مشتہر کی اور زینت کا حکم دیا۔ لوگوں کو بلایا اور تین میل استقبال کیلئے گیا۔ جب یہ لوگ واپس آئے تو اہل شہر نے پتھر مارنا شروع کیا یہانتک کہ چھبیس آدمی مارے گئے اور دروازہ بند کرکے کہا کہ اے گروہ تو ایمان کے بعد کافر ہوگیا اور ہدایت کے بعد گمراہ ہوا۔ لشکر یہاں سے بڑھا اور ایک قسیس کے کنیسہ کے پاس ٹھہرے۔ لوگوں نے اس سے بھی مخالفت کی اور ارادہ کیا کہ خولی کو قتل کرکے سرہائے مبارک شہدا کو اس سے

چینن لیں جب لشکر کو یہ خبر ملی تو وہاں سے بھی کوچ کیا درانحالیکہ وہ سب خائف تھے۔
بعلبک آئے (عمالقہ کا شہر جہاں اُنکے مشہور بت بعل کا مندر تھا) اور حاکم شہر کو
اطلاع دی کہ ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے۔ اُسنے شہر میں خبر دی۔ دف اور بوق بجوائے
اور لشکر کیلئے آب و علوفہ مہیا کیا۔ حضرت ام کلثومؑ نے شہر کو بد دعا دی۔
یہاں سے چلکر یہ سب ایک صومعہ کے پاس آئے۔ حضرت زین العابدینؑ نے اشعار فرمائے

ہو الزمان فما تفنی عجائبه عن الکرام ولا تھدی مصائبه

یہ وہ زمانہ ہے کہ اسکی نیرنگیاں شرفا سے دور نہیں ہوئیں اور نہ مصیبتیں کم ہوتی ہیں

فلیت شعری الی کم یحاربنا بصرفه والی کم دا نحاربه

کیا معلوم کب تک زمانہ ہم سے لڑے گا اور اسکی گردش سے کب تک ہمیں لڑنا پڑے گا

کفرتمو برسول اللہ ویلکم یا امة السوء ماھذا امذام

ویل ہو تم پر تم نے رسول اللہؐ کے ساتھ احسان فراموشی کی۔ اسے بری امت یہ کیسے طریقے ہیں

کہا گیا ہے کہ راہب پر فرق مطہرؑ کا ایسا اثر پڑا کہ وہ اس سے نور ساطع دیکھ رہا تھا اور کچھ
آوازیں سن رہا تھا جو ملائکہ کی صدائیں قیاس کی گئیں اور وہ اس سر پر سلام بھیج رہے تھے۔
صبح کو جب روانگی کا شور و غل ہوا تو راہب نے اہل لشکر سے انکے سردار کا نام پوچھا اور خولی
ابن یزید کا نام بتایا گیا۔ اُسنے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ایک خارجی کا
سر ہے جسنے عراق میں خروج کیا تھا اور اسے عبید اللہ بن زیاد نے قتل کیا۔ راہب نے
نام پوچھا۔ بتایا گیا کہ حسینؑ نام تھا باپ کا نام علیؑ بن ابیطالبؑ۔ ماں کا نام فاطمۃ الزہراؑ اور
دادا کا نام محمد مصطفےؐ تھا۔ راہب نے کہا سچ کہا تھا احبار نے کہ اس شخص کے قتل پر آسمان
سے خون برسے گا۔ پھر اُسنے کہا کہ آیا یہ ممکن ہے کہ مجھے تم یہ سر تھوڑی دیر کیلئے دیدو پھر میں
تمہیں واپس کردونگا۔ خولی نے کہا کہ یہ بجز یزید کے اور کسی کے پاس نہیں کھولا جائیگا اور
اُس سے جائزہ لیا جائیگا۔ راہب دس ہزار درہم دینے پر آمادہ ہوا۔ اور یہ لوگ راضی ہو گئے
راہب نے فرق مطہر کھولا۔ رو دیا اور کہنے لگا کہ اے ابا عبد اللہ اپنے جد بزرگوار کیسامنے میرے
کلمۂ شہادتین کی گواہی دیجیئیگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس کر دیا۔ اسکے بعد کی روایت

یہ ہے کہ جب خولی نے یہ رقم تقسیم کرنیکا ارادہ کیا تو دیکھا کہ وہ سب ٹھکریاں تھیں اور ان پر وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون (عنقریب ظالموں کو اپنا انجام معلوم ہو جائیگا) لکھا تھا سہل شہروزی کہتا ہے کہ میں نے ہاتف کو کہتے سنا کہ ؎

اترجوا امۃ قتلت حسیناً شفاعۃ جدہ یوم الحساب

کیا وہ گروہ کہ جسنے حسینؑ کو قتل کیا قیامت کے دن اُنکے نانا کی شفاعت کی اُمید کر سکتا ہے۔

اس روایت کو اکثر مورخین نے مثل ابو اسحٰق اسفرائینی۔ ابو مخنف اور صاحب صواعق نے بھی نقل کیا ہے۔

صاحب صواعق محرقہ کے موافق راہب نے نام وغیرہ سنکر کہا۔ تم پر افسوس ہے اگر عیسیٰؑ کی کوئی اولاد ہوتی تو ہم اُسے آنکھوں میں بٹھلاتے تم کیسے بُرے آدمی ہو کہ اپنے رسولؐ کے فرزند کو تم نے شہید کیا اسکے بعد روپیہ دیا اور سر کو لیکر غسل دیا۔ خوشبو سے معطر کیا اور گود میں رکھکر روتا اور دعائیں مانگتا رہا پھر مسلمان ہو گیا۔ اور مسلمان ہونیکی وجہ یہ تھی کہ اُسنے سر مطہر سے ایک نور کو آسمان کیطرف ساطع دیکھا۔ مسلمان ہونیکے بعد اُس نے دیر کی سکونت ترک کی اور اہلبیتؑ کیخدمت میں رہا۔

روضۃ الشہدا اور نور العین میں ان منازل کے واقعات میں یہ زیادہ ہے کہ قنسرین میں اہل شہر نے نہ آنے دیا یا کہا کہ اگر تم آوگے تو تم سے لڑینگے۔ اور لشکر یزید نہ جا سکا۔ روضۃ الشہداء کے موافق نصیبن پر بجلی گری اور شہر کے بڑے حصہ کو نقصان پہنچا۔ اس سے لشکر داخل نہ ہوا۔ اور ایک مقام پر دو بھائیوں میں جو دروازہ ہائے شہر پر متعین تھے اس بات پر جھگڑا ہوا کہ کسکے دروازہ سے لشکر داخل ہو اور اس خانہ جنگی سے لشکر یزید نے داخل ہونا مناسب نہ سمجھا۔ اسی مورخ کے موافق جب قافلہ قریب حلبیہ پہنچا تو اسکے قریب ایک پہاڑ تھا جسپر ایک قلعہ تھا اور اسکا نام معمورہ تھا۔ یہاں کا کوتوال عزیز بن ہارون تھا۔ یہ اور تمام اہل قلعہ یہودی تھے اور حریر بنتے تھے۔ لشکر جب پہاڑ کے نیچے ٹھہرا تو شیریں جو اہلبیتؑ کے ساتھ تھی اُسنے اپنے ملکہ حضرت شہربانو کو باحال تباہ دیکھکر نہایت افسوس کیا اور اسکے پاس کچھ چیزیں بچ رہی تھیں اس سے اُسنے ارادہ کیا کہ فروخت کرکے کچھ کپڑے خریدے

شیریں دروازہ حصار پر آئی۔ پکارا۔ دروازہ کھولا گیا۔ اہل قلعہ نے حال پوچھا بتایا (یہ بھی لکھا گیا ہے کہ عزیز ایک خواب کی بنا پر مسلمان ہو گیا تھا اور اُسے اسی عالم میں یہ کل واقعات بتائے گئے تھے) عزیز لشکر کے قریب آیا اور اپنے ساتھ کپڑے لایا۔ موکلوں کو ہزار درہم رشوت دی کہ یہ کپڑے اہلبیتؑ رسالت کو دیئے جا سکیں۔ اور لشکر کے منظور کرنے پر عزیز بخدمت امام سید الساجدین میں حاضر ہوا اور یہ چیزیں بصد عجز و الحاح پیش کیں۔ امامؑ نے قبول فرمائیں اور حضرت شہر بانو نے شیریں سے فرمایا کہ اگر تو میری خوشی چاہتی ہے تو عزیز کو اپنے شوہری میں قبول کر اور اسکے بعد شیریں کا عزیز سے عقد کر دیا گیا۔

اسی مورخ کے پاس عسقلان کے متعلق یہ قصہ بھی ہے جو میری نظر سے کہیں اور نہیں گذرا صرف اس واقعہ کے بعض ٹکڑے بلا تعین شخص اور مقام اور وقت ملتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب یزید کا لشکر عسقلان کے پاس پہونچا تو لوگ عسقلان سے جو لشکر یزید کے ساتھ کربلا میں تھا اور یہاں کی حکومت اُس سے متعلق تھی۔ شہر کی آرائش کا حکم دیا اور سامان ناے و نوش مہیا کئے۔ جس وقت اہلبیتؑ اور سرہائے شہدا گذر رہے تھے ایک سوداگر جسکا نام زریر خزاعی تھا عسقلان کی بازار میں کھڑا تھا۔ یہ حالت دیکھکر زریر نے کسی سے واقعہ دریافت کیا اور اُسنے حسب معمول کہا کہ یہ یزید کے مخالفین کا سر ہے جنہوں نے خروج کیا تھا اور یہ عورتیں جو ہودجوں میں ہیں اُسی کے اہلبیتؑ ہیں۔ زریر نے پوچھا کہ یہ جماعت مسلمان تھی یا مشرک۔ جواب ملا کہ مسلمان تو تھی لیکن باغی تھی۔ زریر نے دریافت کیا کہ خروج کی کیا وجہ تھی۔ کہا کہ انکا سردار کہتا تھا کہ میں امامت کے لیئے یزید سے سزاوار تر ہوں۔ زریر نے نام و نسب پوچھا اور جب معلوم ہوا تو زمانہ اسکی آنکھوں میں تاریک ہو گیا اور یہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ہودج کے قریب گیا۔ امام کو دیکھکر بیساختہ اُسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ امام نے دریافت فرمایا کہ تو کون ہے۔ اُسنے کہا میں یہاں مسافر ہوں۔ پوچھا تمام شہر ہنس رہا ہے تو کیوں رو رہا ہے؟ کہا۔ اسلیئے کہ میں آپ لوگوں کو پہچانتا ہوں۔ کاش میں یہاں نہ ہوتا کہ یہ حال نہ دیکھتا۔ افسوس

میں اپنے وطن اور قبیلہ سے دور ہوں ورنہ کچھ کرتا کہ یادگار رہتا۔ امام نے فرمایا کہ تجھسے بڑی یکجہتی آئی ہے۔ زریر نے التجا کی کہ مجھسے کسی امر کے متعلق فرمائش کیجائے۔ امام نے فرمایا کہ وہ شخص جو میرے پدر بزرگوار کے فرق مطہر کو اونٹوں کے محاذی لیجا رہا ہے اُسے کہو کہ وہ آگے بڑھجائے کہ لوگ اُسکے دیکھنے میں مشغول ہو جائینگے اور ہماری عورتیں حجاب میں رہینگی۔ زریر بڑھا اور موکل سر کو پچاس دینار رشوت دیکر آگے آگے چلنے پر راضی کیا اور دوبارہ گذارش کر کے کچھ کپڑے پیش کش کئے۔ (یہی روایت سہل شہرزوری کے متعلق بھی ہے) اُسوقت غل وشور سنائی دیا اور زریر نے دیکھا کہ شمر ایک جماعت کیساتھ شراب کے نشہ میں مدہوش اُچھلتا کودتا چلا آتا ہے۔ زریر کی حمیت اسلام اور غیرت دینی میں جوش آیا اور اُسنے اُسے روک کر ملامت کی۔ شمر نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے مارو۔ سبھوں نے حملہ کیا اور اپنے دانست میں مردہ سمجھکر چھوڑ دیا۔ آدھی رات کو زریر کو ہوش آیا۔ اُٹھا۔ کوئی دکھائی نہ دیا۔ چلتے چلتے ایک گورستان میں پہونچا۔ دیکھا کہ ایک جماعت سر و پا برہنہ۔ اندوہناک اور مغموم کھڑی ہے۔ زریر نے پوچھا کہ اہل شہر خوشی کر رہے ہیں تم کیوں اس حال میں ہو۔ اُن لوگوں نے کہا کہ یہ دشمنوں کی خوشی کا دن ہے اگر تو دشمنوں میں سے ہے تو چلا جا۔ زریر نے اپنا حال بتایا اور دکھایا۔ یہ لوگ غم و غصہ سے کہرہے تھے کہ کاش ہم کربلا میں ہوتے اور دشمنوں سے انتقام لیتے۔ اسکے بعد زریر نے اپنا مال فروخت کر کے گھوڑا اور اسلحہ خریدا اور ایک سو دس آدمیوں کے ساتھ روز جمعہ خروج کیا خطیب کو قتل کر ڈالا اور داروغہ شہر کو گرفتار کر لیا۔

داخلۂ دمشق اور صورت

ابی مخنف کے موافق جس روز سرہائے شہدا داخل دمشق ہوئے اُس روز دوکانیں بند تھیں اور لوگ نشہ میں پھر رہے تھے اُسوقت ایک شخص یزید کے پاس گیا اور کہا کہ ای خلیفہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ یزید نے پوچھا کس چیز سے کہا حسینؑ کے سر سے۔ یزید نے کہا تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں یہ کہکر اُسکے حبس کا حکم دیا اور ایک سو بیس نشان فوج بھیجے کہ وہ حسینؑ کے سر مبارک کے آگے آگے آئیں۔ اُسوقت ان نشان فوج کے ساتھ

اشعار

تکبیر کہی جا رہی تھی کہ کسی نے (فضلائے تابعین میں سے) کہا۔

جاؤبراسك یابن بنت محمدؐ مترملا بدمائہ ترميلا

اے دختر رسولؐ کے فرزند تیرا سر لیکر آئے ہیں جو اپنے خون میں لتھڑا ہوا ہے۔

نکاتما بك یابن بنت محمدؐ قتلوا جهاراً عامدین رسولا

اے فرزند بنت رسولؐ تیرے قتل سے گویا علانیہ عمداً رسولؐ کو قتل کیا ہے

ویکبرون اذ قتلت و انما قتلوبك التکبیر والتہلیلا

وہ اسپیر مغرور ہیں کہ تجھکو قتل کیا سچ یہ ہے کہ تیرے ساتھ تکبیر اور تہلیل کو قتل کر ڈالا

سہل کہتا ہے کہ لوگ دروازہ خیزران سے داخل ہوئے۔ آگے آگے اٹھائے سر تھے اور قیدی بغیر برقع دردا سے تھے۔ حضرت کا سر مبارک شمر کے ہاتھ میں تھا اور وہ کہتا جاتا تھا کہ میں لمبے نیزہ والا ہوں۔ میں نے ابن سید الوصیین کو قتل کیا ہے اور اُنکا سر امیر المومنین کے پاس لیکر آیا ہوں۔

سہل کہتا ہے کہ ایک لڑکی اونٹ پر بیٹھی تھی اور وا محمداہ واجداہ وا علیاہ وا ابناہ واحسیناہ وا عقیلاہ وا عباساہ وا بعد سفراہ (کیسی دوری سفر ہے) کہتی تھی۔ پس میں اُسکے قریب گیا اور کہا کہ اے سیدہ آپکا کوئی حکم ہے۔ لڑکی نے بلند آواز سے کہا کہ کیا تجھے خدا و رسولؐ سے حیا نہیں ہے کہ تو رسولؐ کے حرم کیطرف دیکھتا ہے۔ میں نے کہا کہ واللہ میں تمہاری طرف قابل اعتراض نگاہ سے نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کہا تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ میں سہل بن سعد شہرزوری ہوں میں تمہارا دوست ہوں۔ اسکے بعد میں علی بن الحسینؑ کے پاس گیا اور عرض کی کہ اے مولا کیا آپکی کوئی خواہش ہے۔ فرمایا کہ تیرے پاس کچھ درہم ہیں میں نے کہا ایک ہزار دینار۔ آپنے فرمایا کہ اسمیں سے کچھ حامل سر کو دے کہ وہ عورتوں سے کچھ دور ہٹکر چلے کہ لوگ اُسکے دیکھنے میں مشغول ہوں۔ سہل نے ایسا ہی کیا اور حضرت نے دعا دی۔

اسرائے اہلبیتؑ اور ایک بوڑھا

صاحب لہوف فرماتے ہیں کہ جب اسیران پاک و ذریت رسولؐ خدا در مسجد پر کھڑے تھے ایک مرد پیر اُنکے قریب آیا اور کہنے لگا شکر ہے کہ تمکو خدا نے ہلاک و تباہ کیا اور شہروں کو تمہارے مردوں سے پاک کیا۔ خلیفہ وقت کو تمپر قابو دیا۔ اُسوقت امام زین العابدینؑ نے فرمایا

زین العابدین۔ اے مرد پیر تو نے قران پڑھا ہے۔

مرد پیر۔ ہاں پڑھا ہے۔

زین العابدین۔ تو اس آیت کو جانتا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ

پیر مرد۔ ہاں اسکو خوب پڑھا ہے۔

زین العابدین۔ تو اب جان لے کہ قربیٰ رسول اللہ کے ہمیں ہیں اور مرد پیر تو نے سورہ بنی اسرائیل میں یہ آیت پڑھی ہے و آت ذی القربیٰ حقہ۔

پیر مرد۔ ہاں ضرور پڑھی ہے۔

زین العابدین۔ اے مرد پیر وہ ذی القربیٰ ہمیں ہیں۔ اے مرد پیر تو نے یہ آیت بھی پڑھی ہے واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ

پیر مرد۔ ہاں پڑھی ہے۔

زین العابدین۔ اے مرد پیر وہ ذی القربیٰ ہمیں ہیں۔ اے مرد پیر تو نے یہ آیت بھی پڑھی ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

مرد پیر۔ ہاں یہ آیت پڑھی ہے۔

زین العابدین۔ اے مرد پیر ہم وہی اہلبیتؑ ہیں جنکی شان میں خاص کر یہ آیت طہارت اُتری ہے۔ پس یہ سنکر وہ مرد پیر نہایت نادم و خجل ہوا اور چپ ہو گیا!!

ابراہیم بن طلحہ اور امام

صاحب ناسخ التواریخ یہ روایت لکھتے ہیں۔ کہ ابراہیم بن طلحہ بن عبداللہ نے جب سنا کہ قیدی آتے ہیں تو یہ دوڑا اور حضرت بیمار کربلا سے پوچھا:۔

"اے علیؑ بن الحسینؑ کون غالب آیا؟" یہ سُنکر حضرت نے جو محمل میں اُسوقت سر جھکائے تھے سر اُٹھایا اور فرمایا:۔

"اگر تو جاننا چاہتا ہے کہ کون غالب ہوا تو نماز کیوقت اذان اور اقامت کہو!!"

سر مبارک طشت میں

شمر اسطرح یزید کے سامنے پہنچا کہ حضرت کا سر مبارک نیزہ پر تھا۔ یزید نے طشت میں رکھے جانیکا حکم دیا۔ طشت یزید کے قریب رکھا گیا اُسوقت وہ نشہ میں تھا۔ اہلبیتؑ اور دیگر سرہائے شہدا لائے گئے اور ایک ایک کا حال بیان کیا جانے لگا۔

یزید کے سامنے واقعۂ کربلا کا طریقہ بیان

بقول ابن خلدون زحر بن قیس نے کہا "امیر المومنین کو فتح و نصرت کی بشارت دینے آیا ہوں حسینؑ بن علیؑ معہ اٹھارہ نفر اپنے اہلبیتؑ اور ساٹھ آدمی اپنے معاونین و انصار کے وارد کوفہ ہوئے ہم لوگ یہ سُنکر جلوگیری کے خیال سے اُنکی طرف گئے اور یہ امر کہ امیر المومنین کی بیعت کریں یا بر سر جنگ آئیں پیش کیا انھوں نے دوسری شق اختیار کی پس ہم لوگ بھی مستعد بجنگ ہو گئے۔ چنانچہ آفتاب کے بلند ہوتے ہی ہم لوگوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پس جبکہ چمکتی ہوئی تلواروں اور نوکدار نیزوں نے ان کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ تو جان بچا بچا کر گڑھوں اور ٹیلوں اور درختوں کیطرف بھاگنے لگے جیسا کہ باز کے خوف سے کبوتر بھاگتا ہے۔ واللہ اُنکے اس بھاگنے نے اُن کو کچھ کام نہ دیا ہماری تیز تلواروں نے انکو فرش زمین پر موت کی نیند سلا دیا۔ انکی لاشیں بے گور و کفن اسی میدان میں پڑی ہیں جنکے بدنوں پر نہ تو کوئی کپڑا ہے اور نہ اُن پر سایہ۔ اگر سایہ ہے تو آفتاب کا ہی اور کپڑا ہے تو ریگ کا۔ بیابان کی تیز و تند ہوائیں اُنکو اُلٹ پلٹ کر رہی ہیں۔ انکی زیارت کرنیوالے وحشی اور درندے جانور ہیں۔ انپر رحم کرنیوالے قرب و جوار کے گِدھ اور گدھ ہیں۔" اس خبر کے سُننے سے یزید کی آنکھیں پر اشک ہو گئیں بولا میں تم لوگوں سے بغیر قتل حسینؑ کے بھی راضی ہو جاتا اللہ تعالیٰ کی لعنت ابن سمیہ پر ہو خدا کی قسم اگر میں اسکی جگہ پر ہوتا تو میں حسینؑ سے درگذر کرتا اللہ تعالیٰ حسینؑ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ یزید یہ کہکر خاموش ہو گیا اور زحر کو کچھ صلہ نہ دیا"

یزید کی دو رُخی

اسی جگہ صاحب صواعق محرقہ کی اس روایت کا نقل کرنا حقیقت فہمی میں مدد دیگا کہ "سبط ابن جوزی وغیرہ گفتہ اند کہ مشہور است کہ یزید اہل شام را جمع نمودہ خبر کردہ و سر حسینؑ را در مجلس بنہادہ عصا از چوب خیزران کہ در دست داشت در اں میکوفت و جمع میاں این دو قول (یزید کا ابن سمیہ پر لعنت وغیرہ کرنا) باین طریق کردہ اند کہ احتمال دارد کہ یزید بحسب ظاہر انکار بر ابن زیاد و ترحم بر حسینؑ کردہ و اما در خلوت عمل ثانی از وے صادر شدہ بقرینہ آنکہ مبالغہ تمام در تعظیم و ترفع ابن زیاد کرد حتی آنکہ وے را باندرون خانہ خود کہ زنان می بودند طلب می نمود۔"

جسوقت یزید اپنے اس مکروہ فعل میں مبتلا تھا اُسکے اکثر اشعار ابی مخنف اور نور العین وغیرہ میں درج ہیں جیسے حسن میاں پھلواروی نے "غم حسین" میں تفسیر روح المعانی۔ اتحاف لحب الاشراف۔ وسیلۃ النجات اور مفتاح النجات سے نقل فرمایا ہے"

ابی مخنف میں یہ اشعار مروان کی زبانی اور پھر آگے چلکر یزید کی زبانی اور نور العین میں بہ اختلاف الفاظ یزید کی زبانی منقول ہیں۔

یزید کے اشعار، حرکت اور ابوبرزہ اسلمی

یا حبذا بردک فی الیدین۔ ولونک الاحمر فی الخدین۔ یشفیت نفسی من دم الحسین۔ اخذت ثاری وقضیت دینی

یالیت من شاهد فی حنین یرون فعلی الیوم بالحسین

(اُنکا حُسن ہاتھوں سے جلوہ گر ہے اور اُسکے رخسار ذلکا رنگ سرخ ہے میرے قلب کو حسین کے خون سے تسکین ہوئی میں نے اپنا بدلہ لیا اور قرض ادا کیا۔ کاش وہ لوگ جو حنین میں تھے آج حسین کو دیکھتے)

یزید یہ اشعار پڑھتا جاتا تھا اور حسین کے دندان مبارک کو چھڑی سے کریدرہا تھا کہ ابوبرزہ اسلمی صحابی سے نہ دیکھا گیا اور اُنھوں نے بھی قریب قریب وہی الفاظ کہے جو زید ابن ارقم نے ابن زیاد سے کہے تھے۔ یزید نے حکم دیا کہ اسے دھکّے دیکر باہر نکال دو۔

یزید کے اور اشعار

اُسوقت دیوار قصر پر ایک کوّا چیخنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے اس سے فال بد لی۔ یقین اسکے بعد وہ شعر پڑھنے لگا۔

یا غراب البین ماشئت فقل انما تندب امرا قد فعل

اے کوّے تیرا جو جی چاہے کہہ ؛؛ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا

لیت اشیاخی ببدر شهدوا مصرع الخزرج من وقع الاسل

کاش میرے وہ بزرگ موجود ہوتے جو جنگ بدر میں تھے اور جنھوں نے خزرج اور اسل کے مقتل اور واقعات کو دیکھا تھا۔

فاهلوا واستهلوا فرحا ثم قالوا یایزید لا تشل

مارے خوشی کے اُن کی باچھیں کھلی تھیں اور وہ کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں

قد قتلنا القوم من سادا تهم وعدلناه ببدر فاعتدل

ہمنے اُن کی قوم کے بزرگوں کو قتل کیا بدر کا بدلہ لیا اور بدلا برابر ہو گیا۔

لعبت ہاشم بالملک فلا خبر جاءہ ولا وحی نزل

ہاشم نے ملک کے ساتھ کھیل کھیلا نہ کوئی خبر آئی تھی نہ وحی نازل ہوئی تھی

لست من خندف ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل

میں خندف سے نہ ہوں اگر بدلہ نہ لوں بنی احمد سے جو کچھ انہوں نے کیا تھا

ان اشعار کو نوٹ کرنے کے بعد مولوی حسن میاں صاحب پھلواروی "غم حسین" میں فرماتے ہیں کہ "اسی لیے امام احمد بن حنبل اور ابن جوزی اور دیگر اکابرین محدثین یزید مردد کے ایمان ہی کے قائل نہیں"

دربار یزید میں حضرت زینب کا خطبہ

اسوقت صاحب لہوف کے موافق "روایت ہے کہ حضرت زینب نے خطبہ فرمایا جسکے مخصوص فقرات نوٹ کرتا ہوں "اے یزید تیرا گمان ہے کہ تو نے زمین و آسمان کو ہم پر تنگ کر دیا۔ ہم ذلیل ہوئے اور تو عزیز ہوا۔ اسپر خوش نہ ہو کہ دنیا تیرے لئے درست ہو گئی اور تیرے سب امور ٹھیک ہو گئے اور ملک تیرا ہو گیا۔ صبر کر۔ کیا تو ارشاد خدا بھول گیا ولا تحسبن الذین کفروا.... (اور وہ لوگ یہ نہ سمجھیں جنہوں نے کفر کیا کہ انکے نفسوں کیلئے اچھا ہوا۔ بلکہ انکا کفر اور گناہ بڑھ گیا اور انکے لیئے بڑا عذاب ہے) ان لوگوں سے کیا امید ہو سکتی ہے جنہوں نے پاکبازوں کا جگر کھایا ہو جنکا گوشت خون شہدا سے پلا ہو۔ تو اپنے بزرگوں کو بلاتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ سنکر آدینگے۔ ارے عنقریب تو بھی وہیں جائیگا جہاں وہ ہیں۔ اسوقت تو آرزو کریگا کہ کاش میں لنج ہوتا کہ جو کچھ میں نے کیا نہ کرتا اور جو کچھ کہا نہ کہتا۔ تو مومنین کی گردنوں پر مسلط ہوا ہے بہت جلد تجھے معلوم ہوگا کہ ظالموں کیلئے برا بدلہ ہے۔ اگرچہ مجھپر مصیبتیں پڑی ہیں لیکن میں تجھ سے کہتی ہوں کہ میں تیری قدر کو ذلیل جانتی ہوں اور تیری شان و شوکت کو حقیر سمجھتی ہوں۔ اور تیری سرزنش کو دشوار جانتی ہوں۔ تعجب ہے کہ شرفا و نجبا مردان خدا گروہ شیاطین کے ہاتھ سے قتل کیئے جائیں۔ خدائے تعالےٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ خدا ہی سے میری شکایت ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ تو مکر کر جو مکر کر سکے اور کوشش کر جو کر سکے بخدا تو ہمارے ذکر کو نہیں مٹا سکتا۔ ہماری شرع کو تو ضائع نہیں کر سکتا۔ ہماری درازی مدت کو نہیں پا سکتا۔ اور اس ننگ و عار کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا۔ شکر ہے خدا کا جسنے

نیکی اور بخشش سے ہمارے اول کا خاتمہ اور آخر کار رحمت اور شہادت سے انجام ہوا۔
یہ سنکر یزید نے یہ شعر پڑھا:۔

یا صیحۃ تحمد من صوائح ۔ ما اھون الموت علی النوائح

(سوگوار عورتوں کا نالہ و فغاں اچھا معلوم ہوتا ہے اور نوحہ گری سے اُن کی موت آسان ہے)

زوجہ یزید

اُسوقت بقول ابی مخنف اور کامل ابن اثیر ہند بنت عبد اللہ بن عامر بن کریز جو یزید کی بی بی تہی اور جسے یہ بہت چاہتا تھا چادر اوڑھکر دربار میں چلی آئی اور حسینؑ کا سر مبارک دیکھکر چیخ اُٹھی اور پوچھا یہ کیا ہے۔ یزید نے کہا کہ حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ کا سر ہے۔ ہند روئی اور کہا اے یزید خدا تجھے رُلائے میں علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند کا سر تیرے سامنے دیکھ رہی ہوں۔ تو نے جو کچھ کیا اُس سے اللہ و رسولؐ کی لعنت کا مستوجب ہوا۔ واللہ اب نہ میں تیری زوجہ اور نہ تو میرا شوہر ہے۔ یزید نے کہا تجھے فاطمہؑ سے کیا کام۔ ہند نے کہا کہ اُنکے باپ علیؑ اور اُنکے فرزند کی بدولت اللہ نے ہماری ہدایت کی اور ہمیں یہ کپڑا پہنایا۔ اے یزید تو کس موقع سے اللہ اور اُسکے رسولؐ سے ملاقات کریگا۔ یہ کہکر وہ روتی ہوئی باہر نکل گئی۔

راس الجالوت اور یزید

ابی مخنف میں یہ بھی لکھا ہے کہ جسوقت یزید خوشی میں تھا اور شراب پی رہا تھا کہ راس الجالوت داخل ہوا (نور العین کے موافق یہ ایک یہودی تہا اور یزید کا طبیب تھا) اُس نے یزید کے سامنے ایک سر رکھا ہوا دیکھا اور پوچھا کہ یہ کسکا سر ہے۔ کہا حسینؑ بن فاطمہؑ بنت محمدؐ کا سر ہے۔ پوچھا کہ یہ کیوں مستوجب قتل ہوا۔ یزید نے کہا کہ اسلئے کہ اہل عراق نے اسے بلایا کہ اپنا خلیفہ بنائیں اور میرے عامل عبید اللہ بن زیاد نے قتل کیا۔ راس الجالوت نے کہا کہ اُس سے زیادہ مستحق خلافت کون تھا اسلئے کہ وہ تمہارے نبی کی دختر کا فرزند تھا۔ جان اے یزید کہ مجھ میں اور داؤدؑ میں ایک سو بیالیس پشتیں گزری ہیں لیکن یہود اب تک میری عزت کرتے ہیں۔ میرے قدم کی خاک کو تبرکاً اُٹھاتے ہیں۔ اور تمہارا حال یہ ہے کہ کل تمہارا نبی تمہارے سامنے تہا اور آج تم نے اُسکی اولاد کو قتل کر ڈالا۔ تمہارا دین کیا ہے۔ یزید نے کہا کہ اگر رسولؐ نے یہ نہ کہا ہوتا کہ جو شخص کسی معاہد کو قتل کریگا

میں بروز قیامت اُسکا دشمن ہونگا تو میں تجھے قتل کر ڈالتا۔ جالوت نے کہا کہ ای یزید رسول اللہ ایک معاہد کے لئے قیامت میں تیرے دشمن ہونگے لیکن کیا اپنی اولاد کے قتل پر تیرے دشمن نہ ہونگے۔ اسکے بعد وہ سر مبارک سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ یا ابا عبداللہ آپ اپنے جد بزرگوار کے سامنے میرے کلمہ شہادتین کے گواہ ہوجیے گا۔ یہ سنکر یزید نے کہا کہ اب تو اپنے دین سے نکل گیا اور دین اسلام میں داخل ہوا۔ اب میں تیرے خون سے بری ہوں یہ کہکر اُسکی گردن مارنے کا حکم دیا۔

ایسی ہی روایت جاثلیق نصرانی کی ہے۔ اور ایسی ہی ہم مفہوم روایت ایک کنیز کی بھی ہے۔ اس کنیز نے جاثلیق کیطرح بعض مافوق الفطرت مناظر دیکھے تھے۔ نور العین کے موافق یزید نے اسکے قتل کا حکم دیا اور ایک عیسائی نے اُسے قتل کر ڈالا۔

کامل بن اثیر کے موافق حضرت کا سر مبارک عورات کی نگاہ کے سامنے نہ تھا جب ان لوگوں نے گردن اُٹھا کر دیکھا تو رو دئیں اور یزید کی عورتیں بھی رو دیں۔

یزید اور حضرت ام کلثوم و سکینہ

جب مخدرات اہلبیت یزید کے سامنے کھڑے تھے اور ایک ایک بی بی کا نام لیا جا رہا تھا یزید نے کہا اے ام کلثوم خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا اے ابن طلقا تیرے حرم پس پردہ بیٹھے ہیں اور رسول اللہ کے حرم بغیر پردہ کے ہیں جنھیں ہر نیک و بد یہود و نصاریٰ دیکھ رہے ہیں۔ یزید غصہ میں آیا لیکن بعض مصاحبین نے کہا کہ یہ عورتیں ہیں انسے مواخذہ نہ کر۔ اب یزید نے حضرت سکینہ کیطرف سر اُٹھایا اور کہا کہ اے سکینہ تیرے باپ نے امر خلافت میں مجھ سے نزاع کی اور قطع رحم کیا۔ حضرت سکینہ کا دل بھر آیا اور فرمایا اے یزید میرے باپ کے قتل پر خوش نہ ہو۔ وہ بندہ خدا تھے۔ خدا نے اُنھیں طلب کیا اور اُنھیں قبول فرمایا اور اسوجہ سے اپنے لئے بزرگی مہیا کی۔ لیکن تو اے یزید خدا کے نزدیک مستحق عقوبت ہوا۔ اب اپنے نفس کو جواب کیلئے تیار رکھ۔ یزید نے کہا جب رہو اے سکینہ حسین کا کیا حق تھا۔ انھوں نے زیادتی کی اور اللہ نے انھیں عاجز کیا اور مجھے نصرت دی۔

ایک شامی کا سوال اہلبیت اور یزید

اسکے بعد ایک واقعہ جسے اکثر مورخین نے لکھا ہے جنمیں ہیں ابی مخنف۔ کامل بن اثیر

نور العین اور ناسخ التواریخ کا نام لیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اسوقت ایک شامی کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ اے یزید میری خواہش ہے کہ تو اس لڑکی کو مجھے دیدے کہ وہ میری خادمہ ہو! (بعض میں سکینہ بعض میں فاطمہ صغرا کے متعلق ہے) حضرت سکینہ حضرت ام کلثوم سے لپٹ گئیں اور فرمایا کہ اے پھوپھی کیا آپ نہیں دیکھتی ہیں کہ یہ ملعون کیا کہتا ہے کیا اولاد انبیا بھی خادموں کیطرح تقسیم ہوجاتی ہے۔ حضرت ام کلثوم یا حضرت زینب نے فرمایا۔ چپ رہ اے ذلیل بنات انبیا خادمہ نہیں ہوتیں اسکا نہ تجھے اختیار ہے نہ یزید کو۔ یزید نے کہا جھوٹی ہے تو مجھے اختیار ہے۔ حضرت نے فرمایا ہرگز تیرے اختیار میں نہیں ہے جبتک ہماری ملت سے نکلکر دوسرے دین میں داخل نہ ہو۔ یزید غصہ میں آیا اور کہا تو یہ کہتی ہے تیرا باپ اور بھائی دین سے نکل گیا تھا حضرت نے فرمایا۔ میرے باپ اور بھائی کے دین سے تیرے باپ دادا نے ہدایت پائی۔ یزید نے کہا جھوٹی ہے تو۔ اے دشمن خدا! حضرت نے فرمایا۔ تو بادشاہ ہے اپنی حکومت سے ہم پر جبر کر رہا ہے یہ سنکر یزید شرمایا اور چپ ہو گیا۔

(کامل)

نعمان بن بشیر اور یزید

ابن خلدون عقد الفرید سے نقل کرتا ہے کہ "جسوقت قیدیان اہلبیت امام۔ یزید کے روبرو پیش کئے گئے نعمان بن بشیر انصاری نے کہا ذرا سوچو کہ رسول اللہ (صلعم) ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے تھے اگر وہ اس حالت میں ان لوگونکو دیکھتے تو کیا کہتے یزید نے کہا تم سچ کہتے ہو ان لوگونکو آزاد کرکے رہنے کیلئے خیمہ استادہ کر دو"

یزید اور امام زین العابدین

اسکے بعد یزید علیؑ ابن الحسین کیطرف مخاطب ہوا اور پوچھا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا کہ یہ علیؑ ابن الحسین ہیں۔ اسنے کہا لوگ کہتے ہیں کہ علیؑ ابن الحسین مارے گئے لوگوں نے کہا ہاں وہ بڑے تھے اور یہ انسے چھوٹے ہیں۔ اب یزید نے حضرت علیؑ ابن الحسین سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے باپ نے ارادہ کیا تھا کہ وہ خلیفہ ہو جائے۔ شکر ہے اس خدا کا جسنے مجھے اسپر قدرت دی اور تمہیں ہمارا اسیر کیا اور تمام قریب و بعید آزاد اور غلام تمہیں دیکھ رہے ہیں اور تمہارا کوئی مددگار اور کفیل نہیں ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو میرے باپ سے زیادہ خلافت کا مستحق ہو۔ وہ تمہارے نبی کی دختر کے

فرزند تھے اے یزید کیا تو نے خداوند تعالےٰ کا کلام نہیں سُنا کہ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرئھا ان ذالک علی اللہ یسیر لکےلا تاسوعلی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتٰکم واللہ لا یحب کل مختال فخور (دنیا میں اور تمہارے نفس کو کوئی مصیبت نہیں پہونچتی مگر یہ کہ قبل از ظہور وہ کتاب میں مسطور ہے اور یہ خدا پر آسان ہے تاکہ تم گذشتہ پر غمگین اور عطیات سے خوش نہ ہو اور خدا ڈینگیں مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا) یہ سنکر یزید غصّہ میں آیا اور قتل کا حکم دیا۔ (ابی مخنف) اُسوقت حضرت ام کلثومؑ نے اشعار پڑھے جنکا پہلا یہ ہے کہ۔

انا دیک یا جدّ اہ یا خیر مرسل حبیبک مقتول ونسلک ضایع

مین آپ کو پکا۔ تی ہوں اے نانا اے خیر مرسل آپکا حبیب مقتول اور نسل ضایع ہو گئی۔ اسوقت عورتیں حضرت کے گرد آگئیں اور حضرت ام کلثومؑ نے فرمایا کہ اے یزید تو نے اہلبیتؑ کا خون گرایا اور بجز اس بچہ کے کوئی نہیں رہا ہے جو عورتوں کا محرم ہو۔

اسوقت کا مجمع حکم قتل کی واپسی کا موجب ہوا

ابی مخنف کہتا ہے کہ اسوقت عورتیں۔ مرد اور بچے ٹڈیوں کی طرح جمع تھے اور دیکھ رہے تھے۔ یزید کے دل پر رعب اور خوف طاری ہوا کہ لوگوں کا اہلبیتؑ کیطرف میلان نہ ہو اور فتنہ نہ کھڑا ہو جاے اور قتل سے باز رہا۔

یزید کا خطیب اور امام

کون تھا جو یزید کو اُسکے وحشیانہ ہنسی اور استہزا سے باز رکھتا اب اُسنے بقول ابو اسحٰق اسفرائینی اپنا خطیب بلایا جو خوش تقریر اور فصیح اللّسان تو بہت تھا مگر اُسکو خدا کی معرفت کم حاصل تھی۔ یزید نے اُسکو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کر کے منبر پر چڑھکر علیؑ اور اُسکی اولاد کو گالیاں دے۔ اُسنے حکم کی تعمیل کی اور حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ اور اُنکی اولاد رضوان اللہ علیہم کو پیٹ بھر کر گالیاں دیں اور یزید کی تعریف جی کھولکر کی۔ جب علی بن الحسینؑ نے یہ سُنا تو چلا کر کہا او نا معقول خطیب تو نے اپنے رب کو ناراض کیا اور بندے کو خوش کیا۔ پھر یزید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا مجھے اجازت ہو کہ منبر پر چڑھکر وہ باتیں سناؤں جنسے خدا راضی ہو اور لوگوں کو فائدہ پہونچے۔ یزید نے منظور نہ کیا۔ حاضرین نے کہا اُسکو کیوں اجازت نہیں دیجاتی۔ یزید نے کہا حاضرین میں اس لڑکے کو

امامؑ منبر پر جانیکی اجازت چاہتے ہیں

جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ یہ اہلبیت بڑے چھوٹے سب کے سب حکمت علمی میں کمال رکھتے ہیں۔ یہ ابو تراب کی نسل ہیں سانپ کا بچہ سنپولیا ہوتا ہے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ تجھے خدا کی قسم اس لڑکے کو بھی کچھ بیان کر لینے دے۔ یزید نے اجازت دی کہ اچھا بیان کرو (بعض مورخین کے موافق یزید نے کہا قل ولا تقل ھجرا۔ کہو لیکن ہذیان نہ بکنا)

امام منبر پر

علی بن الحسین یہ سنکر منبر پر چڑھے۔ پہلے خدا کی حمد کی پھر رسول صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم پر درود بھیجا اسکے بعد یوں تقریر شروع کی:-

"لوگو! دنیا اور دنیا کی چیزوں سے ڈرو یہ زوال کا گھر ہے۔ اسنے گذشتہ قوموں کو فنا کیا حالانکہ وہ مال اور عمروں میں تم سے بڑھکر تھے۔ مٹی نے اُنکے گوشت کو کھالیا۔ اُن کے نشانات مٹ گئے۔ کیا تمکو اُنکے بعد ہمیشہ زندہ رہنے کی آرزو ہے؟ یہ بات محال ہی محال ہے تم کو بھی اسی راستہ سے اُنسے جا ملنا ہوگا۔ اپنی گذشتہ عمر پر افسوس کرکے آیندہ کے لیئے تلافی کی کوشش کرو اور بقیہ عمر میں نیکی کمالو۔ عنقریب تمکو محلوں سے نکال کر قبروں میں داخل کیا جائیگا۔ تمہارے اعمال کا حساب لیا جائیگا۔ واللہ بہت سے گنہگار حسرت سے اپنی اُنگلیاں کاٹینگے۔ اور بہت سے آن بان والے مصائب میں مبتلا ہونگے مگر اسوقت افسوس و ندامت کچھ کام نہ آئیگی۔ ہر شخص کا عمل اُسکے آگے آئیگا۔

لوگو جو شخص مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا اُسکو یاد رکھنا چاہیئے کہ میں علی بن الحسین بن علیؑ ہوں۔ میں فاطمہؑ زہرا کا بیٹا ہوں۔ میں خدیجہ کبریٰ کا بیٹا ہوں۔ میں مکہ و منیٰ کا بیٹا ہوں۔ میں مروہ و صفا کا بیٹا ہوں۔ میں اُس پیغمبرؐ کا بیٹا ہوں جسنے فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں اُس نبیؐ کا بیٹا ہوں جسکو خدا کا قرب حاصل ہے۔ جو شفاعت کبریٰ کرے گا۔ جو حوض کوثر کا مالک ہے۔ جو دلائل و معجزات والا ہے۔ جو صاحب قرآن ہے جو صاحب فضائل ہے۔ جو مقام محمود والا ہے۔ جو صاحب کرم و جود ہے۔ جو تاج پیغمبری پہننے والا ہے۔ جو براق کا سوار ہے۔ جو بنی اسمٰعیل میں انتخاب ہے۔ جو صاحب تاویل ہے۔ میں اُس امام کا بیٹا ہوں جسکو ظلم سے شہید کیا گیا ہے۔ جسکا سر گردن کی طرف سے کاٹا گیا ہے۔ جو پیاسا شہید کیا گیا۔ جو کربلا میں شہید کیا گیا۔ جسکا عمامہ اور چادر دشمنوں نے

حسین۔ یہ جس کے ماتم میں آسمان کے فرشتے رو دیئے۔ لوگو اللہ تعالےٰ نے ہمکو ایک اچھی مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ ہم میں ہدایت کا جھنڈا نصب کیا اور ہمارے مخالفوں پہ ہلاکت کا جھنڈا گاڑا۔ اور ہمکو دنیا بھر کے لوگوں پر فضیلت بخشی۔ ہمکو وہ باتیں عطا کیں جو دنیا میں کسی کو میسر نہیں ہوئیں۔ ہم میں پانچ خوبیاں ایسی جمع کیں جو مخلوق میں کسی شخص میں جمع نہیں ہوئیں۔ یعنی علم۔ شجاعت۔ سخاوت۔ خدا کی محبت۔ رسولؐ کی محبت۔ امام جعفرؑ صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس تقریر نے حاضرین پر بجلی گرادی ہر طرف آہ و بکا کا شور بلند ہوا۔ یزید نے چاہا کہ علیؑ رضی اللہ عنہ کی بات کاٹے اسلیئے اُسنے موذن کو حکم دیا کہ اذان کہو۔ موذن نے اذان شروع کی۔ اللہ اکبر (۴ مرتبہ) اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (۲ مرتبہ) پھر اسکے بعد جب کہا اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدً الرَّسُوْلُ اللّٰہ (بقول ابومخنف اُسوقت امام رو دیئے) تو علیؑ رضی اللہ عنہ نے موذن سے پکار کر کہا خدا کے لیئے ذرا ٹھہرو۔ موذن چپ ہو گیا۔ پھر یزید سے مخاطب ہو کر کہا۔ بتاؤ محمدؐ میرے نانا ہیں یا تیرے؟ یزید نے کہا وہ تیرے نانا ہیں۔ اُنہوں نے کہا تو پھر کیوں تو نے اُنکی اولاد کو قتل کیا اور کیوں اُنکے حرم کو قید کیا۔ اس بات سے لوگوں پر رقت طاری ہو گئی۔ اور سب رو دیئے اور کہنے لگے یہ واقعہ اسلام کی بھاری مصیبت ہے"

صاحب روضۃ الشہدا کہتا ہے کہ جسوقت سید الساجدین "انا ابن" فرماتے تھے تمام دمشق چیخ اُٹھتا تھا۔ اور ایک ماتم کدہ معلوم ہوتا تھا۔ (اسکے بعد بقول ابی مخنف یزید محل میں چلا گیا اور کہا ہمیں نماز کی ضرورت نہیں ہے۔)

اسی مورخ کے نزدیک جب لوگ امامؑ کے بعض فقرات سے متاثر ہوئے تو یزید ڈرا کہ امام کی محبت ان لوگوں کے قلوب میں پیدا نہ ہو اور فتنہ نہ کھڑا ہو۔ یزید نے اُن لوگوں سے جنہوں نے امامؑ کے خطبہ کہنے کا اصرار کیا تھا کہا کہ اسے منبر پر چڑھا کر تم نے میرے ملک کے زوال کا ارادہ کیا تھا۔ یزید نے یہ بھی کیا کہ اجزائے قرآن کو مسجد میں اس غرض سے بانٹنا شروع کرایا کہ نماز پڑھکر لوگ اُسکے دیکھنے میں مشغول ہوں اور حسینؑ کا ذکر نہ کریں۔

تقریر کا اثر دور کرنیکے لیئے موذن بلایا گیا

یزید سے امام کا خطاب

خیال بدلنے کیلئے اجزائے قرآن کی بانٹائی

قتل حسینؑ کے متعلق یزید کا تجاہل اور اظہار حقیقت

ابو اسحٰق کہتے ہیں:۔

رو یہ عالت دیکھکر یزید کو اپنی جان کا خوف ہوا اور یہ کہنے لگا۔ اے لوگو تم یہ سمجھتے ہو کہ مینے حسینؑ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔ حسینؑ کو جسنے قتل کیا ہو اُسپر خدا کی لعنت ہو۔ اسکو عبید اللہ بن زیاد گورنر بصرہ نے قتل کیا ہے۔ پھر اُسنے حکم دیا کہ جو لوگ حسینؑ رضی اللہ عنہ کا سر لائے ہیں اُنکو حاضر کیا جاوے تاکہ اُن سے دریافت کیا جائے کہ حسینؑ رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ کسطرح ہوا۔ جب سب لوگ حاضر ہوے تو ابن ربعی سے یزید نے کہا کہ ا۔ کیوں بھئی سچ بتا کیا مینے تجھکو حسینؑ رضی اللہ عنہ کے قتل کیلئے کہا تھا اُس نے کہا ہرگز نہیں۔ خدا کی لعنت ہو اُسپر جسنے اُسکو قتل کیا ہے۔ اسیطرح وہ ہر ایک سے سوال کرتا تھا اور سب کے سب یہی جواب دیتے تھے یہانتک کہ حصینؑ بن نمیر کی نوبت آئی تو اُسنے بھی یہی جواب دیا۔ پھر وہ کہنے لگا۔ اگر حکم ہو تو اُسکے قاتل کا صحیح صحیح پتہ بتا دوں۔ یزید نے کہا ہاں بتاو۔ اُس نے جان کی امان مانگی۔ یزید نے کہا تجھے امان ہے۔ وہ بولا اے امیر یہ اُس شخص کا کام ہے جسنے جھنڈے نصب کیے۔ مال خرچ کیا اور لشکر تیار کیا اور خطوط بھیجکر کسی کو ڈرایا کسی کو ترغیب دی۔ یزید نے پوچھا تو پھر یہ کام کسنے کئے۔ وہ بولا تم نے۔ یزید یہ سنکر غصہ کا گھونٹ پیکر رہگیا اور اپنے گھر جاکر وہ طشت سامنے رکھا جسمیں امام الحسینؑ رضی اللہ عنہ کا سر تھا اور اپنا سر پیٹنا شروع کیا۔ بقول ابی مخنف کہتا تھا کہ دو مجھے کیا ہوا تھا کہ مینے حسینؑ کو قتل کیا۔ انتہیٰ ذایت روضۃ الشہدا اللہ ابی مخنف میں بھی ہے۔

چند اشعار اور یزید

انہیں اندوہناک وقتوں میں سے کسیوقت یحییٰ بن حکم نے کچھ اشعار پڑھے جنکا مفہوم یہ تھا کہ زیاد کی اولاد رنگ بیان سے بڑھگئی اور رسولؐ کی نسل باقی نہ رہی۔ یہ سنکر یزید نے بقول کامل بن اثیر اُسکے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا چپ رہ۔

رومی دربان

اہلبیتؑ طہارت جس قیدخانہ میں تھے اُسکے دربان رومی مقرر کئے گئے تھے۔

یہ بھی روایت ہے کہ کسی دن غالبًا اُسوقت جبکہ ان مفہوم کے فقرات ادا ہوے تھے کہ اگر جناب رسالتمآبؐ اہلبیتؑ کو اس عالت میں دیکھتے تو کیا کہتے۔ یزید نے سوہان علیہ

نمائش احسان

اور خود سے حضرت امام زین العابدین کا طوق کاٹا اور وجہ ظاہر کی کہ میں نے چاہا کہ سوا میرے اور کسی کا تم پر احسان ہو۔

منہال اور امام

دمشق کے دوران قیام ہی کسی روز منہال بن عمر سے حضرت سجادؑ سے ملاقات ہوئی منہال نے پوچھا اسیر امام سے فرمایا وہ اسکا حال کیا پوچھتا ہے جسکا باپ مقتول۔ مددگار کم اور حرم اسیر ہوں.... عرب عجم پر اسلئے فخر کرتے ہیں کہ محمدؐ رسول اللہ ہم میں سے ہیں اور یہی ادّعا قریش کا ہے۔ ہم اُنکے اہلبیتؑ ہیں لیکن مقتول اور مظلوم ہیں.... امام کے فقرات سنکر رونے کا شور بلند ہو گیا۔

نرمی اور ماتم پرسی

بہت جلد یزیدؔ کو یہ طے کرنا پڑا کہ اہلبیتؑ کے ساتھ مزید تشدد ممکن نہیں اب اُنھیں ایک مکان دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ضروریات کی کل چیزیں اُنکے لیے مہیا کی جائیں۔ حکومت کی نرمی دیکھکر تمام دمشق میں کوئی قریشی عورت نہ تھی جو سوگوار و نگی صورت سے اہلبیت کے پاس نہ گئی ہو اور اب حسینؑ کی شہادت کے بعد اہلبیتؑ کی آنکھوں سے آزاد آنسوؤں کی سیل بہا ہم دمشق میں بھی۔ غالبًا اہلبیتؑ سات دن دمشق رہے اور دوران قیام میں ان کے لیے کوئی دوسرا مشغلہ بجز اسکے نہ تھا کہ حسینؑ اور اپنے ممتاز افراد عالم پر آنسو بہاتے۔

باب سیزدہم

اہلبیتؑ

علیہم السلام

سفر

سات دن کے بعد یزید نے کچھ ریشمی کپڑے اور روپیہ منگوایا اور حضرت ام کلثومؑ سے کہا کہ اسے حسینؑ کے عوض میں قبول کرو۔ اور سمجھ لو کہ اُنھوں نے رحلت کی حضرت نے فرمایا کہ کسقدر سخت دل ہے تو کہ میرے بھائی کو قتل کر کے مجھے عوض میں مال دیتا ہے۔ واللہ یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔ ابی مخنف کے موافق یزیدؔ نے ہر ایک کے لحاظ سے کچھ مال اور ریشمی کپڑے منگوا کے بعد ساتھ کر دیا۔ محملیں درست کی گئیں اور ایک شخص (ابن خلدون کے

موافق نعمان بن بشیر جو متدین اور باایمان شخص تھا، معہ کچھ سواروں کے (ابی مخنف کے موافق پانچسو) نگہبانی اور آرام سے مدینہ پہونچا دینے کیلئے مقرر کیا گیا۔

امام زین العابدین علیہ السلام کیا طلب فرماتے ہیں

بعض روایات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ یزید نے حضرت امام زین العابدین سے تین خواہشیں پوری کرنے کا وعدہ کیا۔ حضرت نے پہلی خواہش یہ فرمائی کہ مجھے میرے باپ کا سر دکھا دے دوسرے یہ کہ ہمارا لوٹا ہوا اسباب واپس کردے۔ تیسرے یہ کہ اگر میرے قتل کا ارادہ ہے تو کسی کو مقرر کرکے ذریت رسولؐ کو وطن پہونچا دے۔ یزید نے کہا کہ تم اپنے باپ کا سر کبھی نہ دیکھو گے تمہارے قتل سے میں باز آیا۔ تمہارے سوا عورات کو کوئی نہ لیجائیگا۔ اور تمہارا جو اسباب لوٹا گیا ہے اُسکے عوض میں المضاعف دوسرا دےسکتا ہوں۔ وہ نہیں ملسکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمیں تیرا مال درکار نہیں ہے۔ میں اپنا اسباب اسلیئے مانگتا ہوں کہ اُسمیں میری دادی فاطمہؑ بنت محمدؐ کا ایک چرخا ہے۔ ایک مقنع ایک گلوبند اور ایک کرتہ ہے تب یزید نے حکم دیا کہ وہ سب اسباب واپس کردیا گیا۔

راہبر کا لحاظ

قافلہ دمشق سے روانہ ہوا۔ راہبر آگے آگے اور روانگی کیوقت سب کے آخر میں چلتا تھا۔ خدمات لائقہ کو اچھی طرح انجام دے رہا تھا۔ بقول ابو اسحٰق اسفرائینی یہ قافلہ بصفر کو کربلا پہونچا۔ یہاں جابرؓ بن عبد اللہ انصاری سے ملاقات ہوئی جو زیارت قبر حسینؑ کو آئے ہوئے تھے۔ یہاں پہونچکر قیام کیا اور ماتم برپا کیا۔ لہوف کے موافق بنی ہاشم کے کچھ مرد بھی ستھے۔ کربلا میں "کئی دن" اسی حالت سے رہے۔ اور وہاں کی عورتیں بھی رونے پیٹنے میں شریک رہیں۔

۲۰ صفر کو کربلا میں

قریب مدینہ قیام اور بشیر سے شعر کہنے کی خواہش کی

صاحب لہوف فرماتے ہیں "بشیر ابن جزلم (نعمان بن بشیر) بیان کرتا ہے کہ جب ہم قریب مدینہ پہونچے تو امام زین العابدین نے ایک جگہ قیام فرمایا۔ اسباب سفر اُتروایا۔ خیمہ برپا کیا اور حرم محترم بھی اُترے۔ حضرت امام نے مجھ سے فرمایا کہ اے بشیر خدا تیرے باپ پر رحمت کرے وہ شاعر تھا تو بھی کچھ شعر کہتا ہے۔ میں نے عرض کی یا ابن رسولؐ اللہ میں بھی شعر کہتا ہوں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تو مدینہ میں جا اور حضرت اباعبد اللہ الحسینؑ پر شعر کہہ۔ بشیر کہتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور مہمیز کیا یہانتک کہ میں مدینہ میں پہنچا

جب میں مسجد رسولؐ کے قریب آیا تو آہ و فغاں و شور و فریاد (ترجمہ میں غم کے الفاظ کی کثرت نے رفعت صوتی بالبکاء (مینے رونیکے لئے اپنی صدا بلند کی یا چیخ کر رویا) کا مرثیہ ضایع کر دیا) چلا کر یہ اشعار پڑھے :-

بشیر کے اشعار

یا اھل یثرب لا مقام لکم بھا ۔ قتل الحسین فادمعی مدرار

اے اہل مدینہ اب یہ شہر تمہارے رہنے کے قابل نہ رہا ۔ حسینؑ شہید ہوئے اور میری آنکھوں سے لہو کے آنسو بہتے ہیں

الجسم منہ بکربلا مضرج ۔ والراس منہ علی القناۃ یدار

کربلا میں اُن کا جسم خون میں لتھڑا پڑا ہے ۔ اور اُنکا سر نیزہ پر پھرایا جاتا ہے

عورات مدینہ استقبال کیلئے جاتی ہیں

دوسرے پکار پکار کر کہا کہ اے اہل مدینہ علیؑ بن الحسینؑ اپنی پھوپھیوں بہنوں اور عورتوں کو لیکر یہاں آئے ہیں اور تمہارے قریب اُترے ہیں مجھکو تمہارے پاس اسلئے بھیجا ہے کہ تم سب کو اُن حضرت کے مقام سے آگاہ کروں۔ یہ سنکر کوئی عورت پردہ والی مدینہ میں نہ تھی کہ سر کھولے بال بکھرے مُنہ پیٹی روتی چلاتی فریاد فغاں گریہ وزاری کرتی ہوئی باہر نہ نکل آئی ہو۔ میں نے اُس دن سے زیادہ رونے والے نہیں دیکھے۔ اور رسول اللہ کی وفات کے بعد مسلمانوں پر ایسا دن نہیں گذرا۔ میں نے ایک لڑکی کو امام حسینؑ کے غم میں یہ نوحہ کرتے سُنا :-

نعی سیدی ناع نعاہ فاوجعا ۔ وامرضنی ناع نعاہ فافجعا

ایک مخبر نے مجھے میرے سردار کی خبر سنا کر دردمند کیا اور اس سنانی نے مجھے بیمار کر دیا۔

فعینی جودا بالدموع واسکبا ۔ وجودا بدمع بعد دمعکما معا

اے میری آنکھو روئے میں دریغ نہ کرو اور پے در پے آنسو بہاؤ

علی من دھا عرش الجلیل فزعزعا ۔ فاصبح ھذا المجد والدین اجدعا

ایسے شخص پر جسکی مصیبت عرش پر پہونچی اور اُسے ہلا دیا۔ اب دین بزرگ بے ناک ہو گیا

علی ابن نبی اللہ وابن وصیہ ۔ وان کان عنا شاحط الدار اشسعا

ایسے شخص پر جو نبی اللہ اور اُنکے وصی کا فرزند تھا ۔ اگرچہ ہم اُس سے بہت دور ہیں ہو

لوگوں کا ہجوم اور امام کی حالت

بشیر کہتا ہے کہ اسکے بعد میں نے بھی گھوڑے کو مہمیز کیا فیا مگاہ کے قریب پہونچکر دیکھا کہ لوگوں کا

اسقدر ہجوم ہے کہ راہ پانا دشوار ہے۔ آخر میں اپنے گھوڑے سے اُترا اور صفوں کو چیرتا ہوا بمشکل در خیمہ پر پہونچا۔ حضرت علیؑ بن الحسینؑ خیمہ میں تھے۔ وہ حضرت باہر تشریف لائے۔ دست مبارک میں ایک رومال تھا جس سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ اور اُنکے پیچھے ایک خادم کرسی لئے آرہا تھا۔ اُس نے کرسی رکھدی حضرت اُسپر بیٹھ گئے۔ جوش رقت سے آپ رونیکو ضبط نہ کرسکتے تھے۔ تمام لوگوں کے رونے چلّانے کی آواز ہر طرف سے بلند تھی۔ لوگ حضرت کو پرسا دیتے تھے اُس جگہ نہایت ہی شدت سے ماتم برپا ہوا۔ حضرت نے سب کو ہاتھ سے اشارہ کیا وہ سب فوراً چپ ہوگئے اُسوقت آپنے کہا:۔

خطبہ

ایہا الناس! خدا ہی کیلئے حمد ہے جسنے بڑی مصیبتوں سے ہمارا امتحان لیا۔ ہماری مصیبت اسلام کیلئے ایک بڑا رخنہ ہے اور خلق اللہ کیلئے ایک بڑی مصیبت ہے۔ میرے پدر بزرگوار اُنکی عترت اور اُنکے انصار شہید ہوئے۔ اُنکے اہل و عیال قید کئے گئے۔ اُنکا سر نیزہ پر رکھکر شہروں میں پھرایا گیا۔ یہ ایک مصیبت ہے جو تمام مصیبتوں سے بڑھ گئی۔ اے لوگو تم میں سے کون ہے کہ حسینؑ کے قتل کے بعد خوش ہو۔ اور کون ایسا دل ہے جو اُنکی شہادت پہ غمگین نہ ہو۔ اور کون ایسی آنکھ ہے جو آنسوؤں کو محبس کرلے اور بخل کرے۔ اُنکے قتل پر ساتوں آسمان رو دئے۔ سمندر اپنی موجوں سے۔ سماوات اپنے ارکان سے زمین اپنے اطراف سے۔ درخت اپنی شاخوں سے۔ مچھلیاں دریاؤں کے تلاطم میں۔ ملائکہ مقربین اور اہل سماوات اپنے طریقہ سے۔ کون سے کان ہیں جنہوں نے اسلام کی اس مصیبت کو سُنا ہو اور بہرا نہ ہوگیا ہو۔ ایہا النّاس۔ ہماری صبح اس طور سے ہوئی کہ ہم آوارہ و ذلیل پریشان رسوا شہروں میں پھرائے گئے حالانکہ ہمنے کوئی جرم نہیں کیا تھا نہ کسی مکروہ فعل کے مرتکب ہوئے۔ نہ ہمنے اسلام میں کوئی رخنہ ڈالا تھا۔ اور نہ ہم نے کوئی بری بات کی تھی۔ خدا جانتا ہے کہ اگر رسولؐ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے قتل کیلئے حکم دیتے تو لوگ اس سے زیادہ نہ کرسکتے جو کچھ کیا گیا۔

(از لہوف و غم عینین و نور العین)

حضرت محمد حنفیہؓ کی آہ

حضرت محمد حنفیہؓ بیمار تھے مگر وہ بھی خبر سُنکر آئے تھے۔ اور ناسخ التواریخ کے موافق سیاد علم دیکھکر گر پڑے اور پوچھا اے بھتیجے میرا بھائی کہاں ہے؟"

حضرت سجاد نے فرمایا "اے چچا ہم یتیم ہو گئے اور حضرت ابا عبداللہ شہید ہوئے۔ کاش ہوتے آپ اور دیکھتے اپنے بھائی کو کہ کسطرح استغاثہ کرتے تھے۔ اور مدد چاہتے تھے لیکن کوئی نصرت نہیں کرتا تھا۔ کل جانداد سیراب تھے لیکن حسین کو پانی نہیں ملتا تھا۔

بقول نور العین حضرت محمد حنفیہ نے فرمایا "اے میرے پیارے بھائی کاش میں تیرے ساتھ ہوتا اور تجھپر اپنی جان قربان کرتا"!

حضرت ام سلمہ

بقول ناسخ التواریخ حضرت ام سلمہ اپنے فرزندوں کا نام نہیں لیتی تھیں بلکہ حسین کا نام لیکر روتی تھیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جسوقت خطبہ فرما چکے صوحان بن صعصعہ بن صوحان جو لنگڑے تھے سہارے سے کھڑے ہوئے اور عذر کیا کہ میں لنج تھا اسوجہ سے نصرت امام میں شریک نہ ہو سکا۔ حضرت نے اُنکے عذر کو منظور کیا حسن ارادت کا شکریہ ادا کیا اور اُن کے باپ کیلئے خدا سے طلب رحمت کی۔

حضرت ام کلثوم نے مدینہ کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

حضرت سیدہ ام کلثوم کے اشعار مدینہ کو مخاطب کرکے۔

مدینۃ جدّنا لا تقبلینا فبالحسرات والاحزان جئنا

اے نانا کے مدینہ ہمیں چشم نمائی نہ کر۔ ہم بڑی حسرتوں اور اندوہ کے ساتھ آرہے ہیں۔

خرجنا منک واھلین جمعا رجعنا لا رجال ولا بنینا

ہم معہ خاندان کے تجھسے باہر گئے تھے۔ اب اس حال سے آرہے ہیں کہ نہ ہمارے مرد باقی ہیں نہ اولاد۔

وکنّا فی الخروج علی المطایا وجئنا خائبین ومسبئینا

جاتے وقت ہم لوگ سواریوں پر سے تھے اب بدحالی سے واپس آئے ہیں۔

ومولانا الحسین لنا انیسا رجعنا لا حسین ولا معینا

اسوقت ہمارے مولا حسین ہمارے ساتھ تھے اب واپسی میں نہ حسین ہیں نہ کوئی مددگار

فلا عیش یدوم لنا لعمر وزین الخلق مدفون حزینا

کوئی عزت کی زندگی ہمارے لئے دوامی نہیں ہے زین خلق بحالت حزن مدفون ہے

نحن بنات یٰسین وطٰہ ونحن الباکیات علی ابینا

ہم یٰسین اور طٰہٰ کی بیٹیاں ہیں ☆ ☆ جو اپنے بزرگوں پر رو رہے ہیں ☆

ونحن الصابرون علی البلایا ونحن الباکیات ولا معینا

ہم لوگ بلاؤں پر صبر کرنے والے ہیں ہم گریاں ہیں اور کوئی معین نہیں ہے

وقد ھتکوا محارمنا وصرنا علی الاقتاب جھرا اجمعینا

انھوں نے ہماری ہتک حرمت کی اور ہمیں کھلے چہروں سے پالانوں پر بٹھایا

وزینب اخرجوھا من خباھا وفاطمۃ وما احد معینا

انھوں نے زینبؑ اور فاطمہؑ کو پردے سے نکالا اور کوئی مددگار نہ تھا

سکینۃ تشتکی من حر شجو تنادی یا اخی جاروا علینا

سکینہ سوزش غم کی شکایت کر رہی ہے کہ اے بھائی ہم پر ظلم کیا گیا

وقد طافوا البلاد بنا جمیعًا وبین الخلق جمعًا قد رمینا

انھوں نے ہم سب کو شہر و نیں تشہیر کیا اور ہم تمام خلق میں ذلیل کئے گئے

فھذا قصتی مع شرح حالی الا یا مسلمون ابکوا علینا

یہ میرا مفصل حال ہے ☆ ☆ اے مسلمانو! ہم پر رو ☆

بشیر صلہ قبول نہیں کرتا

مدینہ میں کئی روز تک ماتم رہا۔ جب رہنما نے روانگی کا قصد کیا تو اہلبیتؑ نے اُسے کپڑے اور مال دینا چاہا۔ لیکن اُسنے یہ کہکر واپس کر دیا کہ جو کچھ خدمت میں نے کی ہے وہ مال کی اُمید سے نہیں کی بلکہ قرابت جناب رسالتمآبؐ کیوجہ سے۔

صاحب نور العین نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی روضۂ رسولؐ پر چند اشعار کہلوائے ہیں۔ جو گویا اظہار واقعہ ہے میں اُسکے مخصوص اشعار نقل کرتا ہوں۔

امامؑ کے اشعار

الی جدنا نشتکو عداۃ قد تحکلوا دنالو بنا واللہ کل مناء

ہم اپنے نانا سے دشمنوں کی شکایت کرتے ہیں جنہوں نے ہمکو تباہ کرکے اپنی تمام آرزوئیں پوری کر لیں

وقد سام قتلی یقطع نسلنا وذی عمتی صاحت بغیر عزاء

یزیدؔ نے میرے قتل کا بھی ارادہ کیا تاکہ ہماری نسل کو منقطع کر دے تو میری پھوپھی نے بے صبری سے چیخ ماری

وصاح بھم کل الحضور جمیعھم فقال دعوھا فامن الطلقاء

اور اُن کے ساتھ تمام حاضرین بھی چلائے — آخر یزید نے کہا اسکو چھوڑ دو یہ آزاد ہے

غداً یستحل الآن کل محرم — ییح باھل البیتؑ سفک دماء

کل اس ظالم سے بدلہ لینا جو آج ہر حرام کو حلال جانتا ہے اور اہلبیتؑ کا خون بہانا مباح جانتا ہے

اذا یستبیح الآن آل محمد — دیسقی باھل البیت کل رداء

اب آل محمدؐ کا قتل کرنا مباح سمجھتا ہے — اور اہلبیتؑ کی ہر چادر کو خون آلود کرتا ہے

باب ۱۴ چہار دہم

شہادت حسینؑ کے بعد متعلق باتیں

سر مبارک

کوئی کہتا ہے کہ سر مبارک حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام اپنے ہمراہ لائے اور جسد اطہر کے ساتھ کربلا میں دفن کیا گیا۔

کوئی کہتا ہے کہ فرق مطہر مدینہ بھیجا گیا اور بقیع میں حضرت فاطمہ زہراؑ کے روضہ مبارک کے پاس دفن ہوا۔

کوئی کہتا ہے کہ پہلوے امیر المومنین علیؑ بن ابیطالبؑ علیہ السلام میں دفن ہوا۔

کوئی کہتا ہے کہ یہ سر خزانہ دمشق میں رہا اور حکومت بنی عبّاس میں شام سے عسقلان گیا اور آخر نجیبوں کے غلبہ کے زمانہ میں عسقلان سے قاہرہ لیگئے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ امیر افضل بن امیر الجیوش نے فرق مطہر ایک عمدہ جگہ رکھا اور اسکے بعد ۵۴۸ھ ہجری میں قاہرہ لیگئے۔

قاہرہ میں اسوقت تک حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا روضہ مبارک موجود ہے۔

غم حسینؑ کا نشو و نما

امام زین العابدینؑ علیہ السلام اپنی بقیہ حیات تک اس غم سے متاثر رہے۔

حضرت رباب بنت امراء القیس ایک برس تک چھت کے نیچے نہ بیٹھیں۔ برابر محزون رہیں یہانتک

یہانتک کہ اس مدت کے بعد رحلت فرمائی۔

ابو عمارہ شاعر کہتا ہے کہ مسبوقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ذکر حسینؑ ہوتا تھا شام تک کوئی حضرت کو ہنستے نہ دیکھتا تھا۔

اہلبیتؑ برابر سوگ میں رہے اور کسی اسباب راحت و تزئین پر التفات نہ کی جب تک ابن زیاد کا سر مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی نے حضرت کے پاس نہ بھیجا۔

خصائص حسینیہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں جعفر ابن عفان۔ عبد اللہ بن غالب۔ ابو ہارون مکفوف وغیرہ مرثیہ پڑھتے تھے۔ حضرت اسکا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ حرم محترم بھی سنیں اور کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ پس پردہ سے یا ابتاہ کی آواز آجاتی تھی۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے دربار میں دعبل خزاعی مرثیہ پڑھتا تھا اور حضرت بھی مثل اپنے پدر بزرگوار کے اہتمام فرماتے تھے۔

(ناسخ التواریخ)

امیر سیف الملک اور قاضی موتمن وغیرہ حضرت کے مرقد منورؑ کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ عاشورہ کے دن ملک افضل مجلس برپا کرتا تھا۔ داہنے بائیں قاضی رہتے تھے۔ روضہ خواں ایک دوسرے کے بعد پڑھتے تھے۔ شعرا مرثیہ کہتے تھے۔ لوگ روتے تھے۔ اسکے بعد دستر خوان بچھایا جاتا تھا۔ نان جویں رکھی جاتی تھی۔ زوال کے وقت لوگ روتے پیٹتے تھے اور دوکاندار اپنی دکانیں بند رکھتے تھے۔

معز الدولہ دیلمی نے حکم دیا تھا کہ دسویں محرم کو لوگ غم حسینؑ برپا کریں۔ دوکانیں بند کردیں اظہار غم کیا جائے۔ مرد اور عورتیں بال پراگندہ کریں اور کپڑے پھٹے ہوے پہنیں...... منع نہ کرسکتے تھے کیونکہ شیعہ بہت تھے۔ اور بادشاہ انکی طرف تھا (ابو الفدا)

بعد شہادت ظلم کی مثالیں

ابو یوسف یعقوب جو ابن سکیت کے نام سے مشہور تھا متوکل عباسی کے لڑکوں کا استاد تھا ایک روز جبکہ ابو یوسف پڑھا رہا تھا متوکل آیا اور پوچھنے لگا کہ تجھکو میرے لڑکوں سے زیادہ محبت ہے یا حسنینؑ سے۔ ابن سکیت نے جواب دیا کہ قنبرؓ جو علیؑ کا غلام تھا وہ تجھسے اچھا تھا۔ اسپر غریب ابو یوسف کا شکم چاک کیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ زبان کھچوا لیگئی۔

مسترشد عباسی کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے مرقد مبارک کا کل مال لے لیا اور کہا کہ قبر کو مال کی کیا حاجت ہے۔ متوکل عباسی نے لوگوں کو زیارت قبر حسینؑ سے روکنے کیلئے ایک لشکر بھیجا۔ لوگوں نے اس حکم کی مخالفت کی اور کہا کہ جبتک ہم میں کا ایک بھی زندہ ہے اسوقت تک زیارت سے باز نہ آئینگے۔ یقیناً مخالفت قوت کیساتھ ہوئی تھی کہ وہ لشکر واپس ہوا۔ اور زیادہ سختی سے اس حکم کا نفاذ ضروری نہ سمجھا گیا اور ظاہر کیا گیا کہ لشکر بضرورت واپس کر لیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد پھر حکم دیا گیا اور اس مرتبہ زائرین کے قتل کی بھی اجازت دی گئی۔ قبر حسینؑ پر بیس برس تک زراعت ہوتی رہی اور یہاں فوجی چھاؤنی بھی بنائی گئی۔ علی بن احمد بن منصور نے قبر کھودنے اور زیارت سے منع کرنے پر شعر کہے جنکا مفہوم تھا کہ اگر بنی امیہ نے اپنے نبی کے نواسہ کو مظلوم قتل کیا تھا تو تیرے باپ کی اولاد نے بھی ویسا ہی کیا کہ اسکی قبر کو اکھاڑ ڈالا۔ افسوس ان پر اگرچہ وہ شریک قتل نہ تھے لیکن بنی امیہ کی متابعت کی جبکہ حضرت سید الشہداؑ کی ہڈیاں [illegible] گئی یا

زید مجنون

زید مجنون نے جب مصر میں یہ خبریں سنیں تو بیتاب ہو کر زیارت کو چلے۔ راستہ میں بہلول سے ملاقات ہوگئی اور یہ دونوں بزرگ زیارت کو چلے۔ ایک روز شہر میں ہجوم دیکھا اور دیکھا کہ لوگ ایک جنازہ لئے جا رہے ہیں۔ پوچھا کہ کیا متوکل مر گیا؟ کسی نے جواب دیا کہ متوکل کی کنیز ریحانہ مر گئی۔ یہ لوگ بھی قبر کے پاس گئے۔ قبر میں پھول چھڑکے اور عنبر ڈالا گیا اور لوگوں نے اظہار غم میں کوشش کی۔ یہ دیکھکر زید کا دل بھر آیا۔ [illegible] تھے اور کہتے تھے۔ اے حسینؑ تم بے وطن [illegible] ہو۔ تمہارے اہل بیت قید ہوں اور کوئی تمہیں نہ روئے۔ بے غسل و کفن تمہیں دفن کریں اور اس ظلم کے بعد تمہاری قبر کھود ڈالیں اور زراعت کریں اور تمہارے نور کو بجھائیں۔ حالانکہ تم فرزند نبیؐ و فاطمہؑ ہو اور ایک کنیز سیاہ کیلئے اس شان و شوکت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جوش غم میں اسکے بعد زید اشعار پڑھنے لگے جنکا مفہوم تھا کہ قبر حسینؑ کربلا میں خراب ہو اور [illegible] کی قبر تعمیر ہو۔ شاید زمانہ پلٹے اور دولت و اقبال اہل حق کو پہونچے۔ مفسدوں اور دنیا طلب [illegible] بنیوں پر خدا کی لعنت ہو۔ یہ اشعار لکھکر زید نے متوکل کے دربان کو دیدیئے۔ متوکل نے انہیں بلوایا

اور پوچھا: یہ ابو تراب کون ہے؟ زیدؓ نے جواب دیا تو خوب جانتا ہے۔ اور بجز منافق
کے کوئی انکا منکر نہیں ہو سکتا۔ متوکل نے انکے قید کا حکم دیا۔ لیکن کچھ ہی دن کے بعد
لمرزم نفس نے انکے توعش کیلئے اسباب مہیا کر دیئے اور اس نے زید کو بلوا کر پوچھا
کہ تم کیا چاہتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ حسینؑ کے قبر کی تعمیر کرادی جائے اور کوئی زائرین نہی
شعر من نہ ہو۔ متوکل نے اسے قبول کیا۔ اب زیدؓ خوش خوش قریوں اور شہروں میں
پھرتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ جسکا جی چاہے مرقد حسینؑ کی زیارت کرے کہ وہاں
امن ہے اب کوئی ممانعت نہیں ہے۔

شہادت کس لیئے ہوئی

ایک روز عمران نے حضرت ابو جعفرؑ سے اکر کہا کہ حسنؑ اور حسینؑ نے خدا کی اطاعت
کی لیکن وہ ہوا جو آپ جانتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ انکے بلندی مرتبہ کیلئے تھا نہ کہ
حصول گناہ سے جیسا اور انبیاؑ کے حال سے ظاہر ہے۔

نقل مجرا

ایک روز حجاج نے عامر الشعبی کو طلب کیا۔ عامر خوف زدہ ہوئے۔ اور اہل و عیال
کو وصیت کر کے اسکے پاس گئے۔ جاکر دیکھا کہ اسکے پاس تلوار رکھی ہے اور ایک شخص زنجیر
میں جکڑا ہوا کھڑا ہے۔ عامر کو دیکھکر حجاج نے کہا خوف نہ کر۔ یہ شخص (سعید بن جبیر) حسینؑ کو
فرزند رسولؐ کہتا ہے۔ اگر یہ قرآن سے سند نہ لائیگا تو میں اسے قتل کرونگا۔ یہ سنکر سعید نے
کہنا شروع کیا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ومن
ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وہارون وکذلک نجزی المحسنین
وزکریا وعیسیٰ والیاس کل من الصالحین اسکے بعد پوچھا کہ عیسیٰؑ کا باپ کون تھا؟ کہا
باپ نہ تھے۔ کہا خدا نے عیسیٰؑ کو جانب مریمؑ سے سلک فرزندان انبیا میں قرار دیا حالانکہ
دو ہزار دو سو ساٹھ برس گذرے تھے۔ لیکن کیا باوجود قرب زمان حسینؑ فرزند رسولؐ تھے؟
حجاج نے انھیں کچھ اشرفیاں دیں یہ بلٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ یہ حسینؑ کی
برکت سے ملی۔

ایسا ہی واقعہ حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کو ہارون سے پیش آیا تھا۔ اور آپ نے متذکرہ صدر
آیت کے علاوہ قل ندع ابناءنا وابناءکم تلاوت فرمائی اور اسکے بعد کہا کہ ظاہر ہے کہ مباہلہ میں

بجز علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کے کوئی نہ تھا۔ حسنینؑ ابناءنا میں داخل ہیں۔

شہادت کا ایک نتیجہ

صاحب تاریخ الخلفا کہتے ہیں کہ ۶۳ھ ہجری میں یزید کو خبر پہنچی کہ اہل مدینہ نے اسکی خلافت سے انکار کر کے اسپر خروج کیا ہے۔ یزید نے فوراً ایک بڑا لشکر انکی طرف روانہ کیا اور اہل مدینہ سے جنگ کرنیکا حکم دیا۔ پھر ابن زبیر سے جنگ کرنے کیلئے مکہ جانیکا حکم دیا۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس لشکر کے ہاتھ سے پناہ میں رہا ہو۔ بہت سے صحابی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر لوگ قتل ہوئے۔ مدینہ شریف خراب کیا گیا اور بہت سی لشکریوں نے ہزار لڑکیوں کا ازالہ بکارت کر دیا......

اہل مدینہ کے خلع کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ یزید نے گناہوں میں بہت ہی زیادتی کی تھی چنانچہ ابن غسیل نے فرمایا کہ ہم نے اسوقت تک یزید کی خلافت سے انکار نہیں کیا کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ آسمان سے پتھر برس پڑینگے۔ غضب ہے لوگ ماؤں بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کریں۔ علانیہ شراب پئیں اور نماز چھوڑ بیٹھیں۔ وہی کہتے ہیں کہ جب یزید اہل مدینہ کیساتھ اس بدی سے پیش آیا اور وہ شراب تو پیتا ہی تھا لوگ اس سے برافروختہ ہو گئے۔ اور سب کے سب برافروختہ ہو گئے۔ اور سب کے سب اسکے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسنے اپنا لشکر اہل مکہ سے جنگ کیلئے بھیجا۔ راستہ میں اس لشکر کا سپہ سالار مر گیا تو ایک اور سپہ سالار بنا دیا گیا۔ الغرض صفر ۶۴ھ میں اسنے مکہ شریف کا محاصرہ کر دیا۔ ابن زبیر سے جدال و قتال شروع کر دیا اور منجنیق سے مارنے لگا یہانتک کہ اسکے شعلوں سے کعبہ شریف کے پردے اور چھت اور دنبہ کی سینگ جل گئی جو حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ بنا کر بھیجا گیا تھا اور جو اس زمانہ سے برابر سقف کعبہ میں رکھی چلی آتی تھی۔ اسی اثناء میں خدا نے ماہ ربیع الاول میں یزید پلید علیہ اللعنہ کو ہلاک کر دیا۔ یہ خبر مکہ شریف میں عین حالت جنگ میں پہنچی۔ ابن زبیر نے فوراً پکار دیا کہ اے اہل شام تمہارا گمراہ کنندہ مر گیا۔ یہ سنتے ہی لشکر اشرار بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے انکا تعاقب کیا اور انکو خوب ذلیل و خوار کیا!!

صاحب روضۃ الصفا کے موافق مسلم بن عقبہ اہل مدینہ سے اس شرط پر یزید کی بیعت لیتا تھا کہ

دو ہر تصرفیکہ امیر در اموال و اولاد و شما کند شمار ا مجال منع نہ باشد" اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ اس شرط پر بیعت لیتا تھا کہ تم یزید کے غلام بنکر رہو گے۔ (ابن ابی الحدید ج۳ ص۱۱)

رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب بالقابہ تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں وہ اس بات (تاراجی مدینہ) سے اسلام کو کئی طرح بڑا ضعف پہونچا۔ وہ شہر جسنے رسولؐ صلعم کو پناہ دی تھی وہ شہر جو آنحضرت کی زندگی اور نبوت سے سرفراز ہوتا رہا وہ شہر جو مصیبت کے وقت آنحضرت کیساتھ رہا۔ اب کشت وخون اور قتل عام کا آماجگاہ بن رہا تھا۔ ایسی دہشتناک مثال کو یا تو فرانس کے سپاہیوں کی غداری اور یا پیروان لوتھر کی روم پر تاخت وتاراج کی تباہی پہونچتی ہے اور بس۔ جامع مسجد کا طویلہ بنایا گیا اور مزارین زر وجواہر کی خاطر زمین کے برابر کی گئیں۔ پھر بھی ظلم کی پھر فتح ہوئی اور ایک یورپین مورخ کے قول کے مطابق پھر اُسکا دوبارہ جنم اسلام کیلئے سخت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہوا۔ اُمیہ والوں نے بھی غرض دیا اُس رحم ولطف کا جو فتح اسلام کے وقت اُنکے مرعی رکھا گیا تھا۔ مدینہ کے چیدہ چیدہ آدمی یا تو تہ تیغ ہوئے یا جانیں بچانیکی خاطر دور دراز ممالک کیطرف بھاگ گئے۔ وہ بھی بچے یزید کے غلام بننے پر مجبور کئے گئے"

یزید حضرتؑ کے بعد چند روز زندہ رہا۔ ایک روز شکار کیلئے گیا اور ہرن کے پیچھے دور دوڑ گیا جہاں اُسکے رفقا نہ تھے۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں تھا کہ اُسے ایک اعرابی دکھائی دیا۔ یزید نے اُس سے کہا کہ میں یزید ابن معاویہ ہوں۔ اعرابی نے اُسے گالیاں دیں اور کہا واللہ قتلناک کما قتلت الحسینؑ بن امیر المومنین ا یہ کہکر اُسپر تلوار چلائی۔ گھوڑا بھڑکا اور یزید گرا۔ تھم اُسکے پیٹ پر پڑا اور اُسکی انتڑیاں لٹک گئیں اور وہیں مر گیا۔

شہادت کا دوسرا نتیجہ (ابی مخنف) یزید کی موت حسینؑ کے انتقام میں

عبد اللہ بن جریر طبری کہتا ہے "چوں یزید از کار حسینؑ پرداخت وکوفہ وبصرہ وخراسان ومشرق اور اعراق گشت چند ا شنید کہ خلق از و تمام شدہ بودند از ال عبد الرحمن بن زبیر بہ حجاز ومکہ ومدینہ بیا رسید خلق چنانکہ کار حسین رضی اللہ عنہ را فراموش شد ویزید پشیمان شد از کشتن حسین" آگے چلکر کہتا ہے "عبید اللہ چوں سر امام حسینؑ رضی اللہ عنہ را فرستاد پنداشت کہ

خراسان پوسے بانددہد (یزید) برادرش داد..... ازیں کار بیازردو از کشتن حسین رضی اللہ عنہ پشیمان شد و گفت کاشکے با حسین رضی اللہ عنہ ہمچناں داشتمے تا یزید را ابن حاجت بودے"

صاحب روضتہ الشہدا کہتا ہے۔

"راویان معتبر گویند کہ بعد از شہادت حسین ہیچ یک از اُمرا و سرداران لشکر ابن زیاد سوار و پیادہ و خادم و مخدوم دمے آسائش نہ دیدند و آب بخوشش دلی نہ خوردند۔ و در اندک زمانے ہر یک بعقوبتے دیگر کہ بسبب عبرت عالمیاں بود ہلاک شدند"

جناب حسن میاں صاحب پھلواردی اپنے رسالہ "غم حسین" میں فرماتے ہیں :۔

"بعد واقعہ کربلا اسلامی دنیا کا کیا رنگ ہو گیا وہ بھی جان لینا ضروری ہے۔ عموماً اہل اسلام بنی اُمیہ سے نفور ہو گئے اور اہل عراق بالخصوص اہل کوفہ پر ہر جگہ نفرین و ملامت ہوتی تھی ..... مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں عموماً لوگوں نے یزید کی بیعت سے انکار کی۔ اور عبد اللہ بن زبیر پر بھی اس واقعہ کا بڑا اثر پڑا..... لوگوں نے اُن سے بیعت خلافت شروع کر دی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اُنکی بیعت نہ کی تھی۔ یزید کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اُس نے خط لکھا کہ تم نے ملحد ابن زبیر کی بیعت نہ کی اور میری خصوصیت کا خیال کیا ہم آپ کے بہت ممنون و مشکور ہیں اور آپ کے صلہ رحمی کے حقوق کو کبھی بھولنے والے نہیں ہیں اور آپ سے اُمید ہے کہ لوگوں کو میری طرف مائل کرینگے اور ابن زبیر کیطرف سے دلوں کو پھیر دینگے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جو اس خط کا جواب دیا اُس میں امام مظلوم کی شہادت کا ذکر کیا اور ظاہر کر دیا کہ اس واقعہ کے بعد ممکن نہیں ہے کہ ہم لوگ تیری جانب سے کبھی کوئی اُمید رکھیں..... (سو برس کے اندر) سفاح عباسی نے اُن اشرار بنی امیہ کو بیخ و بن سے کھود کر پھینکدیا اور ہزارہا بنی اُمیہ و بنی مروان و عبد الملک و ولید وغیرہم کی قبریں کھود کر ان کی لاش اور ہڈیاں تک جلا دی گئیں..... ادہر کوفہ و عراق میں اُن شیعوں کو جنہوں نے امام کو بلایا تھا اور پھر مدد نہ کی تھی۔ ادہر اُدہر ٹل گئے تھے روپوش ہو گئے تھے سخت ندامت ہوئی۔ مجمع کثیر کر کے بہت روئے پیٹے اور سلیمان بن صرد خزاعی جو مرد ضعیف اور صحابی رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے اس گروہ کے

سلیمان ابن صرد الخزاعی

پیشوا قرار پائے اور یہ امر منقح ہو گیا کہ اس گناہ کا کوئی کفارہ نہیں ہو سکتا بجز اسکے کہ ہم لوگ اُنکے قاتلین سے بدلہ لیں اور خود بھی ہلاک ہو جائیں اور آخر پانچ ہزار کی جمعیت کرکے آہ و بکا کرتے ہوئے یا ثارات الحسینؑ کہتے ہوئے کوفہ سے باہر نکلے پہلے سرزمین کربلا گئے اور اُن شہید وں کے غم میں آنسوؤں کے دریا بہا دیئے اور ہمر تبہ اُنکی قبر سے لپٹ لپٹ کر چیخ چیخ کر روئے۔ اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے تھے۔ تین دن تک بے آب و دانہ وہیں سب کے سب رہے پھر یا ثارات الحسینؑ کا نعرہ کرتے ہوئے ملک شام کیطرف بڑھے۔ ادھر سے شقی ابن زیاد نے فوج بھیجی۔ یہ جاں نثار خوب لڑے اور راہ خدا میں اپنی جانیں تصدق کیا کئے۔ کچھ لوگ بچکر آئے اور مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کی فوج سے جا ملے۔ اور قاتلین اہلبیتؑ کے درپے ہوئے۔ شمر ملعون۔ خولی بن یزید۔ حرملہ۔ عمر ابن سعد۔ عبید اللہ بن اسد الجہنی۔ مالک بن بشر الکندی۔ حمل بن مالک المحاربی۔ زیاد بن مالک الضبعی۔ عمران بن خالد العصری۔ عبدالرحمن عشکارہ البجلی۔ عبداللہ بن عیتق الخولانی۔ عبدالرحمن بن طلحہ عبداللہ بن وہب الہمدانی۔ عثمان بن خالد الجہنی۔ ابوالسما بشر بن سمیط۔ عمر بن حجاج الزبیدی حکیم بن الفضیل الطائی۔ عمر بن صبح الصدائی سب کے سب بری طرح سے مارے گئے۔ پھر فوج آگے بڑھی اور ابراہیم بن مالک اشتر سپہ سالار تھے۔ موصل کے قریب ابن زیاد بدنہاد بھی فوج جرار لیکر پہونچا اور سخت لڑائی کے بعد وہ شقی بھی مارا گیا اور اُسکی فوج بھاگ گئی یا ماری گئی۔ اور اُسکا سر کوفہ میں مختار کے پاس آیا اور پھر اور اشقیا کے سر کے ساتھ مکہ معظمہ حضرت محمد حنفیہ کے پاس گیا پھر مدینہ طیبہ میں بھیجا گیا"۔

متذکرہ صدر واقعات میں سے اکثر ابن خلدون میں مناسب تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں۔ اُنسے میری غرض یہ ہے کہ حضرتؑ کے شہید کرنیکے بعد اُنکے قاتلوں کے یہ خیال غلط ثابت ہوئے کہ وہ بڑے راحت و آرام سے بسر کرینگے۔ سلیمان بن صرد اور اُن کے رفقا کا جوش انتقام بجز جوش انتقام کے اور کسی نیت سے نہ تھا اور اُسکا یہی ارادہ تھا کہ ہم قاتلان امام کو نیست و نابود کردیں ہمارے پاس کچھ ہی ساماں کیوں نہو اور خود ہمارا کوئی نتیجہ کیوں نہ ہو۔ ابن صرد نے کئی برس کوشش کی۔ انکی کوشش اگر پوری کامیاب

ہوتی تو غالباً بنی امیہ فوراً نہیں تو ان کی کوششوں کے چند سال کے اندر ہی اپنی ثروت واقتدار سے علیحدہ کر دئے جاتے۔ لیکن اگر ابن صرد کے جانباز رفقا یہ نہیں کر سکے (کامل طور پر) تو انکی تعریف یہ ہے کہ انھوں نے انتقام کا قرنا پہلے پھونکا اور سولہ ہزار آدمیوں کا کم سے کم تین ہزار آدمیوں سے لڑنا اور اُن میں سے اکثر کو موت سے ہم بغل کر دینا تھوڑی سی بات نہ تھی حالانکہ دشمن کے پاس مستو اتر امداد پہونچ رہی تھی۔ یہ اُسوقت واپس گئے جب انھوں نے دیکھا کہ اب ہمارے پاس اتنے آدمی نہیں ہیں جو مقابلہ کر سکیں اور اب لڑے تو گویا حسینؑ کے دوست تمام ہو جائینگے نہایت صحیح فیصلہ تھا۔ لیکن اگر فیصلہ کی یہ قوت ابتدا ہی سے ہوتی اور افسروں نے اپنے کو تلوار ہی میں اسلئے نہ جھونک دیا ہوتا کہ اگر ہم زندہ رہیں گے تو پھر لوگوں کو جمع کرکے اپنا کام جاری رکھیں گے تو غالباً زیادہ کامیابی ہوتی اور ایک فوری تسکین کے مقابلہ میں دیرپا نفع ہو سکتا۔

مختار بن ابوعبید ثقفی،

لیکن آگ لگ چکی تھی۔ اور وہ حیرت خیز انسان ان واقعات کو سُن رہا تھا اور پیشتر سے ایسی ہی کوشش کیلئے موقع درست کر رہا تھا جسکا نام مختار بن ابوعبید ثقفی ہے۔ اور خوش قسمتی سے اُسے فولادی ارادہ کا فولادی فرزند ابراہیمؒ ملگیا۔ اور جس حد تک کوشش ممکن تھی دشمنان حسینؑ کی تلاش اور قتل میں وہ اٹھا نہ رکھی گئی۔ یہانتک کہ کوئی اس بات کا کہنے والا نہ رہا کہ ہم بھی میدان کربلا میں شریک تھے۔ ابن زیاد اور ابراہیمؒ کی جنگ میں ایک حیرت خیز امر یہ تھا کہ رفقائے ابن زیاد جسقدر مارے گئے اُس سے زیادہ دریا میں ڈوب کر مرے۔

مقتولین سے زیادہ پانی میں ڈوب کر مرے

انتقام پورا ہوگیا اس مفہوم میں کہ حسینؑ کے قاتل نیست و نابود ہو گئے اور اسلام کے سب سے بڑے دشمنوں کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن ان چند سطروں کے لکھنے سے جہاں میری غرض یہ ہے کہ ہر بڑی شہادت کے بعد ویسا ہی عظیم الشان انقلاب ہوا کیا ہے وہاں حضرت کے ان فقرات کا واقعات سے نہایت مختصر توجہ کرنا ہے کہ بنی اُمیہ اسطرح تباہ ہونگے کہ اُن میں آپس میں نفاق اور جنگ ہوگی اور ایک

حضرت کی پیشین گوئی

مضبوط قوم انگومیست ونابود کردے گی۔

ابن صرد اور مختارؒ کی کوشش جسمیں ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب بنی امیہ مارے گئے بنی امیہ کی تباہی کا سنگ بنیاد تھا۔ ابن زبیر کی خواہشیں جو کچھ بھی ہوں لیکن انکی دعوت کا ایک عنصر یہ بھی تھا کہ وہ حضرت خامسؑ آل عبا کا انتقام لے رہے ہیں۔ انکے رفقا نے بھی بے انتہا بنی امیہ کو قتل کیا۔ اور پھر اسکے بعد بکثرت وہ مثالیں ملنے لگیں کہ کیونکر حصول ثروت واختیار کیلئے بنی امیہ آپس میں وہ کل ملکی چالیں کام میں لاتے ہیں جو انھیں اپنے حوصلوں میں مدد دے سکے۔ (ترجمہ ابن خلدون کتاب ثانی جلد پنجم واقعات شہادت حسینؑ کے بعد سے ان واقعات سے لبریز ہے) جنمیں یہ حیرت خیز مثال بھی سامنے آتی ہے کہ حصین بن نمیر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے خلافت قبول کرنے کی استدعا کرتا ہے (طبری) یا خود ابن زبیر کو حصول خلافت کیلئے شام چلنے کی صلاح دیتا ہے۔ ایسے دو اموی رکن جیسے مروان اور ضحاک بن قیس تھے آپس میں بیس دن تک ۶ ہزار اور تیرہ ہزار فوجیں لیکر جنگ کرتے ہیں۔ مروان کی فوج اور گورنر مصر کی فوجوں میں جنگ ہوتی ہے۔ مروان بستر خلافت پر مارا جاتا ہے۔ ایران میں سلیمان ابن مرثد اور بنو خیثم کی لڑائیاں۔ اوس بن ثعلبہ اور عبد اللہ بن خازم کی نبرد آزمائیاں اسکی مثالیں ہیں کہ کیونکر بنی امیہ اپنے کو اپنے ہاتھ سے قتل کر رہے تھے۔ اور پھر وہ سخت اور بڑی لڑائیاں شروع ہوتی ہیں جو یزید بن مہلب اور یزید بن عبد الملک سے ہوئیں جنمیں یزید اعلان کرتا ہے کہ اہل شام سے جنگ کرنا ترک و دیلم کی جنگ سے افضل ہے۔ غیر مسلمین سے جنگ ہو رہی ہے لیکن سورہ بن ابجر اور غنان نبطی بھی آپس میں تلوار چلا رہے ہیں۔ عبد الملک ابن مروان اور عمر بن سعید الاشدق کی سیاسی رد و بدل اور اشدق کا قتل عبد الرحمن بن محمد بن اشعث اور حجاج کی خونریز لڑائیوں میں عبد الرحمن بن ربیعہ بن عبد المطلب کو موقع ملتا ہے کہ محمد بن اشعث کی فوجوں کی امامت کرائیں اور ہزیمت یافتہ فوجیں انکے پاس جمع ہوئیں۔ عبد الملک ابن مروان کا اپنے لڑکے کو اور عبد العزیز بن مروان کا اپنے لڑکے کو خلیفہ بنانیکی کوشش کرنا۔ عبد الملک بن مروان جو خلیفہ ہو کر قرآن مجید سے کہتا ہے کہ اب تیری ملاقات قیامت تک گئی وہ حجاج کے ایسے

دشمن انسانیت کو اپنے بعد بھی خلق اللہ پر اسلئے قائم رکھنے کی وصیت کرتا ہے کہ اُسنے اُسکے خلافت پر قائم رکھنے کیلئے منبر ذکو پامال کیا۔ اور پھر سلیمان بن عبد الملک اسطرح اُس سے انتقام لیتا ہے کہ حجاج کے دشمن یزید ابن مہلب کو گورنر بناتا ہے جو حجاج کی اولاد سے انتقام لیتا ہے۔ قتیبہ خلیفہ کو اسلئے دھمکی دیتا ہے کہ اگر تم مجھے خلیفہ نہ کر دوگے تو تمہیں معزول کر دونگا۔ بنی امیہ اپنے سب سے اچھے خلیفہ عمر بن عبد العزیز کو اسلئے زہر دیتے ہیں کہ وہ ظلم سے منع کرتا تھا۔ نصر بن سیار اور عمر بن قتیبہ بن مسلم کی جنگ جنید اور عاصم کی عداوتیں اور ایک دوسرے کو ایذا رسانیاں۔ غرضکہ یہ سب ایک طرف ہو رہا تھا اور ابھی سنہ ۱۰۰ھ نہ شروع ہوا تھا کہ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے دعاۃ کوفہ و خراسان میں پھرنے لگے۔ اور چونکہ یہ دعاۃ نہایت خاموشی سے کام کرتے تھے۔ اور زیادہ تعداد میں تھے یہ لوگوں کے قلوب کو بنی امیہ سے پھیرنے۔ آل رسالت اور بنی عباس سے محبت پیدا کرنے میں کامیاب ہوتے جاتے تھے۔ یہانتک کہ خراسان کے نامی سردار ازدبن حرث بن شریح سنہ ۱۱۶ھ میں سیاہ کپڑے پہنے لوگوں کو اتباع کتاب اللہ و سنت رسول اور بیعت امام رضا کی دعوت دینے لگا اور بنی اُمیہ کا تھوڑا نقصان نہ کیا۔ اور سنہ ۱۲۲ھ میں حضرت زیدؓ بن علیؑ نے تھوڑے لوگونکے ساتھ جسطرح بنی امیہ کے کثیر آدمیوں کو قتل کر کے شہادت حاصل کی اُسنے ثابت کر دیا کہ سادات کی شجاعت باوجود خاموشی کے اُنسے علیحدہ نہیں ہوئی ہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ غالباً حضرت زیدؓ شہید ہی کا یہ فقرہ تھا کہ "وہ قوم ذلیل ہوتی ہے جو تلوار کی باڑھ سے ڈر جاتی ہے" اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو۔ اصول بھی ابتک فراموش نہیں ہوا تھا۔

یہانتک کہ سنہ ۱۲۷ھ میں مختار کے ایسے دو حیرت خیز شخص سامنے آئے جنکا نام ابو سلمہ (جنکا خطاب وزیر آل محمد تھا) اور ابو مسلم خراسانی ہے۔ یہ دونوں شخص چاہتے تھے کہ خلافت آل ابیطالب میں جائے۔ لیکن امام وقت کے قبول نہ کرنے سے یہ بنی عباس ہی کیلئے کوشش کرتے رہے۔ ابو مسلم کو سفاح نے قتل ہی اسلئے کیا کہ وہ آل ابیطالب کا دوست تھا۔ یہ تھے جنہوں نے بنی اُمیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے تباہ کر دیا اور پیشین گوئی پوری ہوئی

ہے مستذکرہ صدر سطروں میں واقعات کے صرف نام لے دیئے ہیں لیکن یہ واقعات اور جو کچھ پہلے بیان ہوئے انکے ساتھ بے انصافی ہے کہ قصر نظر کے حوالے کئے جائیں۔ بنابریں میں اس خیال سے خالی نہیں ہوں کہ انکے ساتھ کافی انصاف ہو سکے گا اگر میں انہیں کتاب کی شکل میں پیش کروں اور یہ شہید اعظم حصہ سوم ہو۔ لیکن میں اپنی محنت کیلئے قوم کی میلان کا منتظر رہونگا اگر اسکے لیئے عام خواہش مجھسے کی گئی تو بشرط توفیق الہیٰ اسکا تیار ہو جانا میرے لیئے نسبتاً آسان ہوگا اور یہ نتیجہ شہادت حسینؑ ہوگا۔

بحار ۱

اس خیال کی تردید کہ حسینؑ آسمان پر اٹھالئے گئے

ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے کتاب عیون اخبار رضاؑ میں ابو صلت ہروی سے روایت کی ہے کہ کوفہ میں ایک جماعت کہتی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ قتل نہیں ہوئے۔ خدا نے حنظلہ ابن سعد شامی کو حضرت کی صورت میں بنا دیا اور اُنکو عیسیٰ بن مریم کیطرح آسمان پر بلا لیا۔ اور وہ لوگ اس آیت کو دلیل میں لاتے ہیں کہ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا (حقتعالے کافروں کو مومنوں پر تسلط نہیں دیتا) فرمایا (حضرت علیؑ رضا نے) جھوٹ کہتے ہیں۔ غضب نازل ہو اُن پر۔ وہ لوگ کافر ہوئے بسبب تکذیب کرنے پیغمبر خدا کے کہ حضرتؐ نے قتل حسینؑ کی خبر دی۔ قسم بخدا حسینؑ قتل ہوئے اور قتل ہوا وہ شخص جو حسینؑ سے بہتر تھا یعنی علیؑ ابن ابیطالب۔ اور مراد حقتعالے کی اس آیہ میں یہ ہے کہ مومنوں پر کفار کی کوئی حجت نہیں ہے۔ اور وہ کیونکر ہو سکتے ہیں اسلئے کہ حقتعالے نے قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ کافروں نے اکثر پیغمبروں کو ناحق قتل کیا لیکن باوجود قتل کرنے کے حجت پیغمبروں کی اُنپر غالب تھی اور حقیقت ظاہر تھی۔

ایک مسئلہ

کتاب اکمال الدین و احتجاج وغیرہ میں محمد بن ابراہیم بن اسحاق طالقانی سے روایت ہے کہ میں ایک دن شیخ ابو القاسم حسینؑ بن روح قدس اللہ روحہ کہ نائب جناب صاحب الامر علیہ السلام تھے معہ ایک جماعت کے بیٹھا تھا اور علی بن عیسیٰ قصری بھی اُنمیں تھا۔ ناگاہ ایک شخص اُنمیں سے اُٹھکر کہنے لگا:۔

"ایک مسئلہ تم سے پوچھتا ہوں"

"پوچھو!"

"آیا حسینؑ بن علیؑ ولی خدا ہیں؟"

"بیشک"

"قاتل اُن جناب کا دشمن خدا ہے یا نہیں؟"

"بیشک"

"آیا جائز ہے کہ حق تعالےٰ اپنے دشمن کو اپنے دوست پر مسلط کرے"

"آگاہ ہو کہ حق تعالےٰ کو نہیں دیکھ سکتے اور سب آدمی کلام خدا کو بیواسطہ نہیں سن سکتے اور نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن جناب مقدس اُنکے لیے ایک رسول اُنکی جنس اور صنف سے بھیجتا ہے کہ مثل اُنکے ہو اسلئے کہ اگر رسول اُنکی صورت نہ ہوتا اور غیر جنس سے ہوتا تو ہر آئینہ وہ اُس سے نفرت کرتے اور اُسکے کہنے کو قبول نہ کرتے۔ اور جسوقت اُنکی جنس سے تھے کھانا کھاتے تھے اور بازار میں پھرتے تھے تو کہنے لگے تم بھی مثل ہمارے ہو ہم تمہارے کہنے کو قبول نہ کرینگے جبتک کوئی ایسی چیز نہ لاؤ کہ ہم اُس فعل سے عاجز ہوں اور ہم اُسپر قادر نہ ہوں۔ اور جانیں کہ حق تعالےٰ نے اپنی رسالت اور جلالت کیلئے تمکو مخصوص کیا ہے۔ اُسوقت حق تعالےٰ نے رسولوں سے ایسے معجزات مقرر فرمائے کہ تمام مخلوقات اُنکے بجالانے سے عاجز تھے۔ بعض پیغمبر ڈرانے اور تخویف امت کیلئے طوفان لائے.... جب رسولؐ ایسے معجزے لائے اور اُن کی امت بجالانے سے عاجز ہوئی حق تعالےٰ نے اپنے لطف ومہربانی اور حکمت کاملہ سے پیغمبروں کو باوجود ان سب معجزات کے کبھی غالب کبھی مغلوب کبھی مقہور کیا۔ اسواسطے کہ اگر پیغمبر باوجود ان معجزات اور خوارق عادات کے ہر حال میں غالب اور قاہر ہوتے اور بلا ومصیبت میں امتحان نہ کئے جاتے تو ہر آئینہ لوگ انھیں خدا جاننے لگتے اور شدت اُنکے صبر کی بلا ومصیبت میں لوگوں کو نہ معلوم ہوتی۔ لیکن حق تعالےٰ نے ان اُمور میں پیغمبروں کی احوال کو مثل اوروں کے رکھا۔ اسلیئے کہ محنت وبلا میں صبر کریں اور عافیت میں

شکر کریں اور ہر حلل میں تواضع اور فروتنی کریں تکبر اور تجبر نہ کریں۔ لوگ جانیں کہ اُنکے
سئے ایک خدا ہے کہ وہ خالق و مالک ہے اُس کی عبادت کریں اور محبت خدا کی تمام
ہو اُس شخص پر جو حد و خدا سے اُنکے بابت نکل جاوے اور دعوی اُنکی خدائی کا
کرے۔ یا عداوت و مخالفت اور رنا فرمانی اُنکی کرے اور جو پیغام خدا کی طرف سے لائے
ہیں اُسکا انکار کرے۔ تاآنکہ جو ہلاک ہو بعد اتمام حجت کے ہلاک ہو اور جو نجات پاوے
بہ دلیل و برہان نجات پاوے۔

حسین کا مرثیہ

قریب قریب اُن کل زبانوں میں جو مسلمانوں میں مستعمل ہیں حضرت شہید کربلا کے
مرثیئے پائے جاتے ہیں (انگریزی اور بنگلہ میں بھی ہیں) اور ہر ایک نے اپنے جوش میں
اس عبرت خیز واقعہ کو اپنی وسعت نظر اور درجہ جذبات کے موافق نظم کیا ہے۔ اگر شاعری
کے ایک معنی اظہار جذبات ہی (عام اس سے کہ خوبصورتی کا کیسا ہی درجہ کیوں نہ ہو
جو ہمیشہ شاعر کی وسعت نظر اور درجہ معلومات بلکہ اُسکی ساخت پر موقوف رہیگا) اور
عربی النسل قومیں اپنے جذبات کیلئے ممتاز ہیں تو مجھے عربی شاعری پر پہلا لحاظ کرنا
پڑے گا۔ عربی شاعری پر سب سے پہلے نظر کرنیکی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ حضرت عرب
تھے۔ قاتل عرب تھے۔ جذبات عربی تھے۔ زمین و آسمان عرب تھے۔ ان اتفاقات
میں عرب ہی اسکے لیئے موزوں ہے کہ وہ واقعات اور جذبات محبت و غم کی مصوری کرے
اوپر کے فقرات سے غالبًا اسکی صحیح حدبندی ہوتی ہوگی کہ میں عربی زبان کے
علاوہ مراثی کو خفت کی نظر سے نہیں دیکھ رہا ہوں۔ بلکہ یہ کہہ رہا ہوں کہ جو فطری مواقع
اس خاص امر میں عربی شاعری کو حاصل تھے وہ دوسری زبان کو حاصل نہ تھے۔
چشم دید گواہ اور سنے ہوئے راوی کا فرق تھا جو ہر غیر راوی سے قرض لیتا ہے۔ ورنہ
فارسی زبان کی خوبصورتی اور حُسن ادا بلکہ اکثر اوقات شاعر کے خاصہ کے موافق
اظہار قوت میں کمی نہیں ہے۔ پھر بھی عربی شاعری زیادہ تر واقعاتی شاعری ہے
اور اُسکے مقابلہ میں غالبًا فارسی زبان کی شاعری اُن حدود میں زیادہ ڈوب گئی

جسے عروض کی پست خصوصیات کہیں - اس سے میرا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ انیس فردوسی کا ایسا خداے سخن - سعدی کا ایسا اخلاقی شاعر - حزیں کا ایسا خوبصورت گو عرفی کا ایسا فقرات ضرب دینے والا نہ تھا - یا محتشم کاشی اور ملا مقبل کا ایسا کوئی مرثیہ گو نہ تھا - نہیں بلکہ فارسی شاعری کی خوب صورتیوں کے ساتھ قاآنی کا ایسا قادر الکلام بھی پیدا ہوا جسنے بہت کچھ فطری شاعری بھی داخل کردی - ایک لفظ اپنی زبان کیلئے - میری غرض اردو سے ہے - اردو یعنی وہ زبان جسکے الفاظ مینے دنیا میں پہلے سنے جسمیں میری ماں نے مجھے کھلایا - جسکے الفاظ پیار سے میرے منہ میں دیے گئے جسوقت میں بولتا نہ تھا - اور جسمیں مجھ سے ہر اس شخص نے بات کی جسے مجھسے محبت تھی - زبان جسنے مجھے بنایا میں جیسا ہی ہوں (مؤلف النسانی خیالات کے نشو و نما پر زبان کے درجہ کے اثر کے متعلق یہاں کچھ زیادہ نہیں لکھ رہا ہے) میر - انشا - سودا - مومن - غالب - انیس آتش - میر عشق اور فصیح وغیرہ کی تعظیم - جنمیں کوئی فلسفی کا ایسا متین - کوئی نسیم سحر کا ایسا نازک ادا - کسی میں مردونکی سی سختی اور کسی میں محبت کی اثر خیز لیک تھی - اور کوئی پانی کا سا صاف تھا - زبان اور اظہار خیال میں دیکھنے کی پہلی چیز یعنی "قوت" کے آثار بھی کم و بیش معدوم نہیں ہیں اور اگر سب نہیں تو بعض نے اپنے الفاظ میں بلند شان پیدا کی ہے - لیکن مجھے شاعری کی عام حیثیت سے اس جگہ بحث نہیں ہے بلکہ ایک خاص حیثیت یعنی مرثیہ سے - اور میرا معیار یہ نہ ہوگا کہ کوئی کہانتک مبالغہ کرسکتا ہے - یا بے معنی مضمون آفرینی میں کہانتک ملکہ حاصل کیا ہے - یا مضمون کی افراط نے مرثیت معدوم کردی ہے - یا رعایت لفظی اور مبالغہ کس حد تک ہے - بلکہ سچائی کی ایسی کھری جسے سنکر دل اقرار کرے کہ یہ واقعہ ہے - استعارہ اور تشبیہ کی لطیف شان - شعر پڑھکر معلوم ہو کہ یہ شخص نہ صرف واقعات سے واقف ہے بلکہ وہ اسکے غور کا نتیجہ ہے - جذبات کا اظہار اسطرح نہیں جس سے معلوم ہو کہ وہ ہماری رقت یا نرمی سے کھیل رہا ہے - اور اسکے بعد سب سے بڑی ضروری چیز خاصہ نگاری ہے - شاعر اگر محض مسدس یا قصیدہ یا رباعی گو ہوسکتا

اور وہ مصور نہ ہو تو وہ ایک معاملہ ہے جو بغیر نقشے کے کچھ بنا تا جاتا ہے۔ جو کچھ بھی بن جائے ظاہر ہے ایسی محنت بغیر کسی طے شدہ نظام کے کیسی غیر مرتب ہوگی۔ صنعت بغیر شعور اور نظم کے اور نظم بغیر صنعت کے کبھی تعمیر کے اعلیٰ درجہ پر نہیں پہونچ سکتی۔ میرے ان فقرات سے ظاہر ہوگا کہ میں شاعری کے کس درجہ کا متمنی ہوں۔ میں ایک حد تک اپنے زمانہ کے شعرا اور مرثیہ گویوں کے کلام سے واقف ہوں اور اُن میں ایسے ہیں جو کسی زبان کیلئے قابلِ ناز ہوں۔ میں اپنے زمانہ کے شعرا سے اُمید کرونگا کہ وہ آیندہ کے لیے ایک ترقی خیز نظام اور اصول قائم کرینگے۔ اور اسلام کے نفوس قدسیہ کی مدح اور مرثیہ میں متذکرہ صدر نکات کا لازمی لحاظ کیا جائیگا۔ وقت جا چکا کہ عوج بن عناق کی جسامت اور ہاتھی گھوڑے کی غیر ضروری مصوری میں حقیقی دلچسپی کی اُمید کیجائے۔ لیکن مجھے اپنی زبان کی مرثیہ گوئی سے ابھی مطالب باقی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں کہ رہا ہوں اُسکا اندازہ کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ایک قومی شغل یعنی مجلس کے عناصر میں شاعری کو ایک دخل حاصل ہے۔ اور چونکہ مجلس کو ایک وہ انسٹیٹیوشن ہونا چاہیئے جو قومی حیثیت سے مفید ہو ہمیں اپنے اس جلسہ کے صحیح حیثیت کا لحاظ لازمی ہے۔ جو اثر مجلس کا ہماری قوم پر ہے اگر اُس میں کسی کا غیر صحیح میلان یا اس قومی عنصر نظم کا غلط اندازہ شامل ہے تو قوم کو باز پرس اور اصلاح کا حق حاصل ہے۔ ہماری مجلس عزا حسینؑ کے واقعات عظیم کے تذکرہ کی جگہ ہے۔ حسینؑ کے واقعات میں قوم گری اور خصائل سازی کی پوری صلاحیت ہے۔ اسلئے کوئی ترکیب یا نوعیت جو اسمیں مدد دیتی ہے وہ ہماری پسندیدگی کے قابل اور کوئی نوعیت جو اس معیار پر پوری نہیں اُترتی ہمارے لیئے نظر ثانی کی چیز ہے۔ یاد رکھو کہ ہم کسی شاعر کو مجلس میں اُسکی شخصی قابلیت کی داد نہیں دینے جاتے جو مجلس حسینؑ کے مفہوم کے خلاف ہے۔ بلکہ اسلیئے کہ ہم دیکھیں کہ حسینؑ کو اور واقعات حسینؑ کو شاعر کہاں تک سمجھا اور سمجھ سکا ہے۔ اور اسکی اس مخصوص کوشش کی کامیابی میں اُسکی ضمنی داد دیے۔ ہم اُنکے نفس عظیم کے فضائل سے اثر لینے جاتے ہیں اور ہم اُن صحیح اثرات پر داد دیسکیں۔

یہ کہ اسکے برخلاف۔ اسکے برخلاف اگر کوئی ہمارے حسینؑ کی مجلس کو کسی اور طرح صرف
کرنا چاہتا ہے تو وہ صرف ایک شے کی نوعیت تبدیل کر رہا ہے بلکہ ہمارے قومی فوائد
کو روک رہا ہے۔ اور اُس میں ناقص یا غیر متعلق چیزیں شامل کرتا ہے۔

ہمارے مراثی کی صورت میں رخصت۔ اور شادی بیاہ کی اُمید اور پھر یاس کو
بہت کچھ دخل ہے۔ اور پھر شہادت کے بعد بین ایک نتیجہ ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ رخصت
میں عورتوں کی نرم دلی اور ماں کے حوصلوں کی بڑی گنجائش ہے۔ اب میں یہ کہتا ہوں کہ
میں اسکا مخالف نہیں ہوں کہ جذبۂ غم میں ہیجان پیدا نہ کیا جائے۔ لیکن جذبۂ غم کی ایسی
مصوری نہ ہو جو ذکر خصائل کے سمجھانے میں غلطی کرتے ہوں۔ میں اسے اس سے
بہتر لفظوں میں نہیں سمجھا سکتا کہ وہ بیبیاں جو شہدائے کربلا کی مائیں۔ بہنیں اور بیبیاں
ہو سکتیں خصائل نگاری میں انصاف کی خواہاں ہیں۔ جذبۂ غم کے ہیجان کے معنی یہی نہیں
ہیں کہ کوئی شخص بدحواسی سے چیخیں مار کر روئے۔ بلکہ اظہار غم کے موقع اور بے چینی کے
وقت صبر ہی سب سے بڑا مرثیہ ہے۔ اس شاخ میں جو کچھ ہوا میرے نزدیک قوم پر اُسکی
خصائل سازی میں بہ نسبت اچھے کے پست تر اثر ہوا۔ اسلئے کہ طبقۂ اُناس کا مثالیہ
زیادہ بلندی کا محتاج تھا اور اسوجہ سے قوم میں بہ نسبت گوارا نرمی کے بے احتیاط نرمی پیدا
ہوئی۔ یہ عام مفہوم ہیں۔ عورتوں کا سا رونا کہا جائے نہ اُن کا ایسا جیسے کربلا کی مخدرات تھیں
آئندہ میرے متذکرہ صدر ریمارک کے متعلق کسی حیثیت کی غلط فہمی نہ پیدا ہونے
کیلئے کہتا ہوں کہ اس میں کسی ایسے خیال کی گنجائش نہیں ہے کہ میں کسی یا کل مرثیہ
گویوں کی کوشش کو خفت کے حوالہ کر رہا ہوں۔ یا جو لکھنے بجز چند کے بہت سے نام نہیں
لئے ہیں اسلئے میرے نزدیک اُنکی کوئی قدر نہیں ہے جنکا نام میں نے نہیں لیا۔ یا کسی سے باوجود
ان باتوں کے پائے جانیکے اعتراض کر رہا ہوں۔ نہیں۔ تمام تعظیم اُنکے لئے جنہوں نے
کوششیں کیں۔ میری کتاب اور میرے نزدیک اُنیسؔ اور دبیرؔ کی ایسی کوئی جنگ
نہیں ہے۔ میں کسی شخص سے بحث نہیں کر رہا ہوں بلکہ اصول سے۔ اور ساتھ ہی
یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ میں حسینؑ کا سوانح نویس ہوں نہ کہ کسی شاعر کا سوانح نویس

واضح یا الفاظ۔ اور اسلئے حسینؑ کی ذات مقدس کے متعلق کسی کوشش کو شخص کی عام حیثیت سے نہیں دیکھ رہا ہوں بلکہ اسکی اس مخصوص حیثیت سے۔ مجھسے یہ بھی اُمید نہ کیجائے کہ میں ذکر حسینؑ کی عظمت کو نرمی اور رعایت سے غیر شایاں ہاتھوں میں دیکھکر اعتراف کرونگا۔

خیر تو میں مختصر اشارے کرچکا جو کچھ مجھے کہنا تھا۔ اب میں بعض کے اشعار اور بعض کا مفہوم پیش کرتا ہوں (مؤلف کو یاد آتا ہے کہ ناسخ التواریخ میں حضرت کا عربی مرثیہ کافی حد تک جمع کیا گیا ہے۔ مولوی سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری نے بھی شہید اسلام میں جمع فرمایا ہے) مینے اپنے نوٹ میں طوالت کے لحاظ سے اشعار نہیں نوٹ کئے۔ بلکہ صرف اُنکا مفہوم۔ اسلئے میں الزام کا مورد نہ قرار دیا جاؤں۔ میری غرض یہ ہے اور بس کہ میں مرثیت کا مفہوم لکھوں۔ جو کتابیں میرے پاس ہیں اُن میں سے بعض اشعار بھی نوٹ کردونگا۔ موقع کے لحاظ سے میں اسکے پہلے اشعار درج کرچکا ہوں۔ وہ حضرت سید الشہدا کے ہوں۔ اہلبیتؑ طہارت کے ہوں یا شعرا کے جو میری غرض پوری طرح سمجھاتے ہیں۔

ابن قتیبہ

مررت علی ابیات ال محمدؐ فلم ار نہا امثالہا یوم حلت

میرا گذر ہوا آل محمدؐ کے گھروں کیطرف تو مینے اُسدن کا الیسا نہیں دیکھا جسدن آیا تھا

فلا یبعد اللہ دیار واھلہا وان اصبحت منہم برغم تخلت

خدا کسی کو اُسکے شہر سے جدا نہ کرے اگرچہ وہ دشمنونکے گمان میں خالی ہوگئی ہوں

الا ان قتل الطف من آل ہاشمؑ اذلت رقاب المسلمین فذلت

آگاہ ہو کہ کربلا میں آل ہاشمؑ کے قتل نے مسلمانوں کی گردنوں کو شرم سے نیچا کردیا

امام زین العابدینؑ علیہ السلام

ان الزمان الذی قد کان یضحکنا بقربہم صار بالتفریق یبکینا

وہی زمانہ جو کبھی ان (مہجور عزیزوں کے) قرب سے ہمکو خوش کرتا تھا اب اُنکے فراق سے ہمکو رُلا رہا ہے

خلت لفقدھم ایامنا فغدت سودا وکانت بہم بیضا لیالینا

اُنکی جدائی سے ہمارے دن سیاہ ہوگئے حالانکہ (اُنکی موجودگی میں) ہماری راتیں بھی نورانی تھیں

فہل تری الدار بعد البعد انستہ ام ھل یعود کما قد کان نادینا

کیا اُنکے فراق کے بعد تو گھر کو آباد پائیگا — یا جسطرح پہلی ہمکو بلانیوالا بلاتا تھا اُسطرح پھر بلائیگا

ترشفو بعوادی فی هواد جبکم — فقل له یوم ساحت من اساضینا

اپنے ہونٹوں میں میرے دل کے ساتھ نرمی کرو — جو اُس روز سے گم ہے جب وہ ہماری سرزمین سے کوچ کر گئے

والذی حجت الرکبان کعبته — ومن الیه المطایا الکل ساعینا

قسم ہے اُس ذات کی جسکے کعبہ کا حج کرنیکیلئے سوار جاتے ہیں اور جسکی طرف تمام سواریاں دوڑتی ہیں

امام صمیری

وبه ریحانتین طیبهما منك — الذی اودعتما الزهراء

(یا رسول اللہ) میں آپکو آپکے ریحانتین کا واسطہ دیتا ہوں جنکی خوشبو آپسے تھی اور جو حضرت فاطمہ زہرا کی

کنت توؤ بهما الیاث کما آ — وت من الخط نقطتیها الیاء

آپکو اسطرح اپنے سے لگائے رکھتے تھے جسطرح حرف یاء کا خط کشیدہ اپنے دونوں نقطوں کو پناہ میں رکھتا ہے

من شهیدین لیس ینسینی — الطف مصابیهما ولا کربلاء

وہ دونوں ایسے شہید ہیں کہ طف اور کربلا اُن دونوں مصیبت زدوں کو مجھے بھولنے نہیں دیتے

ماسعی فیهما ذمائك سرؤ — س وقد خان عهدك الرؤسا

رعایا نے آپکے ذمہ داریوں کی رعایت نہ کی اور رئیسوں نے بھی آپکے عہد میں خیانت کی

ابدلوا الود والحفیظة فے القر — بی وابدت ضبابها النافقاء

لوگوں نے محبت اور حفاظت کو جو آپکے قرابت مندوں کے لئے چاہئے تھی بدل دیا اور سوراخ نے اپنے سوسماروں کو

وقست منهم قلوب علے من — بکت الارض فقدهم والسماء

اُنکے قلوب اُن لوگوں کیلئے سخت ہو گئے جنکے کھو جانے پر زمین و آسمان روئے

فابکهم ما استطعت ان قلیلا — فی عظیم من المصاب بکاء

پس روؤ اُن لوگوں کو جتنا ہو سکے کیونکہ ایسی عظیم الشان مصیبت زدہ کیلئے تھوڑا ہی

کل یوم وکل ارض لکربی — منهم کربلاء وعاشوراء

ہر روز ہر زمین اُن کی مصیبت کیوجہ سے میرے لئے کربلا و عاشورا ہے

آل بیت النبی ان فوادی — لیس یسلیه عنکم التاساء

اے اہلبیت نبی میرے دل کو تمہاری مصیبتیں چین نہیں لینے دیتیں

آل بیت النبیؐ طبتم فطاب　　المدح لی فیکم وطاب الرثاء

اے اہلبیتؑ رسول اللہ تم لوگ پاک ہو اسوجہ سے میری مدح اور مرثیہ خوانی بھی پاکیزہ ہے

انا حسان مدحکم فاذا نحتُ　　علیکم فاننی الخنساء

میں تمہاری مدح میں مثل حسان کے ہوں اور جب تمہارا ماتم کرتا ہوں تو خنسا ہوں (خنسار ایک عورت تھی جو ہجو اور مرثیہ کہنے میں مشہور تھی)

سدتم الناس بالتقوی وسواکم　　سودتہ البیضاء والصفراء

تم تقوی کیوجہ سے لوگوں کے سردار ہو اور تمہارے سوا اور وں کی سرداری سونے اور چاندی کیوجہ سے ہے

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ

لهم جسوم علی الرمضاء مهملۃ　　والنفس فی جوار اللہ یقریہا

اُن کے جسم خاک پر پڑے ہیں اور اُن کی جانوں کی مہمانی خدا اپنے جوار رحمت میں کرتا ہے

کان قاصدها بالضر نافعها　　وان قاتلها بالسیف محییها

جو اُنکے ضرر کا ارادہ کرتا تھا اُسنے اُنکو نفع پہنچایا　　اور اُنکو تلوار سے مارنیوالا اُنکا جلانیوالا تھا

لا اعلم

الا حسیناً هبلاً　　کان حسینا جبلاً

میں خبر لاہوں کہ حسینؑ شہید ہوئے حسینؑ جو پہاڑ تھے

جعفر ابن عفان

اگر کوئی مصیبت پر روتا ہے تو اسلام پر روے کہ اُسکے احکام کو اُسروز ضایع کر دیا جسروز تلوار اور نیزوں کو امام حسینؑ علیہ السلام کے خون سے سیراب کیا۔

عبد اللہ بن غالب

حسینؑ کے جسم اقدس کو روو جو کربلا کی خاک گرم پر عریاں پڑا تھا اور ہوائیں گرد و غبار اُس لاش اقدس پر جمع کرتی تھیں کہ برہنگی سے محفوظ رہے۔

دعبل خزاعی

اے فاطمہ زہرا۔ اے سیدہ زنان عالم اگر آپ ہوتیں اور اپنے پارہ جگر کو بالب تشنہ فرات پر افتادہ شہید دیکھتیں تو ضرور اپنے موںھ پر طمانچے مارتیں اور مثل پرنالہ کے آنسو رخسار پر جاری ہوتے۔

حضرت زینب علیہا السلام

یا هلالاً لما استتم کمالاً　　غاله خسفه فابدا غروبا

اے ہلال ابھی تو کمال کو بھی نہ پہنچا تھا کہ گہن لگ گیا اور ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔

ایضاً

اگر وہ بنات رسولؐ جبر سے بے پردہ ہیں تو اپنے عفت و حیا کی وجہ سے۔ پردے میں ہیں

حضرت رباب

ان الذی کان نوراً یستضاء به　　بکربلاء قتیل غیر مدفون

وہ جو نور تھا اور لوگوں کو اس سے نور حاصل ہوتا تھا کربلا میں شہید کیا گیا اور کسی نے دفن بھی نہیں کیا

سبط النبی جزاك الله صالحۃ ۔ عنا وجنبت خسران الموازین

اے سبط نبی خدا آپ کو جزائے خیر دے ۔ آپ میزان کے نقصان سے بچ گئے

فقد کنت لی جبلا صعبا الوذبہ ۔ وکنت تصحبنا بالرحم والدین

آپ میرے لئے ایک مضبوط پہاڑ تھے جس میں پناہ لیتی تھی اور آپ ہمارے ساتھ رحم اور دین سے پیش آتے تھے۔

من للیتامی ومن للسائلین ومن ۔ یعنی ویاوی اللہ کل مسکین

اب کون رہا ہے جو یتیموں اور فقیروں کو پناہ دے۔ اور جس کی طرف مسکین جا دیں

واللہ لا ابتغی صہرا بصہرکم ۔ حتی اغیب بین الرمل والطین

واللہ تمہارے گھر کے سوا اب کسی کی بہو نہ ہونگی جبتک کہ ریگ اور خاک میں دفن نہ ہو جاؤں

لا اعلم

اری قتل طفل من سلالۃ ہاشم ۔ تنوح لہ کل الوری نوح ماتمہ

میں دیکھ چکا ہوں کہ اگر بنی ہاشم میں کوئی بچہ قتل ہو جاتا تھا تو تمام دنیا اسکے لئے نوحہ کرنے لگتی تھی

وکانوا غیاثا ثم بادوا جمیعہم ۔ وقد عظمت تلك الرزایا بفاطمہ

پھر وہ دن آیا کہ سب کے سب ہلاک ہو گئے حالانکہ وہ فریادرس تھے اور یہ مصیبتیں حضرت فاطمہ زہرا کیلئے بہت بڑی ہو گئیں۔

عقبہ بن عروۃ الشبعی

مررت علی قبر الحسین بکربلا ۔ ففاض من دموعی غزیرہا

جب کربلا میں حسین کی قبر پر میرا گذر ہوا ۔ تو میری آنکھوں سے آنسوؤں کی سیل جاری ہو گئی

فیا عین ابکی للحسین وعصبتہ ۔ اطافت بہ من جانبیہ قبورہا

اے آنکھ حسین اور انکے اعزا پر رو ۔ اور گرد پھرا ان قبروں کے جو حسین کے گرد بنی ہیں

سلام علی اہل القبور بکربلاء ۔ وقل لہم منی السلام یزورہا

ان پر میرا سلام جنکی بہترین کربلا میں بنی ہیں ۔ اور انھیں بھی میرا سلام پہنچا جو انکی زیارت کرتے ہیں

شافعی

ومیرا دل مبتلائے آہ ہے... کون ایسا ہے جو حسین تک میرا پیغام پہنچا دے۔ اگرچہ اس پیغام رسانی سے لوگوں کے نفس وقلوب کراہت کرتے ہیں حسین بیگناہ ذبح کیا گیا اور اسکا کرتہ ارغوانی رنگ کے پانی (خون) سے رنگین ہوا۔ کیسا تعجب ہے کہ رسول ہاشمی پر صلوات بھیجی جاتی ہے اور انکی اولاد سے جنگ کیجاتی ہے

جوہری

"روزِ عاشورا پکار الیقدر افسوس ہے دین پر اے آلِ یٰسین ...... آج کے دن فخرِ مضر کے ستارے ذلت و توہین کے ساتھ ٹوٹے۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ کا نورِ روشن بجھ گیا اور تقویٰ کا خون زمین پر بہایا گیا.... آج کے روز ہی عرب نے بدر و صفین کے کینے نکالے"

کمیتؒ

"امتبہ! ظلم کی اہلبیتؑ پر جسنے کی ہے اُسکا بقیہ یزیدؔ نے پورا کیا"

حضرت ام کلثوم علیہا السلام

"وطن والے مسافرانِ عدم اور ہمیں وداع کر لو قبل اسکے کہ ہم سے دور ہو ...... کشادہ زمین تمہارے بعد مجھ پر قید خانہ بنگئی۔ تم پر سلام ہو (اے شہید انِ کربلا) تمہارا فراق کسقدر تلخ ہے ..... جب آفتاب طلوع کرتا ہے تو اے اہلِ وطن تم یاد آتے ہو اور جب غروب کرتا ہے تو تمہاری وجہ سے غم تازہ ہو جاتا ہے۔ (شہید اسلام)"

قاآنی

بارد چہ؟ خون۔ کہ دیدہ۔ چساں؟ روز و شب چرا؟ — از غم۔ کدام غم؟ غمِ سلطانِ اولیا

نامش چہ بد؟ حسینؑ۔ ز نژاد کہ؟ از علیؑ — مامش کہ بود؟ فاطمہؑ۔ جدش کہ؟ مصطفیٰ

چون شد؟ شہید شد۔ بہ کجا؟ دشتِ ماریہ — کے؟ عاشرِ محرم۔ پنہاں؟ نے برملا

شب کشتہ شد؟ نے روز۔ چہ ہنگام؟ وقتِ ظہر — شد از گلو بریدہ سرش؟ نے نے از قفا

سیراب کشتہ شد؟ نہ کس آبش نداد؟ داد — کہ؟ شمر۔ از چہ چشمہ؟ ز سرچشمۂ فنا

مظلوم شد شہید؟ بلے۔ جرم داشت؟ نہ — کارش چہ بود؟ ہدایت و یارش کہ بد؟ خدا

ایں ظلم را کہ کرد؟ یزیدؔ۔ ایں یزید کیست؟ — ز اولادِ ہند بادِ ہند بداد و لعنتِ خدا

خود کرد ایں عمل؟ نہ۔ فرستاد نامہ — نزد کہ؟ نزد زادہ مرجانہ دغا

ابنِ زیاد۔ زادہ مرجانہ بد؟ نعم — از گفتہ یزید تخلف نہ کرد؟ لا

ایں نابکار کشت حسینؑ را بدستِ خویش؟ — نہ۔ او روانہ کرد سپہ سوئے کربلا

میرِ سپہ کہ بود؟ عمر سعد۔ او برید — حلقِ عزیزِ فاطمہؑ؟ نے شمرِ بے حیا

ہیچ آنکہ شود خلق را شفیع — شرط شفاعتش چہ بود؟ نوحہ و بکا

کس کشتہ شد ہم از پسرانش؟ بلے دو تن — دیگر کہ؟ نہ برادرو۔ دیگر کہ۔ اقربا

دیگر پسر نداشت؟ چرا داشت۔ آنکہ بود؟ — سجادؑ۔ کو بدا و بہ غم و رنج مبتلا

ماند او بکربلائے پدر؟ نے۔ بشام رفت — با عز و احتشام؟ نہ با ذلت و عنا

تنہا؟ نہ۔ با زنانِ حرم۔ نام شاں چہ بود — زینبؑ۔ سکینہؑ۔ فاطمہؑ۔ کلثومؑ بے نوا

برتن لباس داشت؟ بلے۔ گرد رہگذر — بر سر عمامہ داشت؟ بلے چوب اشقیا
بیمار بُد؟ بلے۔ چہ دوا داشت؟ اشک چشم — بعد از دوا غذاش چہ بُد؟ خون دل غذا
کس بود ہمرہش؟ بلے اطفال بے پدر — دیگر کہ بود؟ تپ کہ نمی گشت از وجدا
اہل زینت حرم چہ بجا ماندہ بود؟ دو چیز — طوق ستم گردن و خلخال غم بہ پا
گبر این ستم کند؟ نہ۔ یہود و مجوس؟ نہ — ہندو؟ نہ۔ بت پرست؟ نہ۔ فریاد ازین جفا
تا آج ایست قابل این شعرہا؟ بلے — خواہد چہ؟ رحمت۔ از کہ؟ ز حق۔ کے؟ بصف جزا

ملا محتشم کاشی

باز این چہ شورش است کہ در خلق عالم است — باز این چہ نوحہ و چہ عزا و چہ ماتم است
گر خوانمش قیامت دنیا بعید نیست — این رستخیز عام کہ نامش محرم است
جن و ملک بر آدمیان نوحہ میکنند — گویا عزاے اشرف اولاد آدم است
خورشید آسمان و زمین نور مشرقین — پروردہ کنار رسول خدا حسین
اے چرخ غافلی کہ چہ بیداد کردہ — وز کین چہا درین ستم آباد کردہ
کام یزید دادہ از کشتن حسین — بنگر کرا بہ قتل کہ دل شاد کردہ
بہر خسے کہ خار درخت شقاوت است — در باغ دین چہ با گل و شمشاد کردہ
حلقے کہ بوسہ داد لعل لب خود نبی بر آں — آزردہ اش بہ خنجر بیداد کردہ
با دشمنان دین نتوان کرد آنچہ تو — با مصطفیٰ و حیدر و اولاد کردہ
کشتی شکست خوردہ طوفان کربلا — در خاک و خون فتادہ بمیدان کربلا
در آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں — خوش داشتند حرمت مہمان کربلا
آہ از دمے کہ لشکر اعدا نکردہ شرم — کردند رو بخیمہ سلطان کربلا
کاش آن زمان سرادق گردون نگوں شدے — این خرگہ بلند ستون بے ستوں شدے
آل نبی چو دست تظلم بر آوردند — ارکان عرش را بہ تزلزل بر آوردند
بر خوان غم چو عالمیاں را صلا زدند — اول صلا بہ سلسلہ انبیا زدند
نوبت بہ اولیا چو رسید آسمان طپید — زاں ضربتے کہ بر سر شیر خدا زدند
آنگہ سرادقے کہ ملک محرمش نبود — کندند از مدینہ و در کربلا زدند

اہل حرم دریدہ گریباں کشادہ مو   فریاد بر در حرم کبریا زدند

چون خون حلق تشنہ او بر زمیں رسید   جوش از زمیں بذروہ عرش بریں رسید

نزدیک شد کہ خانہ ایماں شود خراب   از بس شکستہا کہ بارکان دین رسید

باداں غبار چوں بمزار نبیؐ رساند   گرد از مدینہ بر فلک ہفتمیں رسید

پر شد ز شور غلغلہ چوں نوبت خروش   از انبیا بہ حضرت روح الامیں رسید

کرد ایں خیال وہم غلط کار کاں غبار   تا دامن جلال جہاں آفریں رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال   او در دل ست ہیچ دلے نیست بے ملال

روزیکہ شد بہ نیزہ سر آں بزرگوار   خورشید سر برہنہ برآمد ز کوہسار

جمعے کہ پاس محمل شاں داشت جبرئیل   کردند بے عماری و محمل شتر سوار

با آنکہ سر زد ایں عمل از امت رسولؐ   روح الامیں ز روی نبیؐ گشت شرمسار

بر حربگاہ چوں رہ آں کارواں فتاد   شور نشور در ہمہ کون و مکاں فتاد

ہر جا کہ بود آہوی از دشت پا کشید   ہر جا کہ بود طائرے از آشیاں فتاد

شد وحشتے کہ شور قیامت بگرد رفت   چوں چشم اہلبیت بر آں کشتگاں فتاد

ناگاہ چشم دختر زہرا در آں زماں   بر پیکر شریف امام زماں فتاد

بے اختیار نعرہ ہذا حسین زد   سر زد چناں کہ آتش از و در جہاں فتاد

پس با زبان پرگلہ آں بضعۃ البتولؑ   رو در مدینہ کرد کہ یا ایہا الرسولؐ

ایں کشتہ فتادہ بہ ہاموں حسینؑ تست   ایں صید دست و پا زدہ در خوں حسینؑ تست

ایں خشک لب فتادہ ممنوع از فرات   کز خون او زمیں شدہ جیحوں حسینؑ تست

ایں قالب طپاں کہ چنیں ماندہ بر زمیں   شاہ شہید ناشدہ مدفوں حسینؑ تست

ایں غرقہ محیط شہادت کہ روی دشت   از موج خون او شدہ گلگوں حسینؑ تست

خاموش محتشم کہ ز ذکر غم حسینؑ   جبرئیلؑ را ز روح پیمبر حجاب شد

خاموش محتشم کہ ازیں نظم گریہ خیز   روی زمیں بہ اشک جگرگوں خضاب شد

تا چرخ سفلہ بود خطائے چنیں نہ کرد   بر ہیچ آفریدہ جفائے چنیں نہ کرد

ملا مقبل

پس از شہادت عباسؑ بے برادر شد — غریب و بیکس و بے آشنا و یاور شد
سرے نہ دید کہ زینت دہ سناں گردد — تنے نہ دید کہ در خاک و خوں طپاں گردد

(حضرت زینبؑ کو طلب فرما کر وصیتیں اور حضرت سکینہ کیساتھ مخصوص لطف کیجئے)

کہ ادا از اہل حرم ظلم ناکشیدہ تر است — ز دختران یتیم ستم نہ دیدہ تر است
لباس کہنہ از اہلبیتؑ کرد طلب — سوال کرد ز تفتیش حال آں زینبؑ
جواب گفت کہ اے نور دیدہ زہرا — سرور سینۂ ام الائمۃ النجبا
نہ گفتمت کہ خبر دادہ است پیغمبرؐ — ز آب خوردنم از آب جدول خنجر
کنوں بوعدہ حق باید م وفا کردن — بمژدہ خبرش جان و سر فدا کردن
چو سر ز پیکرم از تیغ کیں جدا سازند — گل سر سبد نیزہ جفا سازند
ازیں سبب کہنہ لباس ست حاجتم اکنوں — کہ چوں لباس بہ اہل ستم بیرون
بجامہاے تو ام اہل ظلم در سازند — دگر بہ سوی کہن جامہا نہ پردازند
روایت است کہ چوں تنگ شد براو میدان — فتاد از حرکت ذوالجناح و از جولاں
نہ سید الشہداؑ بر جدال طاقت داشت — نہ ذوالجناح دگر تاب استقامت داشت
کشید پا ز رکاب آں خلاصہ ایجاد — برنگ پر تو خورشید بر زمیں افتاد
بلند مرتبہ شاہی ز صدر زیں افتاد — اگر غلط نہ کنم عرش بر زمیں افتاد

شفیق مکرم خواجہ غلام محمود صاحب بی۔اے وکیل اقبال
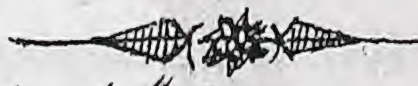
تھا کون جو کربلا میں برباد ہوا؟ — لوٹا گیا کون؟ کون آباد ہوا؟
جو پھول بکھر گیا وہ کس باغ کا تھا — گلچیں اُسکا وہ کون ناشاد ہوا؟
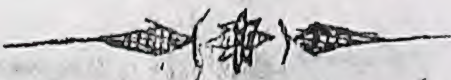
فریاد کرینگے ماتمی ہوئیں گے — سر پیٹ کے آنسوؤں سے منہ دھوئینگے
گر کوئی نہ روئیگا زمانہ میں تمہیں — اسوقت بھی اے حسینؑ ہم روئینگے

مجالس حسینؑ

اس حلقہ میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ حضرت کی سوانح عمری کے لحاظ سے مجلس جو حضرت کے سوانح کا ایک جزو ہو گئی ہے اُسکے متعلق بھی کچھ کہا جائے۔

جو کچھ میں اوپر کہہ چکا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ نہ صرف حضرات ائمہؑ نے حضرت کے ذکر کا اہتمام فرمایا بلکہ شاعروں کی قدردانی سے وہ زبان خرید لی جو اشاعت مدح میں کام دے اور اسطرح شاعری کی ایسی دل پسند چیز خصوصاً عرب کیلئے اس بہتر شغل کیلئے کام میں لائی گئی ائمہؑ کے علاوہ ملوک دیالمہ اور بنی فاطمہؑ نے اسکا اہتمام کیا اور اُس وقت سے برابر اسوقت تک مجالس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ یہانتک کہ اب یہ ورثت ہوئی جو ہم میں آج موجود ہے۔

بادی النظر میں مجالس کا مفہوم یہ قرار دیا گیا ہے کہ حضرت شہیدؑ کربلا پر رونا اسکی غایت ہے۔ اور دلیل کیلئے ائمہ اہلبیتؑ کی حدیثیں پیش کیجاتی ہیں کہ جو شخص روئے حسینؑ پر وہ داخل بہشت ہوگا۔ یا اُسنے خمسہ نجبا پر احسان کیا۔ یا جو شخص روئے یا رُلائے یا ... رونیوالوں کی سی صورت بنائے وہ داخل بہشت ہوگا۔

میں چاہتا ہوں کہ رونے کی حالت پر میرے ساتھ غور کیا جائے۔ رونا کیا ہے اور کوئی شخص کیوں روئیگا۔ کیا کوئی بلا اثر کے رو سکتا ہے۔ یہ سمجھنا محال ہو کہ ہیجان غم پیدا ہو بغیر اسکے کہ انسان کسی اندوہناک حالت سے اثر لے اور وہ اثر اسقدر تیز ہو جو اُسکی احساس میں ایسی تھرّاہٹ پیدا کرے کہ آخر میں یہ دوسری حالت پیدا ہو جائے جسے رونا کہتے ہیں۔ رونیکے معنی لازماً آنسو بہانا نہیں ہیں بلکہ یہ رونیکی یہ ایک بے اختیارانہ صورت ہے جو کمزوری احتیاط بھی جا سکتی ہے۔ صاحب ارادہ اور صاحب ہوش اور صاحب احتیاط لوگوں کے نزدیک داغ غم کی موجودگی ہیں۔ ضبط اور حتی الوسع کم اظہار غم اور اثر کی کوشش سب سے بڑا رونا سمجھا جاتا ہے۔ یہانتک کہ ایک شخص رو سکتا ہے بغیر اسکے کہ اُسکی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی یا چہرہ میں کوئی ظاہر تغیر پایا جا سکے۔ یہ رونا بھی دیکھا جاتا ہے اور کچھ مخفی تحریریں ایسی ہوتی ہیں جو بغیر ظاہر ہوئے نہیں رہتیں۔ ضبط کی حالت میں ان تحریروں کی وضاحت سب سے زیادہ اثر خیز ہے۔ اسکے علاوہ باوجود ضبط کے غم سے متاثر ہونیکی حالت اگرچہ وہ ہمارے اعضائے ظاہری میں ظاہر نہ ہو وہ اثر ڈالتی ہے جیسے قلبی اثر کہیں اور وہ ... انسان اُس سے بغیر اثر لیئے نہیں رہسکتا۔ یہ ضابط اور صابر لوگوں کا رونا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی سرد آہ۔ یا کوئی کراہ۔ یا صدا کی کوئی تھرتھراہٹ۔ یا آنسو کا کوئی بھیگا قطرہ صابر کو اپنے درجہ صبر سے گرا دیتا ہے۔ نہیں۔ بلکہ اسکی اسوقت کی اسکے علاوہ صورت صبر یا عدم صبر کا تصفیہ کرتی ہے۔ اور پھر صابر بھی انسان ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اسکا ہوش کثرت ہیجان سے ذرا سا جھپک جائے اور وہ سیل جسے صبر نے روک دیا تھا اس تھوڑے سے وقت میں امنڈ آئے جسے ہوش کی معاودت روک دے اور پھر تھمتے تھمتے آنسو تھمیں۔ کیونکہ یہ سچ مچ رونا ہے۔ کچھ ہنسی نہیں ہے۔

یہ رونا جو ایک حالت ہے جسے ضبط اور صبر کا گل جانا اور دل کا پگھل جانا کہیں فطرت انسانی کا ایک ایسا جزو ہے جیسے اور جذبات ہیں۔ اور جماعت انسانی نے رونے کو اظہار محبت و لحاظ و ہمدردی سمجھا ہے اور ان سب کے معنی وہ پیاری چیز ہے جو جماعت انسانی کے کھینچنے اور قریب کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے جسے قلبی وابستگی کہتے ہیں۔ کسی کو حالت اندوہ میں دیکھ کر ہنسنے اور صاحب غم کے علاوہ دیکھنے والے۔ یعنی جماعت انسانی کا کوئی فرد ہنسنے والے کے اس فعل کو خلاف انسانیت۔ مخالف ہمدردی۔ تہذیب سے معرا۔ عدم موقع شناسی۔ بے حسی کہے گا اور دفعۃً اس ہنسنے والے کی طرف سے ہر دیکھنے والے کا خیال بدل جائیگا۔

کیا تم نے نہیں دیکھا ہے اور کیا تم نے خود نہیں کیا ہے کہ کسی کی اندوہناک حالت کو عام اس سے کہ تمہیں تعلق ہو یا نہ ہو دیکھ کر تم نے دفعۃً اپنے کو ایسا بنا لیا ہے جو تمہارا متاثر ہونا کہا جائے۔ ممکن ہے کہ یہ تصنع ہو لیکن دفعۃً تصنع ہی کا خیال آجانا بھی اس وجہ سے ہے کہ ہمارے پہلے کے ایک طویل زمانہ اور جماعت انسانی پر غم کے اثر نے جو روش اختیار کی ہے وہ فضا۔ توریث۔ اور تربیت میں لاشعوری حیثیت سے اسطرح ہم میں داخل ہو گئی ہے کہ عام اس سے کہ ہم کو اپنے کسی خاص انداز کا احساس اور ہوش ہو یا نہ ہو ہمارا تمام خاصہ ویسا ہی بنجاتا ہے جیسا اس موقع کے لیئے موزوں ہے۔ یہ حالت بر لحاظ معاشرت کی ایک جزو ہے۔

اب ذرا ان احادیث ائمہؑ کے دقیق اور موقع پر غور کرو۔ تم جانتے ہو کہ یہ دو

موقع تھا جبکہ حکومت اور لازماً ملک کے تمام افراد بجز معدودے چند کے اہلبیت رسالت کیساتھ دشمنی کے درجہ میں اسقدر ترقی کر گئے تھے جسکا نتیجہ کربلا کا سانحہ عظیم تھا۔ یعنی دشمنوں کی ایک کوشش جسمیں یہ ارادہ کیا گیا کہ آل رسالت میں کوئی مرد باقی نہ رہے جس سے نسل تک قائم رہے۔ ایسی حالت میں یہ اُمید کرنا کہ کوئی ہمدردی کرتا اور اس سانحہ کی عظمت کو اپنے درجہ پر قائم کرنے اور رکھنے کی کوشش کرتا محال تھا۔ لیکن مشیت ایزدی یہی تھی کہ یہ سانحہ اپنی پوری عظمت اور شان سے دنیا کو معلوم ہوتا اور فطرت ہیجان غم کو حسینؑ کے نام سے ایسی نسبت دیتی جسقدر کسی گوشت اور خون کے انسان کیلئے نہ ہوئی ہوگی۔ اور یہ ہیجان غم اسطرح نہ پیدا کیا گیا تھا جو کسی حکومت اور اُسکے تعلقات کے سایہ میں ہو۔ نہ کوئی ایسی ترکیب اختیار کی گئی تھی جیسی تاریخ یہودیں۔ یہود کے آخری خود مختار بادشاہ۔ ہیروڈ اعظم نے اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ اُسنے اپنے آخری وقت جوڈایا کے چند مخصوص خاندانوں کو گرفتار کرایا اور ہیپوڈرم میں زیر حراست رکھکر اپنی بہن سلوم سے وصیت کی کہ جونہیں میں مرجاوں انھیں قتل کرڈالنا اور اس سے تمام شہر میں رونا شروع ہوجائیگا اور یہ رونا اُسکی موت پر رونا سمجھا جائے گا آل رسالتؑ سے دور تھا کہ وہ ایسے ذرائع اختیار کرتی۔ پھر کیا کیا۔ وہی جو ہمدردان حسینؑ جانتے ہیں۔ یہ ایک نہایت سست رفتار کام تھا۔ اسکے علاوہ چارہ نہ تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ ائمہؑ کے ان فقرات میں تصنع سے احتیاط نہیں کیگئی ہے اور رونے اور رلانے کے اہتمام کی ایسی کوشش میں فوراً لوگوں کا اثر خیز حد تک متاثر ہوجانا محال تھا۔ بفرض محال۔ میں اسمیں کوئی ایسی قابل اعتراض شان نہیں پاتا جسمیں یہ کہا جاسکے کہ اصلی غرض بُرے ذرائع سے حاصل کیگئی ہے۔ کامیابی تصنع کی حیثیت میں نہیں ہے نہ تصنع کوئی بڑا نتیجہ حاصل کرسکتی ہے جب تک کہ اصلیت اُسکی حقیقی بنیاد نہ ہو۔ ان احادیث کا اصول یعنی جوشِ ہمدردی پیدا کرنا۔ حقیقتاً حسینؑ کے عظیم الشان موقع اور اُنکی شہادت کی نوعیت سے تھا اور پھر اُسکے بعد اُن ائمہ کا متعدی قوت دار جوش تھا جنھوں نے ان فقرات میں ایک اصول کے نشوونما کی کوشش کی۔ اس کے

علاوہ اصول کی سادگی اور اسے سانحہ کی دردانگیزی سے جو ربط تھا اور پھر اسکے علاوہ رونے
رُلانے اور رونیوالوں کی صورت بنانا جسقدر بے خرچ تھا اُس نے قلوب کے مائل کرنے
میں آسان کامیابی حاصل کی۔ اور پھر موجود لوگوں میں اس شرم کا فطرۃً ہونا کہ نواسہ
رسولؐ شہید ہو جائے۔ لیکن ہم اپنے دنیاوی اغراض یا نساہلی یا کمی ہمت سے
مدد نہ کریں اسمیں معین ہوا کہ اب اظہار ہمدردی میں کچھ کوشش کیجائے۔ رونے سے
زیادہ آسان زیادہ کارگر اور زیادہ باموقع کچھ اور نہ تھا۔ سو یہ کہ کون ذریعہ کس غرض کیلئے
کام میں لایا گیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ وہم یقینی نہیں ہے کہ اس اصول کے نفاذ اور
نشو ونما میں یہ غرض پنہاں تھی کہ جب ایک زمانہ کے بعد ہمدردان حسینؑ کی کافی تعداد
ہو جائیگی تو ہم بنی اُمیہ سے اس شہادت کا انتقام لینگے۔ اور اب بجائے کسی فوری کوشش
کے اسکے طویل نشو ونما سے کام نکالنے کا ارادہ کیا گیا تھا نہیں۔ بلکہ میں سوچتا ہوں
کہ حسینؑ کی شہادت کے بعد بنی اُمیہ کے خلاف جو ہیجان اور نفرت پیدا ہوا تھا اور جسکا
یہ اثر تھا کہ خود اُموی اور یزید و قاتلان حسینؑ بھی اس سے انکار کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے
حسینؑ کی شہادت کا صحیح انتقام تھا اور اس میں جیسے ہمدردی کھلا یہ آسان اصول
شامل ہوتے ہوتے۔ ترقی کرتے کرتے۔ اور جزو عادت و خصائل ہوتے ہوتے ایک
حد تک پہونچ جاتا یعنی قتل حسینؑ عموماً ایک ملعون فعل سمجھا اور یقین کر لیا جاتا اور نہ
حسینؑ کی شہادت اور اُسکے اصول کی عظمت عام ہو جاتی تو اسکے دوسرے معنی یہ
تھے کہ اُموی روح عداوت فنا ہو جاتی عام اس سے اُموی نسل ضایع ہوتی یا نہ ہوتی
اور اسطرح اُن انقلابات کی محتاجی نہ ہوتی جو مختار وغیرہ سے ظاہر ہوئی۔ اگرچہ شہادت
کے عظیم الشان اثر سے کوئی فوری ہیجان نہ ہونا بھی عجیب خیز ہوتا۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس اصول سے کیا غرض تھی اور ائمہ کی اُسوقت کیا حالت
تھی؟ اس اصول سے یہ غرض تھی کہ حسینؑ سے محبت اور ہمدردی پیدا ہو جائے۔ اور
جب میں "حسینؑ" کا لفظ استعمال کر رہا ہوں تو میں یہ سمجھا رہا ہوں کہ وہ تمام حیثیتیں جو
اس نام سے متعلق تھیں اُنکا مرکز۔ اور جب میں محبت کا لفظ استعمال کر رہا ہوں تو

اسکے پورے وسیع مفہوم سے میرے خیال کا تعلق ہے۔ حسینؑ کی سب سے بڑی حیثیت اُنکی شہادت تھی۔ شہادت اسلئے تھی کہ حسینؑ کا وہ بلند خاصہ جسکی تربیت کے مختلف اثرات تم پہلے پڑھ چکے وہ اسے گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اسلام یعنی مسلمانوں کے دینی۔ اخلاقی۔ رسمی۔ قانونی۔ تمدنی اصول کا رہنما اور افسر یزید کا سا شخص ہو۔ اور وہ اس طرح ہو کہ ہمیں اپنی رسمی موافقت پر مجبور کر کے ہماری آہستگی گو جو اسلام کا مثالیہ سمجھی جاتی ہے اصولاً نیست و نابود کر دے۔ اگرچہ ہمارا گوشت یا ہڈیاں اور خون لوگوں کو دکھائی دے۔ اب ائمہؑ کی مصلحت کے یہ معنی تھے کہ ایسے حسینؑ سے محبت و ہمدردی پیدا کر کے یعنی لوگوں کے ارادہ اور خیال کو ان اصول کی محبت سے رنگ دے۔ تم سوچ سکتے ہو کہ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب حسینؑ کے خلاف جوش عداوت ترقی کرتے کرتے بیس برس میں ایسا ہوا تھا کہ واقعہ کربلا ہو سکتا تو ایک جڑ پکڑی ہوئی عداوت کو اکھاڑ دینے اور طبایع انسانی کا خاصہ بدل دینے کیلئے نسبتاً زیادہ وقت اور زیادہ سامان چاہیئے تھے۔ سامان کی یہ حالت تھی کہ اور چیزوں کا تو کیا ذکر صدیوں تک ممالک اسلامی میں اس سے بڑا کوئی سلطنت کا جرم نہ تھا کہ کوئی اہلبیتؑ رسالت سے اظہار محبت کرے۔ اس لئے تم سمجھ سکتے ہو کہ حسینؑ سے محبت و ہمدردی کے اس اصول کے نشو میں ائمہ کو یہ تک موقع حاصل نہ تھا کہ وہ اسطرح مجلس منعقد کرتے جیسے مجمع ہم کر لیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ سوچنا محال ہے کہ ایک قوم میں عموماً محبت و ہمدردی پیدا کرنا۔ کسی اصول سے پیدا کرنا۔ ایک انفرادی حیثیت کا اصول تھا۔ نہیں۔ بلکہ یہ معاشرت اور اسکی قوت کا سب سے قوی اصول تھا۔ اسلام کو بہ نسبت دیگر ادیان کے اسکی معاشرتی قوت سے امتیاز حاصل ہے وہی معاشرتی اصول اب پھر برتا گیا تھا۔ اسلام کے نام سے نہیں بلکہ اسکے صحیح مثالیہ یعنی حسینؑ کے نام سے۔ حسینؑ کے نام کی مرکزیت سے یعنی حسینؑ کا اسم مقدس وہ کنجی تھی جس سے انسان کی تخئیل۔ انسان کی معاشرت۔ انسان کے مذہب اور انسان کے اخلاق میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنے کا ارادہ کیا گیا تھا۔ محبت اور ہمدردی سے یعنی واقفیت۔ تربیت۔ ارادہ اور وابستگی سے۔ یا دوسرے لفظوں میں ایک قوم

بنانیکا سانچہ تھا جسکے افراد سے حسینؑ یاد آئیں حسینؑ ظاہر ہوں اور حسینؑ ابدالاباد تک اپنی جسمانی حیات سے قومی تر حیات میں زندہ رہیں۔ زیادہ بسیط۔ زیادہ لطیف اور زیادہ دل نشین ہو کر۔

تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس اصول کے معنی انفرادی ہمدردی نہیں ہو سکتی اور نہ یہ ممکن تھا کہ کسی خاص ذات سے انفرادی ہمدردی کا مجموعہ ہمیشہ منفرد رہتا۔ نہیں بلکہ ایک نوعیت کی چیزیں ضرور ایک جگہ جمع ہوتیں اور وہ دینی اور معاشرتی صورت اختیار کرتیں۔ اس اصول کی ایک سب سے بڑی خوبصورتی یہ تھی کہ راسخ حیثیت سے افراد بنائے تھے جسمیں قوم بننے اور مجموعہ کی صورت اختیار کرنیکی فطری صلاحیت تھی۔ اور اگر اسکی کوشش کیجائی کہ ہم مجمع اور کافی تعداد سے ہم خیالی چاہیں تو اسکی کامیابی نہایت ظاہر طریقوں کی محتاج ہوتی جن میں سے کوئی ممکن نہ تھی۔ قوم گر اپنے اصول میں کامیاب ہوئے۔ اور مجلسیں اس اصول کی کامیابی کی بہترین دلیل ہیں۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ مجلسیں ہونے لگیں اور لوگ دکھائی دینے لگے۔ حسینؑ کے مصائب کا ذکر ہونے لگا۔ تو کیا اصول کی غرض پوری ہو گئی؟ نہیں واللہ۔

یہ تو اصول کے ظاہری آسان نتائج یا ابتدائی شکلیں تھیں۔ آنسو کے چند قطرے یا غم کی صورت تمہارا پہلا عہد تھا۔ تمہارا پہلا پیشکش تھا جسکے بغیر تم اصول کے پہلے دروازہ پر نہیں پہونچ سکتے تھے۔ یہ کشف صدر تھا اور بس۔

تمنے بانیان قوم۔ رہنمایان ملت اور وسیلے روحانی کے اقوال خصوصاً بڑے اصول کو اسقدر پچھلا کیوں سمجھ لیا ہے کہ اُن کی غرض یہ تھی اور بس کہ عورتوں کا آلہ تمہارا عزو فضائل ہوتا اور بس ؟ یہ ہماری کاہلی۔ ہماری غلط فہمی۔ ہماری بے مغزی ہوگی کہ باغبان کا فرض بیج بونے تک پورا ہو گیا۔ پودا اُگے یا نہ اُگے۔ اور اُگے تو اُسے پانی دیا جائے یا خشک ہو جائے۔ نہ آبیاری کی ضرورت رہی نہ غیر ضروری اور بد نما شاخوں کی تراشنے کی۔

یہ ہمارا ضعف تخیل۔

پیش بینی کی کمی۔ مفید باتوں سے فائدہ اُٹھانیکی کمی صلاحیت تھی جسنے ہمیں انحطاط اور

اور زوال کا مرادف بنا دیا۔ نتیجہ کیا ہوا۔ یہ کہ مجلس کا مفہوم تو سوخت ہوگیا اور اب ایک محاسب کے نزدیک اس اعتراض کی گنجائش پیدا ہوگئی کہ یہ اقتصادی خسارے کی حالت میں ایک اور بار ہے اور ہمارے مزید غور کی راہ میں اپنی رسمی صورت سے ایک آڑ ہوگئی۔

"مسیحیانہ امید" جو یہود کے قومی مصالح میں مفید ترین تھی اور جو مورخین کے نزدیک قومی تیاری کا ایک ذریعہ ہو سکتی تھی اپنی معاشرتی صورت اور عناصر کے لحاظ سے مجلس کی ایسی معاشرتی قابلیت نہ رکھتی تھی۔ ہمارے پاس نہ صرف "مسیحیانہ امید کی طرح اصولاً" "انتظار مہدی" تھا بلکہ مجلس بھی تھی۔ جو اگر ایک نظریہ تو دوسرا عملی ذریعہ سے تعبیر کیا جا سکے۔ ہم کس طرح تیار تھے۔ اسے ہمارے زمانہ کی تاریخ نے دکھا دیا۔ اس طرح دکھایا جس سے سخت تر اور زیادہ نادم کرنیوالی کسی قوم کی مثال نہیں ہو سکتی تھی۔ کیا تھی۔ امام ثامن کے روضہ مقدس کا واقعہ۔ واقعہ نے ہمیں کیونکر پایا یہ کہ ہمنے چند اشعار موزوں کرلیے جسمیں ہم امام صاحب الزمان سے فریاد کرتے تھے۔ لوگوں نے "ان نفوس قدسیہ کے وجود کو کائنات اور اسباب کائنات کی نفی سمجھ لیا ہے۔!" اور اسکے بعد ایک مجلس بڑھ گئی! کیا ہوگا اگر بقیہ اماکن مقدسہ کی بھی یہی حالت ہو۔ چند ایسی ہی اور مجلسیں بڑھ جائینگی۔ دوسرے لفظوں میں ہم اُس سے ایک قدم آگے نہیں بڑھے تھے۔ جس حالت میں حسینؑ یا دین کے مجسمے نے اپنے کو بے یار و مددگار پایا تھا۔ کیا یہ مجلس جو بڑھ گئی اسلام۔ اصول۔ اور اُسکے مجسمے سے تجدید بیعت تھی اور ہم قومی خصائل اور قومی تیاری کا حلف لے رہے تھے نہیں۔ اسکا اہتمام کر رہے تھے کہ ایک جگہ جمع ہو کر حقے پئیں۔ کچھ شیرینی بانٹ دیں اور کچھ ذاکری کے مخصوص انداز دیکھ لیں۔ اُسکے بعد۔؟ اُسکے بعد یہ کہ ہمیں امتیاز کا ایک موقع یاد رہیں۔ ذاکر فاتحانہ انداز سے داہنے بائیں دیکھے اور لوگ اپنے ایثار پر ناز کریں کہ ہمنے کچھ وقت اس مشغلہ میں صرف صرف کر دیا۔ بس۔؟ بس۔ شاید اسقدر اور کہ کسی اخبار میں چھپوا دیا جائے۔ یا مجلس کا فوٹو لے لیا جائے۔ اسکے بعد۔ اب پھر کہینگے۔ نیند لگی ہے۔ کیا تم انھیں خصائل پر امام عصرؑ کی اُمید کرتے ہو؟ نہیں ایسی اُمید۔ اصول مضحکہ ہے۔ اصول کی نافہمی ہے۔ تمہاری ترقی ظہور کی

ایک صورت ہوتی۔ کیا تم نے ایسی احادیث نہیں سنیں کہ امام عصر کا ظہور ایسے ایسے چالیس آدمیوں کے ہونے پر ہوگا۔ یا امام عصر کے ہمراہ ایسے اور ایسے آدمی ہونگے اور جماعت کا ربط ضبط اس درجہ پر ہوگا۔ کیا یہ ایک بے معنی فقرہ ہے یا لفظوں کا بیکار مصرف ہے؟ نہیں۔ بلکہ ہماری قومی ترقی کو ایک لامحدود زمانہ کے حوالہ کیا ہے۔ درستی فضائل کا ایک معیار اور اصول حوالہ کیا ہے اور مایوسی سے روکا ہے۔

کیا حسینؑ کی شہادت کی غرض یہ تھی کہ کچھ رونیوالے پیدا ہو جائیں اور بس۔ یا ہمدردی کے اس اصول سے ائمہؑ کی یہ غرض تھی کہ جب ایسا ہوگا تو ہمکو حصول اختیار میں آسانی ہوگی۔ اس سے زیادہ لغو کوئی خیال نہیں ہو سکتا۔ اگر ان انوار مقدسہ میں یہ حوصلہ ہوتا تو ایک اشارہ اور بس بنی اُمیہ اور بنی عباس کی سلطنتیں ان گھر والوں کو سونے اور چاندی سے بھر دیتیں۔ اگر ان میں ایسا ہی حوصلہ ہوتا تو پھر یہ علاج بالمثل کیوں نہ کرتے۔ علاج بالضد کی کیا ضرورت تھی۔ کیا بنی اُمیہ کی کامیابی اُنکے سامنے نہ تھی کہ اُنھوں نے ملک بنی تیم اور عدی سے اختیار لے لیا۔

یہ نفوس قدسی نہ ملنے اور علیحدگی میں ایک بڑے شریف حس ایک بڑی بلند ارادی پر کھڑے تھے اور وہ بد اخلاقی سے مس تک نہ ہونے ہو آنک نہ لگنے دیتا تھا۔ اور اپنے اصول سے ایک قوم بنانا چاہتا جو ایک صاحب خصائل۔ صاحب ارادہ بلند قوم ہو جو حق پر چلتی ہو۔ جنہیں دیکھکر یہ الفاظ خود سب کے حلق میں آ آجائیں کہ ہماری دنیا ایک مرکز اخلاق کی بنائی ہوئی نہیں ہو سکتی۔ جہاں اسقدر وحشت۔ اسقدر مغائرت۔ اسقدر خود غرضی۔ اسقدر ظلم اور ایسی برائیاں ہیں۔ بلکہ یہ دنیا کو جنت بنا رہے تھے۔ جہاں سے فرد اور جماعت کی ایذا رسانی سے فرد اور جماعت محفوظ ہوتی اور اُس خیالی لفظ کی حقیقی حکومت ہوتی جسے محبت کہتے ہیں۔ تو "قومی تباہی" اور "خصائل کی درستی" یا "ایسی قوم جسے اور جسکے افراد کو دیکھکر حسینؑ یاد آئیں" اس سے میری کیا غرض ہے کیا اس سے میرا ویسا ہی مفہوم ہے جسکا ہمیں اکثر طعنہ دیا جاتا ہے کہ اگر جناب امیرؑ "غالب کل غالب" تھے تو انھوں نے ایسا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ دوسرے لفظوں میں قوی ہونے یا بعض حالتوں پر مختار ہونے

کے معنی بدنصیبی سے یہ سمجھے گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص جسمانی حیثیت سے قوی ہے تو وہ لازماً دوسرے کا بات بات پر ٹینٹوا دبایا کرے۔ نہیں بلکہ میں یہ کہ رہا ہوں کہ اگر ایک قوم جسمانی، دماغی، علمی، اقتصادی اور روحانی حیثیت سے بغیر ازار خلق ممتاز ہونا چاہیے تو وہ دین اور دنیا کسی کا بھی گناہ نہیں کر رہی ہے بلکہ وہ عالم کے لیئے ایک مثالیہ خیر پیش کر رہی ہے۔ اور ان چیزوں کو آپس میں ایک دوسرے سے جو ربط ہے اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی کمی ہے تو پہچاننے والی نگاہ کہہ دے گی کہ کس جگہ قومی چول ڈھیلی ہے۔

لیکن ان تمام باتوں میں ممتاز ہونا اگرچہ خیال دلاتا ہے کہ ایک قوم اپنے ضروریات زندگی اور روحانی میں بڑی ذی ہوش ہے۔ لیکن آگے میں اکثر مواقع پر لکھ چکا ہوں کہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ بڑے عالم کے معنی بڑے صاحب اخلاق حمیدہ یا بڑے واقف مذہب کے معنی بڑے متقی کے ہیں۔ نہ کسی پہلوان کے معنی یہ ہیں کہ وہ دماغی پہلوان بھی ہے۔ نہ اس طرح بڑے ماہر اقتصاد کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسکا عامل بھی ہے اور اس میں کوشاں ہے کہ کن مختلف ذرائع سے قوم کے احتیاجات سے اُسکی آمدنی اسطرح بڑھا دی کہ تجارت اُسکی ہموزن۔ رقابت اور تعصبات اُسے گھٹنے نہ دیں اور وہ اپنی معاشش وغیرہ میں دوسروں کا دست نگر نہ ہو جائے۔ اور اپنے ذرائع معاش میں ترقی کرتا جائے۔ بلکہ میری غرض یہ ہے کہ ان باتوں میں انفرادی یا مجموعی حیثیت کے بعد بھی درستی خصائل ایک چیز باقی رہجاتی ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا ہوں کہ علمی یا دماغی اور روحانی ترقی کے معنی یہ ہیں کہ خصائل درست ہوں۔ یا ہونے چاہئیں مختصر لفظوں میں یہ کہتا ہوں کہ جب آدمی اپنے حقوق عباد اور حقوق معبود میں انصاف کر سکتا ہے جب عدل اُسکا جزو عادت ہو جاتا ہے جب حق روی اُسکی طینت میں داخل ہو جاتی اور اعتبار قائم ہو جاتا ہے۔ جب دنیا اُسکے شر سے محفوظ ہو جاتی ہے اور جب اُسکے مخالفین پر بھی اُسکی عادت اور اُسکی ذات کی ہیبت طاری ہوتی ہے اور جب فریب دینے والی چیزیں اُسکے سامنے اپنا عجز ظاہر کرتی ہیں مثلاً ہو کہ قوم کی کمزوریوں کا ساتھ دینا بھی اصول قومیت ہو لیکن اگر وہ دیکھتا ہے کہ ہم ایسے اصول قومیت کے شریک نہ ہو کر جو اصول انسانیت اور مخلوقات کے مضر ہیں بجای

ان سے منسوب جماعت کے عام انسانیت کیلئے نافع ہونگے تو وہ ایسے کسی کمزور حس سے متاثر نہ ہو کہ ہم اصول قومی کے خلاف کر رہے ہیں۔ قومی ملامت اسے انسانی ملامت کیساتھ مغلوب نہ کردے۔

حقوق لا جس سے فرائض علیحدہ نہیں کرتا) عدل اور حق روی کے ایسے وسیع الفاظ نہ کسی وضاحت کیلئے استعمال کر رہا ہوں اور نہ مجھے اسکا خوف ہے کہ میرے ناظرین کی کافی تعداد اسکے مبہم ہونے کی شکایت کرے گی۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ اسکی بلندی مفہوم اور فضائل پر انکے اثر سے میرے مفہوم کا اندازہ کرلینگے۔

ذرائع علمی کی کتابی صورتیں اگرچہ اس سے عاری نہیں ہیں کہ وہ درستی فضائل میں مدد دیں۔ لیکن تاریخ نے ایسے لاتعداد لکچر اور ہوئل (مچھلی) کی ایسی فربہ کتابیں، اس حیرت انگیز ساحرانہ اثر کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہیں رکھتیں جسے ذاتی مس کہتے ہیں اور جو زندہ مثال سے حاصل ہوتا ہے۔ مسلمان ناخوش ہیں کہ کفار قریش اکمل افراد عالم کو ساحر کہتے تھے۔ میرے ناچیز خیال میں اس ذات اعلیٰ کے اثرات سمجھانے کیلئے اگر مجھ سے کوئی مناسب لفظ پوچھے تو سب سے پہلے میری نگاہ اس لفظ پر پڑے گی۔ اور میں خوش ہونگا کہ میں نے وسیع تعریف کی۔ ذات کی حیرت انگیز کشش کا یہ سحر ہی تو تھا کہ برا کہتا ہوا آتا ہے غلام بنکر دعائیں دیتا ہوا جاتا ہے۔ مس اور تمام خاصہ بدل گیا! اسکی مثالیں نہ صرف سفیر الٰہی بلکہ شرح سفیر الٰہی اور ہمارے دو شاہزادہ صلعم کے علاوہ اصول خیر کے سب سے وسیع مفہوم کے شہید اعظم میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اصل تنہ ذات مقدس ہوئی تھی جسنے اپنا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک کتاب تھی جو بول رہی تھی۔ اور یہ بولے گی جبتک آخری سانس دنیا میں چلے گی۔

مختصر صاف اور مشہور لفظوں میں صاحب فضائل وہ کہا جاتا ہے جو سچ بولتا ہے۔ جو خفیف الحرکات نہیں ہوتا۔ جسے معاشرت اور اخلاق کے امور معروف کا لحاظ ہوتا ہے اور جو دوسروں کی اخلاقی قوت اور خوبیوں کا معترف ہوتا ہے۔ بغیر ایسی صورتوں کے جسمیں "من تو شدم تو من شدی" من تو شدم تو جاں شدی بگو ایسے کوئی واسطہ ہو۔ یا بغیر اپنے کسی مخصوص حلقہ اور

لحاظ فوائد کے۔ وہ خوبیوں کو خوبیوں کی وجہ سے پسند کرتا ہے۔ اور جسے ذلیل باتوں کے قبول کرنے سے شریفانہ نفرت ہے۔ ایسے ہو اور اسوقت تم ابجد خواں ہوگے اُس مدرسہ کے جو حسینؑ کا درس دیتا ہے۔ اور تم کہے جاؤ گے کہ فلاں شخص حسینؑ کے مدرسہ فضائل کا شاگرد ہے۔ اور جب اسطرح تمہارے افراد کی تعداد بڑھے گی اور بڑھتی جائیگی تو تم ایک قوم ہوگے جو منفعیت اور خود غرضی پر نہیں بنی ہے بلکہ انسانیت پر بنی ہے۔ جو چارہ پر نہیں بنی ہے۔ روٹی پر نہیں بنی ہے۔ دعاؤں پر نہیں بنی ہے۔ اصول خیر پر بنی ہے اور اس بلندی پر جمع ہو کر ایک ہوئی ہے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ "قومی تیاری" "فضائل کی درستی" اور "جسے دیکھکر حسینؑ یاد آئیں" میں واضح حد تک سمجھا جا سکا۔

خیر۔ تو اچھا ہے اور بہت اچھا ہے کہ کوئی شخص آنسوؤں کے چند قطرے سے وہ بڑا انعام حاصل کرے جسے جنت کہتے ہیں۔ ہمارا مسئلہ شفاعت مسیحیوں کے ایسا عجب غیر نہیں ہے کہ گناہوں کی گٹھری صرف بیٹے خدا کے حوالہ کر دینا ہے اور بس۔ خود کچھ ہی کیوں نہ کیا جائے نہیں۔ بلکہ ہمیر اور طاعات ویسی ہی فرض ہیں جیسے حسینؑ کا غم کرنا۔ کیونکہ حسینؑ کے مصائب تو انھیں طاعات کے قائم کرنے کیلئے تھے۔ وہ عظیم الشان ہیجان جسے رونے کی حالت کہتے ہیں۔ ایک مظلوم کیلئے چند قطرہ اشک آنکھوں میں نمی اور سرد آہ۔ اور آدمی محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک عالم راحت میں ہے۔ اُسمیں سکون پیدا ہو گیا۔ وہ ایک بے آزار عالم میں ہے وہ دنیا ہی میں جنت میں تھا۔ اُسے جنت کا نمونہ دکھایا گیا تھا۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا حسینؑ پر رونا چاہیئے اور میں نے کہا کہ جو شخص واقعہ کربلا سے متاثر نہیں ہوتا میرے نزدیک اُسکے فضائل اخلاق میں کمی ہے۔

لیکن کیا تم اسپر کفایت کر دوگے؟ جسوقت میں یہ سوال کرتا ہوں اُسوقت یہ سمجھا رہا ہوں کہ تمہارا ادعائے پیروی حسینؑ اُس شخص سے بلند درجہ پر نہیں ہے جو مسلمان بھی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ انسانی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کسی انسان کی مصیبت سے متاثر ہو جائے۔ اسلیئے وہ بھی تمہاری طرح رو دیتا ہے۔ حسینؑ ہی پر کیا موقوف ہے کسی کے مصائب کیوں نہ ہوں۔ وہ ایک گڑھا ہوا قصہ ہی کیوں نہ ہو۔ اب تم سمجھو گے کہ ماتم

اور عارفانہ احساس میں میں حد بندی کر رہا ہوں۔ اور میں یہ بھی کہ رہا ہوں کہ محض رو دینا کافی نہیں ہے جبتک کہ تم حسینؑ کے شرافت اعمال اور غرض شہادت کے سمجھنے کے قابل نہ ہو۔ میں آنسوؤں کے پیچھے دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہار اور جہ ہمدردی اور اثر کیا ہے۔ تم کتنے حق پسند۔ مستقل مزاج۔ کریم النفس۔ رحیم۔ ہمدرد۔ سخی اور شجاع ہو۔ تم مصیبتوں کا کسطرح مقابلہ کرتے ہو۔ تم میں غیرت کتنی ہے۔ اب مجھے یہ پوچھنے دو کہ کیا ہم اپنے موجودہ درجہ تعلیم اور فضائل سے۔ شرافت اعمال۔ شہادت اور حسینؑ کو سمجھ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہزار نہیں۔ حسینؑ کی شہادت کے بعد آج تک ایسے بہت سے نہیں گذرے جنہیں حسینؑ اور انکے عمل کا کامل احساس ہو۔ میں واقف ہوں کہ ادھر کئی برس کے واقعات میں اخبار وں کے اکثر مضامین میں حسینؑ کا نام بلند ہو گیا۔ کیا ہوتا اگر حسینؑ کے فضائل طرابلس۔ مراقش بلقان اور ایران میں پائے جاتے؟ یہ لوگ نہ تھے جنہیں حسینؑ یاد آئے۔ یہ حسینؑ کی حیات تھی جسنے اپنا ثبوت دیا۔ اور ہمارے زمانہ کے سب سے بڑے شہید۔ شہید تبریز ثقۃ الاسلام کی ذات پر اپنا اثر بھی دکھا دیا۔ کیا ان ممالک میں ایک۔ سو۔ یا ہزار مارے گئے تھے؟ نہیں۔ اس سے بہت زیادہ۔ لیکن کیا ان میں سے کسی کا مجموعی ہیجان ثقۃ الاسلام کی شہادت کا اتنا اور ایسا ہوا تھا؟ نہیں۔ کیوں؟ بلندی خصائل جسنے انسان کے خاصہ اخلاقی میں ایک تموج پیدا کر دیا۔

تمہیں یاد ہوگا کہ مینے کہیں کہا ہے کہ ویسے ایک مرتبہ نہیں سو دفعہ کہا کہ حسینؑ کو زندہ قومیں بہ نسبت ہمارے بہتر سمجھ سکتی ہیں۔ میرا اس سے کیا مطلب ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ مسائل اخلاق۔ دین اور قومیت کو ایک تعلیم یافتہ اور صاحب خصائل انسان بہ نسبت جاہل کے بہتر سمجھ سکتا ہے۔ اور کیا زندہ قوموں میں اپنی ان تمام چیزوں کی ترقی اور تحفظ جان سے زیادہ عزیز نہیں ہوتا اور وہ اُس دن کے لئے تیار ہوتی رہتی ہیں۔ مال وقت اور دماغ کی قربانیاں کرتی ہیں کہ اُسوقت کو اپنے سے دور رکھیں جبکہ ہم سے ایک زیادہ صاحب ارادہ قوم ہمارے خصائل پر قبضہ کرلے اور پھر ہم بجائے اپنے کم کے دوسرے کے ہیں۔ یہانتک کہ اپنی جانوں کی قربانیوں کو بھی اسکے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہیں۔

وہ قوم جیتی ہے جو اپنے سامانوں میں زیادہ تیار رہتی ہے۔ ایسی قومیں دوسروں کی ایسی ہی بلند ہی خصلت کی قدر کیئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ کون ہے جو اسکی قدر نہ کرے گا کہ حسینؑ نے کسوقت اور کس سامان سے دین، قوم اور اخلاق کی حفاظت کی۔ نہ مجبوری سے بلکہ پر مسرت شوق سے۔

تم میری مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتے جب میں نے اپنے کئی انڈر گریجویٹوں اور گریجویٹوں سے جو مشن کے کالجوں میں پڑھتے تھے سنا کہ اُنکے دوران تعلیم میں مسیحی پروفیسروں نے ابن مریمؑ کی شہادت کو بنی آدم کیلئے بڑی قربانی ثابت کرنا چاہا اور اُنھوں نے بےشبہ خوردہ بنت رسول کی عظیم الشان قربانی کا ذکر کے چپ کرا دیا۔ اگرچہ اُنھیں حسینؑ سے اُتنی ہی واقفیت تھی جسقدر مجلسوں میں سنکر حاصل ہوئی تھی۔ میرے دیکھنے کیلئے یہ واقعہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اثر تھا جو ایک اُستاد کو اپنے شاگرد پر حاصل ہے۔ خصوصاً جبکہ شاگردوں کو اپنے لیئے آخر میں ایسے اُستادوں کے اسناد کی بھی ضرورت ہے۔ اور سلسلۂ التعلیم بھی جاری رکھنا ہے۔ لیکن حسینؑ کے ذکر اور نام نے اتنی اخلاقی جرأت پیدا کر دی تھی کہ وہ کمزوریوں پر غالب آتے اور صاف گوئی کی ہمت ہوتی۔ حیرت کہ جسوقت ایک مرتب نظام اور اُسکے کارکن کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ صداقت کہہ رہی تھی کہ تمھارے نظام میں اسوقت ہماری حکومت ہے!

میں نے اپنا کوئی زمانہ حال کا تعلیم یافتہ نہیں پایا مگر یہ کہ اُسپر حضرتؑ کے کارناموں کا وجدانی اثر تھا حسینؑ اسقدر زبانوں پر نہ تھے جسقدر دل میں تھے یا اُسقدر بلند نہ تھے جسقدر گہری تھے۔ یہ حالتیں اُمید کے اندر ہیں اور سمجھ میں آتا ہے کہ علم اور خصلت کا اقتضا حسینؑ شناسی ہی ہے۔

اگر ایسا ہے کہ علم اور خصلت کا اقتضا حسینؑ شناسی ہے جیسا بلاشبہ ہے۔ تو ہمیں اسپر غور کرنا چاہیئے کہ سب سے بڑی نیکی وہی جو زیادہ سے زیادہ افراد جماعت کو پہنچائی جا سکے۔ بیشک یہ نیکی ہے کہ کوئی ایسی مجلس قائم کرے جہاں مثالی انسانوں کی خصائل بیان ہوں۔ بیشک یہ ایک حیثیت کی نیکی ہے کہ کچھ لوگوں کا منھ میٹھا کر دیا جاوے اور یہ معاشرتی یکجہتی کا ہی ایک ذریعہ ہے۔ لیکن مقتضیات زمانہ اور عقل چاہتی ہے کہ یہ اور زیادہ مضبوط بنیاد پر قائم کیجاوے۔ زمانہ اب نظریہ کا فریفتہ نہیں ہے عمل کا دلدادہ ہے

تو مضبوط بنیاد سے میرا کیا مطلب ہے یہ کہ اگر تم سے کوئی غیر قوم کا شخص پوچھے کہ تم روئے تو خوب لیکن تم نے حسینؑ کے اسم مقدس اور اُن کے بلند فضائل کے قیام اور نفاذ کیلئے کیا کیا؟ اور اُنکے پہچنوانے کیلئے کتنا وقت۔ مال اور دماغ کی کسقدر قربانی کی؟ حسینؑ کے نام پر تعلیم دو اور حاصل کرو یہانتک کہ تم میں کوئی ایسا نہ ہو جو کم سے کم اپنی زبان میں حسینؑ کے حالات نہ پڑھ سکے۔ ہر سال کے محرم ختم ہونے پر اس سے خوش نہ ہوجاؤ کہ اس سال خوب گریہ و بکا ہوئی اور خوب شیرینی تقسیم ہوئی بلکہ یہ بھی دیکھو کہ تمنے حسینؑ کے نام پر کتنے لوگوں کی روٹیوں کا سہارا کیا۔ تم نے کتنے بڑھئی۔ لوہار کفش دوز۔ زردوز۔ دوکاندار اور کارخانہ دار بنائے۔ تمنے کتنی بیواؤں کا عقد کرکے انھیں مطمئن اور غلط خیالیوں سے روکا اور کتنے یتیموں کے باپ بنکر انھیں دنیا میں غیرت سے زندہ رہنے کا طریقہ بتایا۔ اور اسطرح بیواؤں اور یتیموں کو اس سے بھی محفوظ کیا کہ وہ تمہاری ہو کر مجبوریوں سے غیر قوموں کے مالی فریب میں جذب نہ ہوجاویں اور تمہاری تعداد کو قائم رکھیں اور ترقی دیں۔ خدا کیلئے ذرا غور کرو کہ تم جس افلاس کی حالت میں ہو اسمیں اگر تم چاہیں بھی کہ بڑے بڑے شہروں کی مجلسیں کریں تو نہیں کرسکتے دیکھو وہ لوگ جو باوجود قابلیت رزق کیلئے جان توڑ کوششیں کرتے ہیں انھیں بھی نہایت ضروری چیزیں نہیں ملتیں کیا تم اُمید کرتے ہو کہ ہم بغیر جان توڑ کوشش کے اتنا پائینگے کہ بسر اوقات کے علاوہ تقسیم اور اُجرت ذاکری پا سکیں۔ وقت ہے کہ ہماری افراد کی معیشت پر [illegible] مذہب کی حیات موقوف ہے اور چونکہ جہل نے بجائے اصول کے رسومات ہی کو ہمیں مذہب سمجھا دیا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا موجودہ افلاس مذہب کی فنا نہیں تو بے اثر کر دینے کا ذریعہ ہے۔ قوم کی تعلیمی امداد سے قومی روپیہ ضائع نہ ہوگا بلکہ جو حسینؑ کے نام کے صدقہ میں علم اور ذریعہ معاش حاصل کریگا وہ حسینؑ کا حامی ہوگا نا احسان شناس نہ ہوگا۔ وہ سمجھے گا دنیا سمجھیگی کہ ابتک حسینؑ کے نام میں بھلائیاں کرنیکی قابلیت ہے؟ یہ ایک کارخانہ ہوگا جو حسینؑ کے ذکر کو قائم رکھنے کا ایک مستقل سرمایہ ہوتا جائیگا۔ بہت دن تک لوگوں نے حسینؑ کے نام پر بسر کیا۔ حسینؑ کا نام تم سے پوچھتا ہے کہ تمنے میرے قیام کیلئے کونسی علمی اور مالی بنیاد قائم کی ہے کیا کسی قوم میں مجلس کا ایسا عالمگیر انہماک ہے؟ تمسخر کیلئے ہوگا۔ رونے کیلئے نہ ہوگا۔ یہ ایک صبر آزما حسن کے لئے ہمارا بڑا صبر ہے۔ کیونکہ مجلس ہی وہ ذریعہ ہو جو صرف حضرتؑ کی

حقیقی ہمدردی ہو بلکہ وہ اور فوائد بھی پہنچا سکے۔ جو اس غرض میں مدد دے۔ حسینؑ کی ایسی صبر پسند قوم سے ایسی امید بیجا نہ ہوگی کہ وہ صبر اور اصرار سے اس کامیابی کی کوشش کریگی۔ مجلس جسے ایک چھوٹا سا قومی جسم ہونا چاہیے۔ دیکھو کہ ہر حیثیت سے اُس میں تم کیسے لوگ پاتے ہو۔ پھر بھی اگر تم اسی اپنی بلند اور شاندار روایات کے شایاں سمجھو کہ جہل اور افلاس پر قناعت کرو تو بھی مجلس حسینؑ کو قائم رکھنا۔ میں کسی مجلس میں نہیں گیا مگر یہ کہ جھیر جہل افلاس اور اُسکے لازمی آثار دیکھکر اثر ہوا کہ حضرت کی مجلس کا مفہوم اور اسم گرامی ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُنَا کا استغاثہ بلند کر رہا ہے۔!

اعلیٰ حضرت ملک معظم قیصر ہند اور حکومت ہند کا شہنشاہانہ لطف اور لحاظ

اگرچہ وقت گذرے کئی برس ہوئے لیکن میں اُسوقت کے بعد حسینؑ کا پہلا مورخ ہونگا جس نے اُس لحاظ کو فراموش نہیں کیا ہے جو حکومت ہند اور اعلیٰ حضرت ملک معظم قیصر ہند جارج پنجم سے ظاہر ہوا۔ میں اُس یادگار موقع کیطرف اشارہ کر رہا ہوں جبکہ تاریخ ہند میں بہت عرصہ کے بعد اہل ہند کو اسکا موقع ملا تھا کہ ہندوستان کے کسی شہنشاہ کی رسم تاجپوشی دیکھے۔ یہ شاندار موقع اوائل جنوری ۱۹۱۲ء میں تجویز ہوا تھا۔ یہی محرم کا زمانہ بھی تھا۔ اسکے علم سے اپنی اسلامی رعایا کے احساس مذہبی کے لحاظ سے شاہانہ لطف نے رسم تاجپوشی کے دن بدلدی اور یہ مبارک رسم اوائل دسمبر ۱۹۱۱ء میں ادا کردی گئی۔ یہ کوئی بڑی آسان بات نہ تھی جبکہ بڑے سامانوں کیلئے کچھ دن کم کردے گئے تھے۔ ہمدردان حسینؑ کے پاس اس بے مثال شاہی تسخیر کا جواب جسنے ہمیں اپنی عنایت میں جذب کرلیا۔ اس سے بہتر کیا ہے کہ اپنے دل اور زبان سے اسکا شکریہ ادا کریں اور تعلق اور اطاعت میں اور زیادہ بے سہو رسوخ حاصل کریں۔ ہمارے لیے یہ عنایت تاریخی حیثیت کی ہوگی۔ اُن اڈیٹران اخبار کا بھی شکریہ جنہوں نے توجہ دلانے میں سعی یا پیش قدمی کی

مولف کا اطمینان اور خواہش

میں خوش ہوں کہ اب میں وہ تمام واقعات اور متعلق باتیں لکھ چکا جنکا کہنا میرے نزدیک ضروری تھا۔ اب میں اصحاب۔ اہلبیتؑ اور حضرت شہید اعظم پر تبصرہ شروع کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ وہ شایاں غور سے پڑھا جائیگا۔

باب ۱۵ پانزدھم

تبصــــــــرہ

اصحاب

اصحاب سے میرا مطلب نہ صرف حضرت کے غیر اعزا ہیں بلکہ اعزا بھی ہیں۔

میں اپنے موقع کی دشواری سمجھ رہا ہوں جب میں اُن لوگوں پر نظر کرنیکے لئے کمر باندھ رہا ہوں جو ایسے تھے جنکی حسینؑ مدح کر سکتے۔ اُن کی بہترین مدح یہی ہے کہ اُنکی لاثانی خدمات کا حسینؑ اعتراف کرتے۔ یہ ایسے نہ تھے کہ حضرت شب ہم یا شب شہادت کو انکے متعلق یہ فرما سکتے کہ میں سچ کہتا ہوں کہ مرغ کی بانگ کے قبل تم میرا انکار کروگے۔ نہ ایسے تھے جنکی نسبت کہا جاتا کہ "ابر وئش تو بہی"!! یہ وہ تھے کہ حسینؑ انھیں انکی جانیں حوالہ کر رہے تھے اور یہ پھر اُس سے حسینؑ ہی پر قربان ہونے کا عہد کرتے تھے۔ انکے لئے ممکن تھا کہ یہ دشمن سے ملجاتے اور اس حالت میں اگر انھیں کوئی عہدہ یا مال نہ بھی ملتا تاہم انکی جانیں اس یقینی موت سے محفوظ ہو جاتیں لیکن حیات کو وقار دینی اور قومی کے مقابلہ میں محفوظ نہ کرنے کا ارادہ تھا کہ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ موت اپنے کو اُسقدر مہیب شکلوں میں انھیں دکھا رہی تھی جسقدر ہیبت اپنے منھ پر اوڑھ سکتی تھی۔ یہ کہ رہے تھے کہ ہم اپنے نفسی صفات اور ارادہ میں وہ بچے نہیں ہیں جو تجھ سے ڈر جائیں۔ یہ موت پر ہنس رہے تھے نہ اُس شخص کیطرح جو دنیاوی آسائش سے محروم ہو کر ملحدانہ مادی عقیدہ سے یہ سوچتا ہے کہ ہم اپنی زندگی ختم کر کے دنیاوی تکلیف ختم کر دیں۔ جسکے بعد نہ کوئی راحت ہے نہ کوئی تکلیف کیونکہ خودکشی سے کامل فنا ہے۔ یہ لوگ دنیاوی راحت کیلئے اپنی حیات نہ سمجھتے تھے بلکہ پوری تسلیم و رضا سے ہر حالت کو برداشت کرنا جانتے تھے۔ اور اس برداشت اور اُسپر صبر و شکر کو موجب تقرب ایزدی سمجھتے تھے۔ انپر انکی یہ حیات بار نہ تھی۔ بلکہ اُسکی لذتوں سے متمتع ہو رہے تھے۔ غربت سے ہو یا امارت سے۔ یہ مادی [illegible] راحتیں نہ تھیں جنپر آہ سرد بھرنیکے لئے اُنھوں نے موت گوارا کی۔ بلکہ اسلئے کہ مادی عالم کی راحتیں اُنھیں اسلئے اپنا فریفتہ کر رہی تھیں کہ وہ اخلاق کا خون بہائیں اور

اہرمن کی حکومت تسلیم کرلیں۔ انکی شہادت انسی ساحو لی تلو و انکی حیات کے خلاف عدا ئے احتجاج تھی۔ اور انکی روش کی ایک نہایت بلند نشان یہ تھی کہ جسوقت کمزور دل مصائب کے ہجوم سے اپنی زندگی کا جلد خاتمہ چاہتے یہ اپنی ان حالتوں میں اسلئے حیات کے متمنی تھے امام حسینؑ کی حفاظت کریں۔ یہ اپنے لئے نہ جیتے تھے بلکہ حسینؑ کیلئے زندہ تھے اور حق یہ ہے کہ انھوں نے اپنی حیات اور موت دونوں کو ایک مثالیہ قرار دیدیا۔ اگر وہ رہے تو اسلئے کہ دیکھو دنیا کے انبوہ مصائب ہمیں خم ردمی اور صبر و شکر سے باز نہیں رکھ سکتے اور اگر انھوں نے جان دی تو اپنی موت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایک زبان چھوڑی جو یہ کہتی رہے گی کہ دیکھو کربلا کے مرنیوالے اسلئے مرے ہیں کہ برائیاں انھیں اپنا ماتحت بنانا چاہتی تھیں لیکن وہ اپنی حکومت کیساتھ دنیا سے گئے۔ حکومت اور اختیار نے اپنے نیزوں اور تلواروں سے انکے جسم پاش پاش کر دیئے۔ لیکن تمام ذرائع جو انھیں انکے بلند ارادے اور خیال سے ہٹا سکتے تھے ہیچ ثابت ہوئے وہ کوئی ذریعہ ایسا نہ پیدا ہوا تھا جو انھیں مغلوب کر سکتا۔

اب ذرا ہم ان میں سے ہر ایک کی مخصوص حالت کا جائزہ لیں۔

خطرہ کا پہلا احساس اور جانبازی کی مستعد شان اُسوقت ظاہر ہوئی جسوقت حضرت ولید کے دربار میں لیجا رہے تھے۔ اصحاب اور اعزا دروازہ پر تھے۔ چوکنے تھے۔ اپنے سردار کی صدا پر کان لگائے تھے۔ صدا کی بلند جھنجھناہٹ کانوں میں پہونچی تھی کہ ہاتھ تلواروں کے قبضہ پر پہونچ گئے۔ دوڑے۔ دوڑے یعنی تیس آدمی حکومت کا مقابلہ کرنے کیلئے مستعد ہو گئے۔ نتیجہ جو کچھ ہو۔ علم ہی ہے۔ امامؑ کی جان اس سے زیادہ عزیز ہے کہ نتائج کا خیال کیا جائے لیکن تاریخ نے یہ موقع صرف اسلئے پیش کیا تھا کہ انکی سرفروشی اور اطاعت کے آثار یہیں انکی حقیقی شان اُسوقت کیلئے اظہار کی گئی جو آج سے چھٹے مہینہ ظاہر ہونیوالی تھی۔ اگرچہ تاریخ میں ان سرفروشوں کے نام نہیں ملتے لیکن محال تھا کہ انمیں مسلم نہ ہوتے۔ عباسؑ نہ ہوتے۔ یا علی اکبرؑ باپ کے سایہ کے ساتھ نہ رہتے۔

اسوقت یہ تھا چند گھنٹوں کے بعد اسکے لیئے تیار ہونا تھا کہ وطن اور اُسکی تمام یاد کو داغ دینے

جلا وطن ہوئیں، کہاں گئیں؟ کچھ نہیں معلوم ۔ کب تک اس جلا وطنی کیلئے؟ نہیں معلوم ۔ وطن وہ
ہے جہاں حسین ہوں ۔ یا وہ ہے جو حسین کے ساتھ ہیں ۔ جو حسین کا ایک چہرہ اُن تمام
مسافر روانگی و جستجوؤں کا خلاصہ تھا جو کبھی معلوم ہوئیں ۔ کہیں نہیں پایا جاتا کہ اصحاب اور
روانے ہمراہی میں کوئی پشیمانی کی ہو کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اسوقت تیار نہ تھے جو وقت
انکے سردار نے ترک وطن کا ارادہ کیا ۔ کہیں کسی پیاری چیز نے انھیں اسطرح نہ اٹکایا
جس سے حسین کو دیر ہوئی ۔ اور ہر سردار اپنے گھوڑے پر دکھائی دے رہا تھا کہ جانباز طلوع میں
اور پیش پشت دکھائی دیتے تھے ۔ حسین کے گھوڑے کا پہلا قدم اٹھا تھا کہ انکا گروہ ایک جسم
حرکت کر رہا تھا ۔

ترک مقام آسان چیز نہیں ہے ۔ نہیں یہ کہہ رہا ہوں کہ انکی محبت اور وابستگی کے احساسات
نہ تھے ۔ اور اسلئے یہ اور گراں تھا کہ اہلبیت کی نگاہ ہو نگو وہ سب چیز پیاری تھی جسے
مدینہ میں رسولؐ کے نام اور خیال سے نسبت ہو ۔ مدینہ چھوڑنا بہت کچھ چھوڑنا تھا ۔ اور پھر اسکا
تم اندازہ کیا تھا؟ دوسرے ان مقامات جنکے متعلق یہ بھی یقین نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہاں خوارج
زندگی معمولی حیثیت سے بھی بسر رہے جاتے ہونگے ۔ جو کچھ ہو ۔

مدینہ سے روانگی کا وقت تھا وہ شاہراہ سے ۔ روانگی کا حکم تھا جسکے متعلق مسلم بن عقیلؑ
نے صلاح دی کہ اگر ہم لوگ شاہراہ سے نہ چلیں تو زیادہ مناسب ہوگا ۔ اسلئے کہ اگر کوئی
فوج تعاقب میں آئیگی تو غالباً شاہراہ سے آئیگی ۔ تجربہ نے ظاہر کیا کہ انکا خوف ایک وہم تھا ۔
لیکن اسکے معنی یہ نہ تھے کہ جو صلاح یہ محبت سے دے سکتے اُس سے خاموشی اختیار
کرتے ۔

ہونیوالا یہ تھا کہ بنی ہاشم کے باغ کے اس پھول کی پہلی صلاح اسکی پیشین گوئی ہو اور یہی
ایک اہم خطرناک کام کیلئے تجویز ہوئے ۔ میری غرض اول تو یہ کیفیت انکی روانگی سے ہے ۔
اسکی اہمیت اس سے سمجھ میں آئیگی کہ یہ ایسے خطرناک وقت میں تنہا جاتے ہیں ۔ ایسی طرح
جہاں کا عجب مجمع امید افزا نہ تھا ۔ اور نہ جنکے تازے وعدوں کا کوئی یقین تھا ۔ یقین کرنے جا رہے
تھے ۔ تجربہ کرنے کی اس مخدوش حالت میں اپنی آمادگی ظاہر کرنا حسین اور انکی وجہ سے

۲۔ ابوالفضل، فیضی، شیکسپیر، ملٹن، ٹینی سن، حالی، غالب

کے مالک اس لئے شمار ہوئے کہ انہوں نے اپنے ہر لفظ، ہر خیال اور ترکیب الفاظ پر قدامت یا حال کی کیل ٹھونک لی تھی بلکہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے طرز ادا میں ایک جدت پیدا کی تھی جس سے خیال کے مدارج میں ترقی ظاہر تھی۔

میں اسی طرح دنیا کے مصلحین کے اقوال کی طرف آپکی توجہ مائل کرتا ہوں کہ اگر آپ ذرا غور فرمائیں گے تو اچھے مضمون میں لفظوں کے کھیل سے خیال میں جدت اور اثر میں تیزی پیدا کرتا ہوا پائیں گے۔ جدت انہی کے نہیں کہ [illegible] سے فقیر تھے بلکہ انکے غور نے مسائل پر اپنے خیالات ظاہر کئے تھے۔ نتیجہ ایک تھا صرف طرز ادا میں [illegible] اور عکس کی گہرائی۔

بیشک زبان کا ایک درجہ یہی ہے کہ وہ عام جاہل اور عالم کے ایک کافی تعداد کی سمجھ میں آسکے۔ یہ زبان زیادہ تر وہ ہے جو انسان کی فطری ضروریات زندگی اور معاشرت کی معمولی اور محدود حالت میں کام آتی ہے۔ لیکن کیا ایک زبان کا معیار یہی ہے کہ اسکی مہیا الفاظ اور ایک محدود روش اظہار خیال اس لئے کافی ہے کہ وہ نہایت فوری اور پیش نگاہ ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا ایسا شخص جو اپنی قابلیت اور خیال کے لحاظ سے اکثر تعداد سے ممتاز ہے وہ اسکا فیصلہ کریگا کہ زبان میں بھی انسانی سوسائٹی کی طرح مدارج ہیں۔ اور زبان کی ترقی انسانی سوسائٹی کے ہر شعبہ میں ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ہوتی ہے۔ اظہار خیال کے لئے جسقدر الفاظ اور ترکیب کی وسعت، خیال کی وسعت کے ساتھ فقرات کا فرق دینا اور مخصوص الفاظ سے نئے نئے خیالات کو ادا کی شکل پہنانا بڑھتا جائیگا اسیقدر زبان کی چاشنی، خوبی، قوت وغیرہ بڑھتی جائیگی۔ اور زبان میں جیسے اور جسقدر خیالات ہونگے وہ قوم پر عمل کریں گے اور اسکے دماغی نشوونما میں حصہ لیں گے۔

عام زبان کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ مرادف قوی تر اور وسیع تر الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ میل جول سے اصطلاحات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ادب میں جوں جوں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ دماغی حیثیت کی جوں جوں ضرورت بڑھتی جاتی ہے۔ زبان جماعت انسانی کے پہلے درجہ سے آگے بڑھ جاتی ہے اور لازماً سوسائٹی کے پہلے درجہ کو اسکی ترقی کے ساتھ سمجھنے کی دشواری بھی بڑھتی جاتی ہے۔ [illegible] لطافت، شاعرانہ آہنگ، تشبیہ، استعارہ اور تلمیحات کو جگہ دی جاتی ہیں۔ آمد اور آورد پر نگاہ پڑتی ہے اور پھر اس میں ادیبانہ صنعت کام کرتی ہے کہ کبھی آمد کو آورد اور آورد کو آمد بنا دیتی ہے۔ کبھی بہت سے الفاظ صرف مزاح کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور وہ لطیفہ گوئی اور خوش مذاقی کہی جاتی ہے۔

اگر زبان کی یہی حال حیثیت ہوتی کہ وہ ہر طبقہ جماعت کے سمجھ میں آجایا کرے تو یقیناً فصاحت و بلاغت کا وجود نہ ہوتا اور نہ داستانوں، ادب، فلسفہ، اور سیاست وغیرہ کی زبان آپس میں ممتاز ہوتی۔ اور وہ شخص جیسے تاریخ اسکی تنقید، واقعات کے اسباب و نتائج سے بحث، طبیعت کے خاموشانہ عمل اور احساسات

کی معنویت [illegible] کہ [illegible] محاورات اور طرز بیان کے ظاہر محدود ہے آزاد ہے کہ ایسی بات
خاص لفظ کافی نہیں ہوتا جب تک [illegible] الفاظ کے خاص بیش و پس اور ترکیب سے معنی پیدا کرنے کی [illegible] ش نہ
کیجائے ۔ مجھے امید ہے کہ کبھی آپ کو بھی ایسا اتفاق ہوا ہوگا کہ اپنے خیالات کے اظہار کے لئے مناسب لفظ
نہ ملتے ہونگے ۔ نہ اس لئے کہ آپ اپنی زبان کے الفاظ سے ناواقف تھے بلکہ اسلئے کہ مناسب لفظ کا وجود
نہ تھا ۔ اور آپ تصفیہ کرتے ہونگے کہ سطحی ضرورتوں کے لئے لفظ ملجاتے ہیں لیکن ذرا گہرے ڈوبیے اور الفاظ
نایاب ہیں ۔ آپ ماشاء اللہ کئی زبانوں سے واقف ہیں ۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں انگریزی کی اتنی وسعت
ہے ۔ یا عربی کی اتنے مرادف یا قریب المعنی الفاظ ہیں ؟ نہیں ۔ تو کیا اس صورت میں آپ یہ تصفیہ کرتے
ہیں کہ چونکہ اردو کے معیار سے اور زبانیں اظہار خیال کی قوت میں بڑھ گئیں اس لئے وہ معیوب [illegible]
لیکن اُن اتفاقات کا شکریہ جن میں کوئی زبان بنتی ہے ۔ خصوصاً اردو جس میں ترقی اور الفاظ و فقرات کے ضرب
دئے جانیکی کافی صلاحیت ہے ۔ اردو تو اردو انگریزی ۔ فارسی اور عربی میں سیکڑوں سے زیادہ الفاظ
غیر زبانوں کے داخل ہوتے جاتے ہیں اور اس طرح خیالات میں ایک ہیجان عظیم کا ذریعہ ہوتا جاتا ہے ۔
اور جوں جوں بچوں کے سے بھولے اور سادے خیالات سے قوم آگے بڑھتی ہے خیالات کی پیچیدگی
اظہار بڑھتی ہے ۔ اور ترکیب ویسی ہی ٹیڑھی ہوتی جاتی ہے ۔ کوئی شخص جو اسپر قانع ہے کہ انہیں الفاظ
ترکیب اور خیالات سے کام لے جو باوا آدم کے وقت میں تھے ۔ وہ نہ صرف نئے خیالات کی جڑ کاٹ
دیتا ہے بلکہ اسکو بھی بھولجاتا ہے کہ کسی زبان کا نشو و نما اُسکے گرد و پیش اور تمدنی حالت اور درجہ سے
ہوا کرتا ہے ۔ ایک آدمی جسنے فوجی سیاسی اور اقتصادی اصطلاحات میں ملکہ حاصل نہیں کیا ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا
کہ فوجی اور سیاسی لٹریچر اسلئے لغو ہے کہ اُسے عامہ ناس نہیں سمجھتی ۔
اسی ضمن میں میں زبان کے نشو و نما اور موسیقیت کی مماثلت پر توجہ دلاتا ہوں ۔ آواز جب تک محض خوش آوازی
ہی موسیقی نہیں کہی جاتی ۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ موسیقی کا ایسا عالمگیر فن وجود پذیر ہوا ۔ اور محض سادی خوش
آوازی پر اکتفا نہیں کی گئی ۔ بلکہ پست و بلند و معتدل کی گئی ۔ کبھی پست و معتدل ۔ کبھی معتدل و بلند اور
کبھی بتدریج تمام حدود تک پہونچی ۔ اس ترکیب یا صدا کے طرز ادا نے ایک مستقل فن ایجاد کر دیا ۔ اسیطرح
اکیلا پھول اپنی جگہ خوشنما ہے لیکن کسی نے باغبان کو اسلئے مورد الزام نہیں قرار دیا کہ کیوں اُس نے پھولونکو
ملا کر گلدستہ بنا دیا ۔ اور نہ کسی عطار کو اسلئے گناہگار قرار دیا کہ کیوں اُس نے بہت سی خوشبوؤں کی روح کھینچکر
اپنی ترکیب سے ایک مخصوص خوشبو پیدا کر دی ۔ جماعت انسانی کی طرف آئیے ۔ انتھرو پولوجسٹ ۔ گروہ انسانی
کی ساخت کی تقسیمیں کرتے ہیں ۔ ہر ایک کے کلّے جبڑے ۔ اعضا اور رنگ وغیرہ کی تفریق کرتے ہیں اور
نسلوں کے اشتراک کا پتہ لگاتے ہیں یا اصل کا پتہ دیتے ہیں ۔ لیکن کیوں سیاست ۔ قومیت اور اخلاق
اُنہیں کسی خاص مرکز پر لانا چاہتی ہے اگر ترکیب جماعت کسی خاص غرض کے لئے کوئی جرم ہے ۔ اس سے ظاہر
ہے کہ اگر دنیا کے مختلف چیزوں ۔ سامانوں اور خود فطرت میں اشتراک ۔ ترکیب اور مجموعہ سے کوئی غرض ظاہر

...یا کیوں اس لئے گناہگار ہے کہ اُسنے الفاظ اُنکے بس یا و میں ... یا مجموعہ سے
کوئی خاص ... کرنا چاہتا ہے یا کوئی مخصوص اثر ڈالا ہے۔ یا تمام ... آہنگ سے کوئی چوٹ لگایا چاہتا ہے
گدگدایا ہے یا شریفانہ احساسات کو بلند کر رہا ہے یا کیسی ایسے خیالات اور انداز کو سمجھانے کی کوشش
کرتا ہے جسکے لئے ادب کے قدیم زمانہ میں یہ کہدیا جاتا تھا کہ یہ لفظوں کی حد سے باہر نہیں آسکتا اور یہ زیادہ
تر کہا جاتا تھا بغیر کہنے کی کوشش کئیے۔

اگر الفاظ خیال کی مادی شکلیں ہیں اور اگر انسان کے خیال کو کس اندھے سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی جو
وہ ایک راستہ چلتا ہے جو اُسے بتا دیا گیا ہے تو کیوں آپ تعریس خیال کے تو قائل ہیں لیکن جب لفظوں
یا علمی شکل میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خبردار اسکے علاوہ اظہار خیال کی کوئی راہ اختیار نہ کرو جو ہو چکی۔ قطع نظر کسی خاص
شعبہ فن اور علم کے۔ کوئی تحریر اس معیار سے جانچی جائیگی کہ جو خیالات اس سے ظاہر کئے گئے ہیں وہ پوری
طرح الفاظ اور ان کی ترکیب سے ظاہر ہیں یا نہیں۔ نہ یہ کہ چونکہ طرز ادا ایک مخصوص شان کا ہے اس لئے یہ
سمجھنے کی کوشش کہ آخر اُسکا استعمال کرنے والا کہنا کیا چاہتا ہے ایک ناقابل معافی گناہ ہے۔ لازماً عبارت
کے جانچنے والے وہ ہوں گے جنہیں اس لٹریچر سے دلچسپی ہے ورنہ وہ جو ایک سطر پڑھکر اس تساہل کو
راہ دیں گے کہ اس میں سمجھنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ وہ نہ کسی ایسی عبارت کے ساتھ انصاف کرینگے
اور نہ اپنے بے احتیاط اظہار کا اثر ڈالیں گے۔

مجھے یقین واثق تھا اور ہے کہ میری عبارت میں اُنہیں سب سے زیادہ دلچسپی ہوگی جو انگریزی زبان میں
... ہیں اور میری یہ امید تمام تر نہیں تو بڑی حد تک پوری ہوئی۔ کمی کی وجہ یہ ہے کہ بدنصیبی
اور آج سے نصف صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ کی خاموشی۔ تساہلی اور غفلت کی سزا ہے کہ آج ہم اپنی
ہر چیز سے متنفر اور دوسروں کی ہر چیز کے شیدا ہیں۔ لاقومیت کی اس حالت سے زبان کیوں محفوظ
رہتی۔ حالت یہ ہے۔ کہ اکثر لوگ اسپر فخر کرتے ہیں کہ میں اردو نہیں جانتا۔ کیسی بدنصیبی ہے کہ وہ جو
غیر زبانیں جانتے ہیں اور اونسے امید کیجاتی کہ وہ اپنی ماں کے بیٹ۔ گہوارے۔ گھر اور وطن کی زبان کی
امارت میں مدد دیتے وہ اپنی مادری زبان کی لاعلمی پر داشت نکالتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص مجھسے
پوچھے کہ زبان اردو میں کے کتابیں ہیں جو پڑھی جائیں تو میں گردن جھکا لوں گا کہ اردو میں کوئی اڈیسن
پا پیری لوطی۔ کارلائیل۔ اسٹیڈ اور شسٹر نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زبان کی کمی امارت
اور دوسری زبانوں میں تعلیمی نشو و نمائی وجہ سے اپنی زبان بجز فطری اور سطحی ضروریات کے مستعمل
نہیں ہے اور وہ ہمارے علمی خیال کی زبان اب تک نہیں ہے۔ مشکور ہیں ہم اور اردو کے ہر شید اکو خصوصاً
انگریزی کا مشکور ہونا چاہئے کہ اگر اس نے تعلیم وغیرہ میں اردو کے وجود کو قبول نہ کیا ہوتا تو شاید ہمارے کے

...ہیں تنہا ہو ... ایک ... خیال ہو چلا ہے اور تمدن عرب - تمدن ہند - ہربر ...
وغیرہ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے ہیں یا اسپرٹ آف اسلام نے بھی اردو کی شکل اختیار ... ہے اور بعض
غیرزبانوں میں استعداد رکھنے والے اردو میں اخبار لکھنے لگے ہیں اور بعض مضامین نگاری کرتے ہیں۔
الحکم اور عصرجدید کے ایسے پرچے شایع ہوئے جو اس لئے کئی مرتبہ مرے کہ قوم چڑیا چڑے کی کہانی چاہتی
تھی میں اس ضمن میں آپ کو امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے طرز بیان پر توجہ دلاتا ہوں۔ وہ اصل
عبارت ہو یا ترجمہ۔ اظہار خیال سے آپ روشن زبان سمجھ لیں گے اور ... کہ اس خطیب ربانی اور ادیب
لاثانی کو بھی آپ ہر سر منبر اسکا شاکی پائیں گے کہ لوگ اسکے طرز ادا کے شاکی ہیں۔
میں ایسا بیہوش نہ تھا جو یہ نہ جانتا کہ زبان اردو کی جو کیفیت ہے اسکے عادی میری زبان کو بہیانک
نہ پائیں گے۔ خصوصاً خطوط اور علامات کے لحاظ سے۔ لیکن چونکہ میں نے یہ تصفیہ کر لیا تھا کہ میں بغیر علامات
کے صرف کے نہیں چل سکتا میں نے اپنی ہر کتاب میں اُن علامات کو سمجھا دیا ہے۔ اب اگر کوئی بغیر انکا
خیال کئے چلتا ہے اور اسی پر قانع ہے کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اسکے علاوہ کسی نئی بات سے واقف ہونیکا
گناہ نہ کریں گے تو کیوں کوئی اس لئے گناہ گار بنایا جائے کہ وہ کسی نئی بات کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔
جرم تو اس وقت ہوتا جب وہ نئی بات کرتا اور اوسکی شرح نہ کر دیتا۔ میں اس سے واقف ہوں کہ اردو میں یہ
ترکیب نہ تھی کہ کوئی اپنے سلسلہ خیال کے دوران میں دوسرے کی عبارت اپنے تکمیل خیالات یا سند
کے لئے کیونکر لاسکتا ہے تا وقتیکہ وہ اپنی عبارت کو توڑ نہ دے۔ کیا آپ اسے پسند کریں گے کہ ایک خیال
جسکا سلسلہ صحیح حدود کے اندر جا رہا ہے وہ اس لئے توڑ دیا جائے کہ اوسکی مسلسل رفتار کا قاعدہ ... تا
بغیر اعضا شکنی کے۔
میں غلطی کروں گا اگر یہ کہوں کہ میری اس زبان کی صرف ان لوگوں نے داد دی جو انگریزی داں ہیں۔ بلکہ وہ
بھی معترف ہیں جو عربی و فارسی کے ادب میں استعداد رکھتے ہیں۔ میں اُن کی عبارتیں اسلئے درج نہیں کرتا
کہ یہ خود ستائی کے قریب ہوگا۔ کوئی میری روش کا اپنے کو دلدادہ کہتا ہے۔ کوئی عاشق کا لفظ استعمال کرتا ہے
اور کوئی کہتا ہے کہ ہم نہ مریں جب تک تمہاری نئی کتاب نہ پڑھ لیں۔ اور یہ خدا ہی کا فضل اور اُسی کی
توفیق ہے۔ میرے نقادوں نے نہیں کہہ سکے کہ کوئی جملہ بے معنی تھا یا کوئی لفظ غلط استعمال ہوا تھا۔ میرے
دوستوں نے مجھسے اعتراف کیا ہے کہ "ہر سبجکٹ کیساتھ عمل کا طریقہ ایک ہی ہونا لازمی ہی نہیں ہے بلکہ
حسن ادا کے لئے مضر ہے۔ محض واقعات کا بیان کر دینا نہایت سلیس اور شستہ زبان میں .... اپنی جگہ پر
بہت زیادہ قابل تعریف ہے لیکن جہاں آپ محض واقعات نہ بیان کریں گے بلکہ اسکے فلسفہ و فوج پر
بھی غور کرتے جائیں گے وہاں کوئی شک نہیں کہ ان واقعات کا طرز ادا بھی بدلنا پڑے گا اور نتیجہ پر

بہ لحاظ ... کسی ... ورنہ میں اسے سمجھنے دیں گے کہ وہ استاد بننے کا کیا حق رکھتا ...
دانا ہوں کہ اوسکی عبارت ترکیب ... خیال کے متعلق چٹ پٹی تنقید نہ کیجائیگی جس سے آپکے پسند کی طرح وہ ہیں
مقصود ہو ہر صورت میں آپ کی پسند میری تنقید سے محفوظ رہیگی۔ لیکن جسوقت تک میں کوئی استادانہ جبن
ہوں اسوقت تک مجھے رہنے دیجئے۔ اگر میرا یہ قصور ہے تو اسے میری خود ستائی تصور نہ فرمائیے کہ ابتک
میں اپنے اس تصور میں اردو کی نجات سمجھتا ہوں۔

بعض اپنے شفیق اور عزیز دوستوں کی ملاقاتوں پر میں نے کچھ عرصہ سے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میں زبان
کے متعلق شہید اعظم حصہ دوئم میں اپنے ناچیز خیالات ظاہر کروں گا لیکن آپکی عنایت نامہ نے مجھے
جلدی کرنے پر مضطر کیا اور ایسے وقت کہ مجھے ذرا فرصت نہ تھی اور آپ یہ حذف نام اسی عریضہ کو درج
کر دوں گا۔

خاکسار

"ریاض"

اسکے بعد و نیز الکار کے آخری صفحہ میں جو کچھ میں اپنی روش کے متعلق کہہ چکا ہوں مجھے کسی اعتراض کے
جواب کی امید نہ کیجائے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کتابوں میں کسی یا چند مسائل کے متعلق ہر شخص میرا ہمخیال
اور ہم روش نہ ہو۔ مجھے شاید عذر نہ ہوگا۔ اگر بجائے اخباری بحث مباحثہ کے نج کی گفتگو کیجائے۔
بہر حال کتاب ختم ہے۔ قومیں ہیں جو سال میں اپنے دن شراب خواری۔ سوانگ لہو ولعب
اور فحش کے لئے مخصوص کرتی ہیں۔ ہم لوگ محرم الحرام کے دس دنوں کو خصوصیت سے ایک انسان
عظیم کے واقعہ خوانی اور یادگاری صفات کے لئے مخصوص کرتے ہیں اور میں اپنی محنت نتیجہ خیز سمجھوں گا
اگر یہ ناچیز تحریر اس کام اسکے اور خاصہ نگاری خاصہ سازی میں مدد دے۔ فی امان اللہ۔

خاکسار

ریاض